نورِ الٰہی کے پروانے

اولیائے کرام کے ایمان افروز حالاتِ زندگی

محمد اسلم لودھی

وفا پبلی کیشنز
11۔ لوئر گراؤنڈ فلور شملہ ٹاورز نزد شملہ پہاڑی لاہور۔ فون: 6370111

نام کتاب .... نورِ الٰہی کے پروانے
مصنف .... محمد اسلم لودھی
ناشر .... وفا پبلی کیشنز
11 لوئر گراؤنڈ فلور شملہ ٹاورز نزد شملہ پہاڑی لاہور
مطبع .... رحمانیہ پرنٹرز لاہور
تعداد 500
سرورق .... محمد عامر سعید
قیمت .... -/150 روپے

واحد تقسیم کار

حق پبلی کیشنز

A-2 سیّد پلازہ چیٹر جی روڈ' اُردو بازار لاہور فون: 7220631

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
1-	کلام الٰہی	4
2-	نعت رسول مقبول ﷺ	5
3-	تاریخ ساز شخصیت	6
4-	تلاش مرشد	10
5-	انتساب	12
6-	حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	13
7-	حضرت سید میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ	23
8-	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	29
9-	حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ	81
10-	شیر ربانی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ	104
11-	حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ	114
12-	حضرت دیوان حاجی شیر محمد چاولی رحمۃ اللہ علیہ (بورے والا)	129
13-	حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ	134
14-	حضرت نظام الدین اولیاء المعروف محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ	137
15-	حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	171
16-	حضرت سید شبیر احمد شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	198
17-	حضرت سید محمد چراغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	206
18-	حضرت عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ	218
19-	حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	226
20-	حضرت پیر کرم علی شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	233
21-	حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ	237
22-	حضرت سید محمد اصغر احمد شاہ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ	242
23-	میرے پیر و مرشد پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہ عالیہ	259
24-	والدین کی دعاؤں کا اثر	299
25-	استفادہ	302

کلام الٰہی

کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری عبادات' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

(سورۃ الانعام آیات 162:163)

اور جب کسی کام کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(سورۃ آل عمران) آیت 159)

اے ایمان والوں اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے آخرت کیلئے کیا سامان بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

(سورۃ الحشر آیت 18)

نعتِ رسول مقبول ﷺ

تیرےؐ قدموں کو چوم کر کھولے
روشنی جب سحر کا در کھولے

تجھؐ سے پہلے کچھ ایسا عالم تھا
زندگی رو رہی تھی سر کھولے

تیریؐ رحمت کی اک نظر آقا
دل سے لپٹے ہوئے بھنور کھولے

دیکھنی ہے مجھے جھلک ان کی
پھر رہا ہوں میں چشم تر کھولے

ریگ زار جہاں میں یادِ نبیؐ
مجھ پہ آسائش سفر کھولے

تیریؐ کملی کا سر پہ سایہ تھا
تب ہمائے سخن نے پر کھولے

(جنید آزر)

تاریخ ساز شخصیت

تاریخ ساز سے عام طور پر وہ شخصیت مراد لی جاتی ہے۔ جس نے عالم انسانیت کو ایک ایسا لائحہ عمل دیا ہو جس نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہو' لیکن تاریخ کا رخ موڑنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سیاسی طور پر کسی علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کے زیر اثر آجائیں' بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی قوم اور اس کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بدل جائیں۔ یوں تو تاریخ انسانیت میں چھوٹے بڑے بہت سے مصلح آئے جنہوں نے اپنے طریقہ کار سے دنیا کے ایک حصے کو ایک مختصر وقت تک کیلئے انسانی زندگی کو معاشی یا سیاسی یا روحانی دائرہ میں متاثر کیا اور تاریخ کے سینے پر اپنے نشان چھوڑے' لیکن جہاں تک ختم الرسل' سردار انبیاء حضرات محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات کا تعلق ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ عالم انسانیت کے سب سے بڑے تاریخ ساز انسان ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم نے سارے عالم کو نہ صرف متاثر کیا' بلکہ آپ نے اہل عالم کی سوچ' فکر و عمل' غرض کہ روح تک کو بدل کر رکھ دیا اور یہ سب کچھ صرف 23 سال کی مختصر مدت میں ہوا۔

آنحضرت ﷺ کی تاریخ ساز شخصیت کا یہ ایک معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کا آغاز ریگزار عرب سے کیا' مگر آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے ایک نیا ضابطہ حیات پیش کیا' ایک نیا دستور زندگی' جس میں ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور عقیدہ آخرت کو جزو

اعظم قرار دیا۔ لاالٰہ الا اللہ کے ذریعہ لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ غیر اللہ کی بندگی کو جھٹلایا' گویا انسان نے خود کو پالیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے روم و فارس کی پرشکوہ اور متمدن سرزمینوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت ہی میں آپ ﷺ کے نام لیواؤں سے آدھی دنیا بھر گئی۔ اسلام کے یہ محض نام لیوا نہ تھے جو دشمنوں سے مقابلہ کے وقت کہتے کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑے' ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے' بلکہ وہ جانثار غلامانِ محمد ﷺ تھے جو آپ ﷺ کے پسینے کی جگہ ہر وقت اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان جانثاروں کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ تاریخ میں نہ محمد ﷺ جیسی شخصیت پیدا ہوئی اور نہ ایسے جانثار صحابہؓ ہی پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے وہ صحابہؓ جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

دراصل آنحضرت ﷺ نے انسانی فکر' سوچ' ذہن بلکہ ساری روح انسانیت کو بدل کر رکھ دیا۔ روح انسانیت جو تمام نیکیوں کا ازلی سرچشمہ ہے' روح انسانیت جو وقتی حالات اور تقاضوں کے ساتھ نہیں بدلتی' بلکہ ہمیشہ کیلئے انسانوں کو ان کی تخلیق کا اصل مقصد یاد دلاتی رہتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیم جہاں جہاں پہنچی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے ان کی زندگیوں کی نہج اور انداز بدل گئے مخلوق کا اپنے خالق سے تعلق استوار اور مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

تاریخ میں کسی شخصیت کے مقام کا تعین حاصل شدہ کامیابیوں اور منفعتوں کے پیمانے پر کیا جاتا ہے جو انجام کار خیر و فلاح کی صورت میں ہمیشہ جاری رہنے والی اور برباد نہ ہونے والی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی تاریخ ساز شخصیت کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کو معاشی ضروریات یا سیاسی مصلحت کے تقاضوں کے تحت اسلامی انقلاب کا نعرہ نہیں دیا' بلکہ یہ ایک پیغام تھا بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کیلئے' انسان کو اس کا کھویا ہوا

مقام دلانے کیلئے ۔۔۔۔ یہ کہ تم سب آدم کی اولاد ہو' آدم مٹی سے پیدا کئے گئے اور تم بھی سب مٹی سے پیدا کئے گئے ہو' تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں اور اللہ کے نزدیک تم میں وہ شخص صاحب عزت وتکریم ہے' جو گناہوں سے بچتا ہو۔ وحدت انسانی اور انسانی مساوات کا یہ تاریخ ساز کارنامہ ان صاف اور کھلے لفظوں میں رسول اکرم ﷺ کے سوا دنیا کے کسی مصلح نے اسلامی اخوت کا کبھی نہ بھلایا جانے والا سبق نہیں دیا۔ جس کے لاتعداد عملی مظاہر سے اسلامی تاریخ کے صفحات میں بھرے پڑے ہیں یہ سبق ایک لازوال نعمت ہے جو دنیا کے تمام مسلمانوں کو عطا کی گئی جو نہ صرف اخلاقی و معاشرتی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ایک بے نظیر قوت ہے۔

اسلام سے پہلے انسانی برادری ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھی ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ اسلام آیا تو جن لوگوں نے اسے قبول کیا وہ اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ کاش ہم مسلمان اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی صحیح قدر و منزلت سے آشنا ہو جائیں۔ اور فرقوں میں تقسیم ہونے کی بجائے ایک خدا' ایک رسول اور ایک قرآن کو سچے دل سے ماننے لگیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا کہ یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ نے 23 سالہ مختصر پیغمبرانہ زندگی میں کیونکر اور کیسے کر لیا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ دنیا میں خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی اور عملی کمالات کے جامع اور انسان کامل کا ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی تاریخ ساز شخصیت اور تعلیم کا اثر صرف انسانی عقائد تک محدود نہیں ہے' بلکہ وہ انسانی فکر و عمل کے ہر محور کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم پوری انسانی زندگی کو اپنا ہدف اور مطمع نظر قرار دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین' اپنے ماننے والوں کیلئے نہ صرف عقائد و عبادات بلکہ تجارت و صنعت' کھیل و تفریح' تعلیم و سیاست' غرض زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو کو فطری بنیادوں پر ایک توازن کے ساتھ منظم کرتا ہے۔ اسلام

انسانی زندگی کو ایک نا قابل تقسیم وحدت قرار دیتے ہوئے اس کے تقاضوں کو خواہ روحانی ہوں یا مادی' فکری ہوں یا جسمانی' آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر لاتا ہے۔ وہ زندگی میں دورنگی برداشت نہیں کرسکتا کہ خدا سے تعلق کو ایک جز وقتی معاملہ قرار دے کر شب و روز کے باقی حصے کو انسان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ دنیا میں من مانیاں کرتا پھرے۔ اسلام تمام تر دنیاوی ترقی کے ساتھ دین و ایمان کے دائرہ میں رہتے ہوئے اخلاقی قدروں کی حفاظت پر پورا زور دیتا ہے' تاکہ انسانی زندگی میں توازن قائم رہے' جو ترقی کیلئے اشد ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا یہی وہ رخ ہے جو آپ کو دنیا کے دوسرے ادیان سے ممتاز اور آپ ﷺ کی تاریخ ساز شخصیت کو سب سے بلند اور اعلیٰ قرار دیتا ہے۔

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ جو انقلاب معاشی یا سیاسی راستے سے آتے ہیں وہ معیشت یا سیاست کے بھنور میں آکر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں' لیکن جو انقلاب روح کے راستے آتا ہے' وہ مستقل بالذات اور دیرپا ہوتا ہے۔ جس کے اثرات قائم اور ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ گو وقفہ وقفہ سے کچھ تحریکیں روح انسانیت کے صاف و شفاف چشموں کو گدلا کرنے کیلئے نمودار ہوتی رہتی ہیں مگر ان کی حیثیت پانی پر جھاگ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہمیں ان سے گھبرانے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات صرف عقیدہ کو عمل سے ہم آہنگ کرنے کی ہے۔ الحمدللہ اسلام کی اصل روح باقی' نافذ اور جاری ہے اور وہ ہے حق و صداقت کی روح۔ تاریخ کا منتخب عمل ہمیشہ صداقت کے حق میں رہتا ہے اور حق و صداقت کی روح بالآخر تاریخ پر غالب رہتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دنیا کو جو مثبت اور ابدی خدائی پیغام قرآن کی شکل میں دیا' اپنے فرمودات اور عمل کے ذریعہ ہدایت کی جو سچی راہ متعین فرمائی بلکہ اس راہ پر خود چل کر دکھایا وہی راہِ صراط مستقیم ہے وہ راہ ہمیشہ قائم اور زندہ و تابندہ رہنے والی ہے اور اس سے ہٹ کر ہر راستہ گمراہی اور اندھیروں کی طرف جاتا ہے۔ (استفادہ۔ جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن)

تلاشِ مرشد

ایمان کی حرارت، محبت کی گرمی اور عشق کی تپش، کامل مرشد کی وجہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ قرآن حکیم بھی تعمیر سیرت، پختگی کردار، تشکیل تقویٰ اور آنکھوں سے غفلت کی پٹیاں دور کرنے کیلئے "وسیلہ" ضرور قرار دیتا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔"

آیت میں وسیلہ سے مراد جہاں کتاب وسنت ہے وہاں پیرومرشد کی توجہ اس کی تلاش اور بیعت بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اس سے یہی مراد لی ہے۔ (قول جمیل، صراط مستقیم بحوالہ ضیاء القرآن)

غوروفکر

تقویٰ اسلام کی روح اور اسلام دین فطرت ہے اس کی حقانیت لامحالہ ہر اس ذہن کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جو تعصب کی پٹی اتار کر صحیح خطوط پر غوروفکر کرے۔ قرآن جو ایک الہامی کتاب ہے وہ صرف اپنے قاری کو تلاوت ہی کی دعوت نہیں دیتی بلکہ فکر اور تدبر کرنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غوروفکر سے انسانی ضمیر زندہ ہوتا ہے اور حقائق کو تسلیم کرنا سیکھتا ہے جب قلب وجگر اور دل ودماغ کسی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے

تقاضے پورے کرنے پھر مشکل نہیں رہتے۔

تقویٰ چونکہ اسلام کا تقاضا ہے' اس لئے اس کی تشکیل بھی غور وفکر کی مرہون منت ہے۔

قرآن کی دعوت فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1- کتاب

2- انفس

3- آفاق

قرآن سے استدلال

i- ''بلاشبہ ہم نے قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔''

ii- ''وہ ذات جس نے تمہارے لئے آسمان سے پینے کیلئے پانی اتارا تم اس سے (اگنے والے) درختوں سے چراتے بھی ہو (وہ ذات) جو تمہارے لئے اس سے کھیتی اگاتا ہے۔ زیتون' کھجور' انگور اور ہر قسم کے پھل بلاشک اس میں فکر کرنے والی قوم کیلئے نشانی ہے۔''

iii- ''ان سے پوچھو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے۔ سماعت اور بصارت کی قوتوں کا مالک کون ہے۔ بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے۔ اس نظام کائنات کی تدبیر کون کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ پس کہو پھر تم کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔''

iv- سورت غاشیہ میں ایک مقام پر غور وفکر کی دعوت اس انداز میں دی گئی۔

''کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کیونکر پیدا ہوئے اور آسمان کو کیسے بلند کیا گیا۔ پہاڑ کس طرح گاڑے گئے ہیں اور زمین کس طرح بچھائی گئی ہے۔''

(استفادہ ڈاکٹر سید ریاض حسین شاہ)

انتساب

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون.

''بے شک اللہ کے جن نیک بندوں نے اپنی زندگیاں اپنے رب کی خوشنودی اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کیں۔ وہی دنیا اور آخرت میں لائق تحسین ٹھہریں گے۔''

اس کتاب کا انتساب ایسے ہی نیک، صالح، متقی اور پرہیزگار بندوں کے نام کیا جا رہا ہے۔ جن کی زندگی اور موت صرف اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا خاندانی نام جنید بن محمد کنیت ابوالقاسم تھا۔ آپ 215 ھجری کو بغداد میں پیدا ہوئے آپ کے والد گرامی کا نام محمد اور دادا کا نام جنید قواریری تھا۔آپ کے آباؤ اجداد ''نہاوند'' کے باشندے تھے عباسیہ دور کے آخری زمانے تک ان پہاڑی علاقوں کا صدر مقام ''نہاوند'' ہی تھا۔آپ کے والد گرامی حضرت جنیدؒ کی ولادت باسعادت سے پہلے ترک وطن کر کے بغداد میں آ کر آباد ہو گئے آپ کے والد جناب محمدؒ آئینہ سازی اور شیشہ گری کے آلات کی تجارت کرتے تھے۔

آپؒ نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جس کا بظاہر علم و فضل سے کوئی تعلق نہیں تھا البتہ آپ کے حقیقی ماموں حضرت سری سقطیؒ نہ صرف اپنے عہد کے مشہور صوفی بزرگ تھے بلکہ قیامت تک ان کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا رہے گا۔

جب آپؒ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو والد گرامی کے ہمراہ شیشے کی دکان پر بیٹھنے لگے۔ والد گرامی کی خواہش تھی کہ آپ کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔لیکن قدرت خداوندی ان کے بارے میں کچھ اور ہی فیصلہ کر چکی تھی اہل دنیا ظاہری آنکھوں سے صرف اتنا ہی دیکھ سکتی تھی کہ ایک چھ سالہ بچہ شیشے کی دکان پر بیٹھتا ہے جو آنے والے ہر خریدار کے ساتھ شائستگی اور ذہانت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔مگر کسی بھی شخص کو یہ راز معلوم نہیں تھا کہ اس بچے کا دل

آئینے سے بھی زیادہ صاف ہے اور یہی بچہ جوان ہو کر ہزاروں آئینے تراشے گا۔ جن کی چمک دمک اور آب و تاب قیامت تک پوری دنیا میں قائم رہے گی۔

حسبِ معمول ایک دن آپؒ اپنے والد کی دوکان پر تشریف فرما تھے کہ وہاں سے آپ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کا گزر ہوا۔ دوکان پر ننھے بھانجے کو دیکھ کر اپنے بہنوئی کو فرمانے لگے۔ یہ بچہ دوکانداری اور تجارت کیلئے پیدا نہیں ہوا۔

حضرت سری سقطیؒ کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ سن کر آپؒ کے والد گرامی جناب محمد نے پوچھا پھر آپ ہی بتائیں یہ بچہ کس کام کیلئے دنیا میں آیا ہے دراصل جناب محمد حضرت سری سقطیؒ کی بات سمجھ نہیں سکے تھے۔ اس لئے انہوں نے سرسری لہجے میں کہا کہ دوکاندار کا بیٹا دوکاندار ہی بنے گا۔

اس پر حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا یہ کوئی کلیہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت بے مثال کو جس طرح چاہے ظاہر کرے۔ انشاء اللہ یہ بچہ وہی بنے گا جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے گھر لے آئے۔ اب آپؒ ایک عارف وقت کی محبت کے سائے میں پرورش پانے لگے اور ماموں نے بھی بھانجے کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ ابھی ماموں کے پاس آئے ہوئے آپ کو صرف ایک سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ حضرت سری سقطیؒ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے۔ اس مقدس سفر میں حضرت جنید بغدادیؒ بھی ماموں کے ہمراہ تھے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سات سال تھی۔ اتنی کم عمری میں بھی آپ کی ذہانت کے بلاشبہ لوگ معترف ہو رہے تھے۔

جن دنوں آپ ماموں کے ہمراہ حج کی غرض سے مکہ معظمہ قیام پذیر تھے بزرگوں کی ایک محفل میں ایک انوکھی بحث چھڑ گئی کہ شکر کیا ہے۔ تمام بزرگ جب اپنے اپنے

خیالات کا اظہار کر چکے تو حضرت سری سقطیؒ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

بیٹا جنید! تم بھی بتاؤ کہ شکر کسے کہتے ہیں؟

آپ نے ماموں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پا کر اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

ایک سات سالہ بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر تمام بزرگ عش عش کر اٹھے اور بہت دیر تک آپ کی ذہانت کی تعریف کرتے رہے۔ جب تمام درویش خاموش ہو گئے تو حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے کی طرف دیکھ کر نہایت پرسوز لہجے میں فرمایا۔

مجھے یقین ہے کہ تمہیں حق تعالیٰ سے جو فیض پہنچے گا وہ تمہاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

حضرت سری سقطیؒ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی جوانی کے عالم میں جب آپ روحانیت کی منزلیں طے کر چکے تو اکثر اوقات اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کی پیشین گوئی کا ذکر کر کے روتے رہتے۔ جب کوئی رونے کا سبب پوچھتا تو آپ نہایت رقت آمیز لہجے میں فرماتے۔ کاش حضرت سری سقطیؒ میرے دل کے بارے میں بھی یہی ارشاد فرما دیتے۔

یہ حضرت جنید بغدادیؒ کا انکسار تھا ورنہ آپ کے قلب اور زبان دونوں سے فیض جاری تھا۔

کچھ دنوں بعد ماموں نے ایک بار پھر آپ سے پوچھا کہ جنیدؒ اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کیا جائے؟

جواب میں آپؒ نے عرض کیا۔ اللہ کی نعمتوں سے اس طرح فائدہ اٹھانا کہ معصیت (گناہ) کے کسی کام میں ان سے مدد نہ لی جائے۔ اسی کا نام شکر ہے۔

آپ کا جواب سن کر حضرت سری سقطیؒ نے بے اختیار ہو کر پوچھا بھانجے تمہیں یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟

آپؒ نے جذبہ عقیدت سے سرشار ہو کر عرض کیا آپ کی صحبت سے! یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے کو گلے سے لگالیا اور پیار کرتے ہوئے فرمایا کہ'

''اے اللہ! میں جنید کیلئے تجھ سے تیری نعمتوں کا سوال کرتا ہوں تو اس کے علم میں اضافہ فرما۔''

چنانچہ ماموں کی توجہ سے آپ نے والد کی دوکان پر جانے کی بجائے مکتب جانا شروع کر دیا۔ مکتب سے واپسی پر آپؒ اپنے ماموں کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور آپ کے وعظ و نصیحت بڑے غور سے سنتے۔ ایک دن جب آپ حسبِ معمول مکتب سے فارغ ہو کر ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا۔

آؤ بیٹا جنید! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

آپ نے جواباً نہایت ادب سے کہا یا شیخ میں حاضر ہوں!

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا بھانجے میرا ایک کام کر دو۔ آپ اسی لمحے اٹھے اور وہ کام کر آئے۔ اس پر حضرت سری سقطیؒ نے اپنے پیرہن مبارک کی جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور بھانجے کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ جنید تم نے میرا کام بہت مہارت اور دلچسپی سے کیا ہے اس لئے یہ تمہارا انعام ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے وہ کاغذ لے لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگے۔ کاغذ پر تحریر تھا۔

''میں نے صحرا میں ایک شتربان کو دیکھا جو نہایت پرسوز آواز میں یہ اشعار گا رہا

تھا۔

میں روتا ہوں اور جانتے بھی ہو کہ میں کیوں روتا ہوں۔

اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں تو مجھے فراق میں مبتلا نہ کر دے اور میری امیدیں قطع کر کے تنہا نہ چھوڑ دے۔" (ترجمہ)

یہ نصیحت کا عجیب و غریب انداز تھا جس سے متاثر ہو کر حضرت جنید بغدادیؒ بھی رونے لگے اور پھر اپنے محترم ماموں سے لپٹ کر عرض کرنے لگے۔ "اگر یہ کلام میرے لئے ہے تو بس اتنا سمجھ لیجئے کہ میں اس در کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔"

بھانجے کا جواب سن کر حضرت سری سقطیؒ کے چہرہ مبارک پر مسرت و شادمانی کا غیر معمولی رنگ ابھر آیا۔ آپ بھانجے کے دل کو آزمانا چاہتے تھے کہ اس دل میں محبت و ایفائے عہد کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ نہیں۔

آٹھ سال کی عمر میں آپ ماموں حضرت سری سقطیؒ کی ہدایت پر مشہور فقیہہ حضرت ابوثورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاگردی کی درخواست کی۔ آٹھ سال کے عرصے میں حضرت ابوثورؒ نے اپنا سارا علم حضرت جنید بغدادیؒ کے قلب و ذہن میں منتقل کر دیا۔ بیس سال کی عمر میں آپ نے فتوے دینے شروع کر دیئے اور لوگ آپ کی ذہانت اور فطانت کے بے حد قائل ہونے لگے۔ یہ عطیہ قدرت خداوندی تھا اور استاد گرامی حضرت سری سقطیؒ کا فیض بھی۔

حدیث اور فقہ میں سند کا درجہ حاصل کرنے کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت سقطیؒ سے عرض کیا۔ "اب میرے لئے کیا حکم ہے۔؟"

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا اب تم شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبیؒ سے تصوف کی تعلیم حاصل کرو۔ شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانہ

روزگار تھے۔آپ کوتب تابعین ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔آپ کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے والد ستر ہزار دینار چھوڑ کر فوت ہوئے۔مگر آپ نے عزیز رشتہ داروں کے کہنے کے باوجود باپ کے ترکے میں سے ایک دینار بھی قبول نہ کیا۔جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو شیخ حارثؒ نے فرمایا میرا باپ مجوسیوں کے ہم عقیدہ تھے اس لئے میرا ان کے ترکے کوئی تعلق نہیں۔"

حلال روزی کھانے میں شیخ حارثؒ کی احتیاط اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ اتفاق سے اگر کوئی حرام لقمہ ان کے ہاتھ میں آجاتا تو انگلیوں کی ایک مخصوص رگ بے اختیار پھڑکنے لگتی اور آپ فوراً کھانے سے ہاتھ روک دیتے۔حضرت جنید بغدادیؒ کو حضرت شیخ حارث محاسبیؒ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ ان کو چچا کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت شیخ حارث محاسبیؒ کی صحبت سے حضرت جنید بغدادیؒ تین سال تک فیضیاب ہوتے رہے۔بعدازاں حضرت شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبیؒ کا انتقال 243 ھجری میں ہوا تو حضرت جنید بغدادیؒ کی عمر اس وقت صرف اٹھائیس سال تھی۔استاد گرامی کی وفات کا صدمہ شدید ہوا۔بے شک آپ کا جذبہ طلب تسکیں نہ پاسکا مگر حضرت شیخ حارث محاسبیؒ کی شکل میں آپ نے مرد جسور وغیور کو دیکھ لیا تھا۔جس کی پیشانی نیاز اللہ کے سوا کسی کے آستانے پر خم نہیں ہوئی۔

استادگرامی حضرت شیخ حارثؒ کی وفات کے بعد آپ واپس اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں تشریف لے آئے اور ان کے دستِ حق پر باقاعدہ بیعت کرلی۔

پیرومرشد کی نظر کرم سے حضرت جنید بغدادیؒ کی روحانیت اس درجے تک پہنچ گئی کہ حضرت سری سقطیؒ بھی آپ کی گفتگو سن کر حیران ہو جاتے یونہی ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ پیرومرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب منظر دیکھا ایک شخص خانقاہ میں بے

ہوش لیٹا ہوا ہے پیرومرشد اس کے نزدیک پریشان بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے پیرومرشد سے نہایت ادب کے لہجے میں پوچھا کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا میں نے اس کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کی تھی جسے سنتے ہی یہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ وہی آیت دوبارہ پڑھی جائے جسے سن کر وہ بے ہوش ہوا تھا۔ اس پر حضرت سری سقطیؒ نے آپ کو بڑی حیرت سے دیکھا پھر باآواز بلند وہی آیت مقدسہ تلاوت فرمائی۔ چند لمحوں بعد وہ شخص ہوش میں آ گیا پیرومرشد کو اس بات پر تعجب ہوا جب بے ہوش ہونے والا شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا کہ آپ کو یہ تدبیر کس طرح معلوم ہوئی؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے بصد احترام عرض کیا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی گئی تھی پھر اسی کرتے سے آپ کی آنکھوں کی روشنی بحال ہو گئی تھی۔

پیرومرشد کو آپ کا یہ جواب بہت پسند آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جنید اب وقت آ گیا ہے کہ تم وعظ کہنا شروع کرو۔ مخلوق خدا کے درمیان اپنی زبان کھولو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اعجاز بیانی سے متصف فرمایا ہے۔

پیرومرشد کا حکم سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ لیکن حقیقت میں آپ بھرے مجمع میں گفتگو کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ایک رات خواب میں سرور کائنات ﷺ آپ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے کہ جنید اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک خاص نعمت بخشی ہے اس کا شکر ادا کرنے کیلئے وعظ کیا کرو۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے ساتھ ہی حضرت جنید بغدادیؒ کی ذہنی گرہ کھل گئی۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی دیکھا تو پیرومرشد حضرت سری سقطیؒ کھڑے مسکرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں جنید ہم بھی تو یہی کہتے تھے لیکن تم نہ مانے اب تو

وعظ کرو گے۔

ابھی آپؒ کا روحانی سفر بلندیوں کی طرف جاری تھا کہ آپ کو اپنی زندگی کے دوسرے جانگداز صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا صدمہ استاد گرامی حضرت شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبیؒ کی جدائی کا تھا یہ المناک واقعہ 243ھ میں پیش آیا آٹھ سال بعد 251ھ میں پیرومرشد حضرت شیخ سری سقطیؒ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ اپنے ماموں اور پیرومرشد حضرت سری سقطیؒ کی صحبت میں سات سال کی عمر سے موجود تھے۔ ماں باپ دونوں کا پیار ماموں نے عطا کیا۔ حضرت سری سقطیؒ کو بغداد میں دفن کیا گیا جہاں بڑے بڑے مشائخ پہلے ہی مدفن تھے۔

پیرومرشد کی جدائی کے بعد آپ نے حضرت شیخ ابوحفص عمر حدادؒ کی خدمت میں فیضیاب ہونے کا ابھی سوچا ہی تھا کہ وہ بغداد میں ہی تشریف لے آئے۔ آپ شریعت کے سخت پابند تھے حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت شیخ ابوحفص عمر حدادؒ کی مہمان نوازی کی عمدہ مثال قائم کی۔ لیکن 260ھ میں حضرت ابوحفص کا بھی انتقال ہو گیا۔ آپ 9 سال تک ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں حضرت شیخ محمد بن علیؒ اور حضرت محمد بن مروق طوسیؒ شامل تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے ارشاد کے مطابق آپ نے دوسو اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ آپ نے زندگی میں دو بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

ایک بار حضرت جنید بغدادیؒ کو آشوب چشم کا مرض لاحق ہو گیا۔ ابتدا میں آپ نے اس جانب توجہ نہ کی لیکن جب بیماری نے زور پکڑ لیا تو عقیدت مند بغداد میں موجود ایک عیسائی ماہر امراض چشم کو لے آئے۔ عیسائی معالج نے آپ کی آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد نسخہ لکھتے ہوئے کہا کہ اس بیماری کا علاج ایک ہی ہے کہ آنکھوں کو پانی سے بچایا

جائے۔عیسائی معالج کا مشورہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا میں تو پانچ وقت وضو کر کے نماز پڑھنے کا عادی ہوں اس صورت میں آنکھوں کو پانی سے کیسے بچایا جاسکتا ہے۔ عیسائی معالج نے جواباً کہا حضور اگر آپ کو آنکھیں عزیز ہیں تو پانی سے بچنا ہوگا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو۔اس پر عیسائی معالج نے کہا کہ پھر آپ بینائی سے محروم ہوسکتے ہیں۔ یہ کہہ کر عیسائی معالج چلا گیا۔حضرت جنید بغدادیؒ مکمل وضو کر کے نماز عشاء ادا کر کے سو گئے پھر اسی طرح تہجد پڑھی نماز فجر کے بعد مریدوں نے عجیب منظر دیکھا کہ آپؒ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوچکی ہیں۔ بلکہ خرابی کے آثار بھی نہ تھے۔

دوسرے دن عیسائی معالج آیا تو آپؒ کو مکمل صحت یاب دیکھ کر سمجھا کہ شاید آپؒ نے اس کے مشورے پر عمل کیا ہے۔لیکن جب مریدوں نے اسے بتایا کہ حضرت نے وضو کر کے نمازیں ادا کیں تو عیسائی معالج حیران رہ گیا۔اس پر حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس بیماری سے نجات دے دی۔

عیسائی معالج نے جب دوبارہ آپؒ کی آنکھوں کا معائنہ کیا تو حیران رہ گیا کہ مرض کا دھندلا سا نشان بھی باقی نہیں تھا۔وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔یہ مخلوق کا نہیں خالق کا علاج ہے اس کے ساتھ ہی عیسائی طبیب نے حضرت جنید بغدادیؒ کے دستِ حق پر اسلام قبول کر لیا۔

298ھ کو آپ پر بیماری اس قدر غالب آگئی کہ آپ بستر علالت پر دراز ہو گئے مریدوں اور عقیدت مندوں نے سمجھا کہ کوئی عام سی بیماری ہے اور جلد ہی آپ صحت یاب ہوجائیں گے۔لیکن بیماری تو ایک بہانہ تھا بلکہ خالق حقیقی کی جانب سے محبوب کو بلاوا تھا۔

آپ نے وصیت کرتے ہوئے اپنے مریدوں کو فرمایا جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے غسل دے کر میری نمازِ جنازہ پڑھا دینا۔میری تمام تحریریں اور سارا کلام میرے

ساتھ ہی دفن کر دینا۔ آپ کے مرید شیخ ابو محمد جریریؒ نے سبب پوچھا تو آپؒ نے فرمایا جب دنیا میں میرے آقا محمد ﷺ کا علم موجود ہے تو پھر میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے بعد کوئی ایسی چیز چھوڑ جاؤں جو مجھ سے منسوب ہو۔

پھر فرمایا کہ جب مجھے دفن کر کے واپس آئیں تو میرے دوستوں کو کھانا کھلا دینا۔

چنانچہ وصال سے پہلے آپؒ نے پورا قرآن پاک ختم کیا جب دوبارہ شروع کیا تو حضرت ابو محمد جریریؒ نے عرض کی سیدی! ضعف و توانائی کا یہ عالم ہے آپ برابر تلاوت کیے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔

ابو محمد! مجھ سے زیادہ تلاوت قرآن کا حقدار کون ہو سکتا ہے تم دیکھتے نہیں کہ حق تعالیٰ میرے صحیفہ عمر کو لپیٹ رہا ہے اس عالم میں انسان جو کچھ کر سکے اسے کر لینا چاہیے۔

جب سورۃ بقرہ کی 70 ویں آیت پر پہنچے تو ایک لمحے کے لئے ٹھہر گئے پھر آپ نے کسی قدر بلند آواز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا کہ آپؒ کی روح آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی۔

دریائے دجلہ کے مغرب میں واقع ''شونیزیہ'' کے قبرستان میں اپنے مرشد حضرت سری سقطیؒ کے پہلو آسودہ خاک ہوئے۔

کسی بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ قبر میں جب منکر نکیر آئے تو آپ نے ان کے سوالوں کا کیا جواب دیا؟

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

''جب فرشتوں نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا رب کون ہے تو میں نے کہا جب میں روز ازل میں شہنشاہ کے حضور میں عرض کر چکا ہوں کہ تو ہی میرا رب ہے تو پھر غلاموں کو کیا جواب دوں؟ میری بات سنتے ہی فرشتے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ابھی تک اس پر محبت کا نشہ طاری ہے۔

حضرت سید میراں حسین زنجانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کا وطن مالوف ایران کا شہر زنجان ہے۔ اسی نسبت سے آپ کو زنجانی کہا جاتا ہے۔ آپؒ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے خاندان سادات کے جدامجد حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے اور شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے میراں حسین زنجانی بن سید علی محمود بن حضرت ابوجعفر برقی بن ابراہیم حضرت امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن حضرت امام زین العابدین بن شہید کربلا حضرت امام حسینؓ بن حضرت علیؓ۔ حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم صغریٰ تھا جنکا تعلق بھی خاندان سادات ہی سے تھا۔ آپؒ کی والدہ بڑی زاہدہ‘ عابدہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ آپ کی تعلیم وتربیت زنجان ہی میں ایک امام مسجد کے زیر سایہ ہوئی۔ قرآن مجید پڑھنے کے بعد آپ نے تفسیر‘ حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔ انہی کی صحبت فیض سے آپ کے دل میں روحانیت کے باطنی اسرار جاننے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ جوان ہوتے ہی آپ تلاش حق کے جذبے سے سرشار ہو کر مرشد کامل کی تلاش میں نکلے۔ ان دنوں حضرت ابوالفضل ختلیؒ کی روحانیت کا بہت چرچا تھا چنانچہ آپؒ ان کی خدمت میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوئے اور انہی کے مرید ہو کر منازل سلوک طے کیں۔ آپؒ کے سلسلہ طریقت کو سلسلہ جنیدیہ کہا جاتا ہے جس کے بانی حضرت جنید بغدادیؒ تھے۔

آپؒ نے کئی سال مرشد کی خدمت میں گزارے اور اسرار باطنی حاصل کرنے کیلئے بہت سے مجاہدے اور عبادت الٰہی کی۔ اس طویل عرصہ میں آپؒ نے مجاہدے اور ریاضت کیلئے کئی ایک مصائب اور ہر طرح کی سختیوں کو بھی برداشت کیا۔ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو کچھ اذکار سکھائے اور خلوت میں بیٹھنے کی تاکید فرمائی۔ آپؒ نے مرشد کی نگرانی میں کئی ایک چلے بھی کاٹے اور کافی مدت تک بحکم مرشد ایک مکان میں گوشہ نشین بھی رہے اس عرصہ کے دوران نہایت قلیل غذا پر قناعت کی اور یہ سارا عرصہ آپ نے ذکر الٰہی اور ورد وظائف پڑھنے میں صرف کیا۔ آپ اسم اللہ کا بہت زیادہ ورد کرتے تھے۔ بزرگان دین اور صوفیاء عظام کے قول کے مطابق یہ ورد دوسرے تمام وردوں سے افضل تصور کیا جاتا ہے۔

آپؒ کے مرشد حضرت ابوالفضلؒ نے جب دیکھا کہ عظیم المرتب مرید نے ظاہرو باطنی علوم میں کامل دست گاہ حاصل کر لی ہے، تو انہوں نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرما کر اور میراں کا خطاب دے دیا جو رموز ولایت میں اعلیٰ درجہ کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کو اصلی نام کی بجائے اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

جب حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ نے روحانیت کی منزلوں پر عبور حاصل کر لیا تو شیخ طریقت نے فرمایا کہ جاؤ بیٹا ہندوستان میں جا کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کرو۔ مرشد سے حکم تبلیغ پا کر آپ واپس اپنے شہر زنجان میں آئے اور وہاں سے ایک چھوٹے سے قافلے کی صورت میں آپ نے ہندوستان کی طرف 385ھ کو اپنے تبلیغی سفر کا آغاز کیا اس قافلہ میں آپ کے حقیقی بھائی حضرت یعقوب زنجانیؒ اور موسیٰ زنجانیؒ بھی ہمراہ تھے ایک طویل سفر کے بعد یہ قافلہ قذوین شہر، سبزوار نیشاپور، ہرات، کا کا خیل، ہزارہ، جنجوعہ، مہمند، چبہ، غزنی، کابل، جلال آباد، پشاور، مارگلہ، گکھڑ کے مقامات سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا۔ لاہور میں آمد کے بعد آپ اور آپ کے ساتھیوں نے چند روز شہر کے جنوبی علاقے میں جہاں آج کل شاہ عالم

مارکیٹ ہے' گزارے۔ بعدازاں آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کیلئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب زنجانیؒ کو کہا کہ وہ تبلیغ کیلئے شہر کے جنوبی حصے کو اپنا مرکز بنالیں آپ کے بھائی حضرت موسیٰ زنجانیؒ نے مستی دروازہ کے باہر ڈیرہ لگالیا آپ نے اپنے لئے لاہور شہر کے مشرقی علاقے میں آبادی سے دور ساحل دریا کی خلوت کو پسند فرمایا جسے آپ کے اسم مبارک کی نسبت سے چاہ میراں کہا جانے لگا۔ آپ جس مقصد کو سرانجام دینے کیلئے اپنا گھربار چھوڑ کر سفر کی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں آئے تھے اس کو پورا کرنے کیلئے آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا ان دنوں لاہور کے لوگوں کی اکثریت ہندو دھرم کے پیروکاروں پر مشتمل تھی یہ لوگ سورج دیوتا کے مندر میں اپنی مذہبی رسومات کو ادا کرتے تھے اور وہاں اپنے عقیدہ کے مطابق دیوتا کے بت کی پوجا کرتے تھے تبلیغ سے پہلے آپ نے ہندوؤں کی زبان سیکھی۔ تاکہ لوگوں کو آپؒ کی زبان میں دین اسلام سمجھایا جاسکے پھر آپ نے تبلیغ کا آغاز فرمایا اور ایک عرصہ تک یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپ روزانہ شہر کی گلی گلی کوچے کوچے میں جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے آپ جہاں موقع پاتے' چند لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی توحید پر روشنی ڈالتے اور مذہب اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد لوگوں کو دین حق قبول کرنے کی تلقین فرماتے یہ سلسلہ آخری دم تک آپ نے جاری رکھا۔ اس طرح شروع شروع میں آپ کی کوشش سے چند لوگ اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے موذی مرض میں مبتلا چند بیمار ہندوؤں کو پان دم کر کے دیا جس کو کھانے سے وہ لوگ شفایاب ہو گئے اس واقعہ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور شہر میں آپ کی روحانیت کا چرچا ہونے لگا اس کے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ صاحب فیض و کمال بزرگ ہیں تو صبح و شام آپ کی قیام گاہ پر آتے اور آپ کے فیض سے مستفید ہو کر لوٹ جاتے۔ آپ نے لاہور میں 44

سال قیام فرمایا۔ آخری ایام میں بیمار ہو گئے جب بیماری کی وجہ سے آپؒ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو آپؒ کے سب سے زیادہ عقیدت مند ہندو رام چندر نے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ شہر میں میرے مکان پر تشریف نے چلیں وہاں تیمارداری کی سہولتیں آسانی سے میسر آسکیں گی آپ نے فرمایا: اب میرا آخری وقت آچکا ہے شہر میں جانے کا کیا فائدہ لیکن رام چندر نے بہت اصرار کیا تو آپ اس کے مکان پر شہر تشریف لے گئے۔ رام چندر کا مکان ان دنوں یکی دروازے کی اندرون آبادی میں تھا۔ آخر رام چندر کے مکان پر چند روز بیماری کی حالت میں قیام کرنے کے بعد آپ کا وصال ہوا آپ کے وصال کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ رام چندر کے مکان پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کے بھائی اور خاندان زنجانیہ کے وہ افراد جو لاہور میں تبلیغ کی غرض سے قیام پذیر تھے۔ یہ خبر سن کر آپ کا آخری دیدار کرنے اور جنازے میں شامل ہونے کیلئے رام چندر کے مکان پر جمع ہو گئے۔ غسل اور کفن دینے کے بعد جب آپ کا جنازہ اگلے روز صبح کے وقت شہر سے باہر لایا جارہا تھا تو عین اس وقت حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ لاہور میں تشریف لا رہے تھے اور جب وہ جنازہ کے پاس آئے اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ جنازہ حضرت حسین زنجانیؒ کا ہے۔ اس وقت حضرت علی ہجویریؒ کو اپنے مرشد کا یہ حکم یاد آیا۔ ''اے علی تم لاہور جاؤ۔'' جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا تھا کہ حضرت وہاں تو میرے بڑے بھائی حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ موجود ہیں۔ اس پر مرشد کامل نے فرمایا کہ ''اے علی! تم میرے حکم کی تعمیل کرو۔'' حضرت داتا صاحب نے کفن کھول کر آپ کے نورانی چہرہ مبارک کی زیارت کی اور جنازہ میں شرکت کی۔ آپ کے جسد خاکی کو باغ زنجان میں لایا گیا جہاں پر آپ ذکر و اذکار کیا کرتے تھے۔ حضرت داتا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا یہ باغ زنجان اسی جگہ واقع

تھا جہاں آج کل چاہ میراں میں آپؒ کا مزار مبارک ہے۔ آپ کا فیض عام آج بھی جاری و ساری ہے۔

قدیم تاریخ لاہور کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کشی کی ہے۔ بے شمار اولیاء کرام بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتے رہے ہیں۔

تعلیمات اور آپ کے اقوال زریں

1- ایمان کی بنیاد دل کی تصدیق' زبان کا اقرار' تن کا عمل' سنت کی مطابقت ہے۔ ایسا ایمان محکم اور محفوظ ہوتا ہے۔

2- دنیا ایک دریا ہے اس کا کنارہ آخرت ہے تقویٰ ایک کشتی ہے اور اس کے عمل کے بغیر دنیا کو عبور کرنا مشکل کام ہے۔

3- قرآن اور سنت نبویؐ پر عمل کرنا اور دنیا سے بے رغبت رہنا تبلیغ اسلام کا سب سے پہلا اصول ہے۔

4- انسان کو دنیا میں ایسی دولت اکٹھی کرنی چاہئے جو مرتے وقت ساتھ جائے۔

5- جس انسان کی زبان میں نرمی ہو اس میں محبت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

6- دنیا کی تمام خوشیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں جو اپنے رب کے ہر حکم پر ہر وقت صبر و شکر اور حمد کا ورد جاری رکھتا ہے۔

7- درویش اور صوفی وہ ہے جو اپنی استقامت کے مطابق لوگوں کی حاجت پوری کرتا ہے۔

8- سماع' دین سے دور ہونے والوں کیلئے ایک عمل ہے لیکن رقص و سرور ایمان کا حصہ نہیں بن سکتا۔

9- اہل بدعت اور غیر شرعی قسم کے لوگوں کو ذکر وفکر قابل قبول نہیں ہوتا۔

10- ایک سچے عالم دین کی تباہی یا ہلاکت جہاں کی تباہی و بربادی کا باعث بنتی ہے۔

11- ولی وہ ہے جس کا ہر عمل سنت نبویؐ کے عین مطابق ہو اور وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی بھی کرے۔

12- دین اسلام کی تبلیغ وہ کرے جو فقہ و حدیث پر کامل استطاعت رکھتا ہو۔ سنت کے ہر عمل سے آگاہ ہو اور خود بھی عمل پیرا ہو۔

روایت کے مطابق چاہ میراں' میراں دی کھوئی کے نام سے بھی مشہور ہے یہ کنواں پانی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے آپؒ نے کھدوایا تھا۔ ابتداء میں اس کنویں کا پانی انتہائی بدذائقہ اور کھارا تھا پھر حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کی دعا کی برکت نے کھارے کو میٹھے پانی میں تبدیل کرنے کے علاوہ اس میں شفا بھی بھر دی سینکڑوں سال تک اس کنویں کا میٹھا پانی ہر قسم کے امراض میں مبتلا مریضوں میں شفا بانٹتا رہا۔ لوگ دور دراز علاقوں سے آکر متبرک پانی سے فیض یاب ہوتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو جتنے مرض لاحق ہوتے وہ اس کنویں سے اتنے ہی گھونٹ پانی پیتا تو مرض ختم ہو جاتے بہت جلد اس کنویں کے پانی کی تاثیر کے چرچے پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور شفا کی حاجت رکھنے والے لوگ لاہور میں صرف پانی حاصل کرنے کیلئے دور دور سے آتے اور صاحب کرامت ولی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو جاتے۔ پھر آپ کے پردہ فرمانے کے سینکڑوں سال بعد دریائے راوی کے سیلابی پانی کی وجہ سے سارا علاقہ زیر آب آگیا لیکن جب سے اس کنویں کا تقدس پامال کرتے ہوئے چند لوگوں نے یہاں نہانا شروع کر دیا پانی میں شفایابی کی تاثیر بھی ماند پڑتی گئی۔ اب وہیں متبرک کنواں مقدس قرآنی کاغذوں سے بھرا دیا گیا بہرکیف جہاں لاہور میں اسلام پھیلانے والوں کا ذکر آئے گا وہاں حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کا نام بھی آئے گا جنہوں نے اپنے مرشد کے حکم پر طویل ترین سفر طے کر کے یہاں دین اسلام کی تبلیغ کی اور لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا۔

پیران پیر، غوث الاعظم
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

سرزمین عرب کا ایک پاکیزہ ذہن اور نیک سیرت نوجوان اللہ کی یاد میں ایسا مشغول ہوا کہ اسے شہر کی رونقیں زہر دکھائی دینے لگیں عبادت میں یکسوئی اور سکون دل کیلئے اللہ کے نیک بندے عموماً جنگلوں بیابانوں، غاروں اور دریاؤں کے کنارے چلہ کشی کر کے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ یہی آرزو اور تمنا قصبہ جیلان کے ایک نوجوان کو حرص وہوس سے دور دریا کے کنارے لے گئی۔ یہ نوجوان دنیا مافیا سے بے خبر کئی دن تک مراقبے کی منزلیں طے کرتا رہا۔ بھوک کی شدت نے اسے نڈھال کر دیا۔ دور تک نظریں دوڑائیں لیکن کھانے کو کوئی چیز میسر نہ آئی اور نہ ہی پھل کا کوئی ایسا درخت تھا جس سے پیٹ کی آگ بجھائی جا سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھوک کی شدت نڈھال کر رہی تھی۔ اچانک دریا کے بہتے ہوئے پانی کی طرف نظر گئی تو پانی میں تیرتا ہوا ایک سیب دکھائی دیا۔ عالم غیب کی مدد سمجھ کر نوجوان نے وہ سیب پانی سے نکال کر کھا لیا جس سے کسی حد تک بھوک کی شدت کم ہوئی۔ سیب کھانے کے بعد اس اندیشے نے دل و دماغ میں طوفان برپا کر دیا کہ،

"یہ سیب کسی کی ملکیت تو نہیں تھا؟"

اس خیال کے آتے ہی نوجوان مضطرب ہو گیا اور اس کے پرنور چہرے پر

وحشت برسنے لگی جیسے اسے کسی نے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو۔

''کیا تو نے سیب کے مالک سے اسے کھانے کی اجازت مانگی تھی؟'' غائب سے آواز آئی۔

نوجوان نے گھبرا کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔۔۔ مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

نوجوان ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ چند لمحوں بعد اسے پھر وہی آواز سنائی دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ذہنی کشمکش وحشت میں تبدیل ہوگئی۔ نوجوان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں اور اسے پکارنے والا کون ہے؟ آخر بہت دیر بعد اس پر یہ راز فاش ہوا کہ یہ آوازیں کسی غیر کی نہیں' خود اسے اس کا ضمیر پکار رہا ہے پھر یہ خلش اس سے برداشت نہ ہوسکی اور وہ بے اختیار دریا کی اس سمت میں چل پڑا جدھر سے سیب دریا میں بہہ کر آیا تھا۔

نوجوان تیز رفتاری کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے چلتا رہا کئی وقت کے فاقوں سے نیم جاں مسافر تھکتا جا رہا تھا کہ اسے سیبوں کا ایک باغ دکھائی دیا۔ نوجوان کو اپنے نڈھال جسم میں تازگی کی ایک لہر سی محسوس ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ سیب کے کچھ درخت پانی پر جھکے ہوئے تھے۔ نوجوان کو یقین آ گیا کہ جس سیب نے کچھ دیر کیلئے اس کے شکم کی آگ کو سرد کیا تھا' اس کا تعلق اسی باغ سے ہوگا۔

نوجوان نے باغ میں کام کرتے ہوئے مزدوروں سے پوچھا۔ ''اس باغ کے مالک کون ہیں؟ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

کچھ دیر بعد باغ کا مالک جو ایک عمر رسید شخص تھا' دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

''کیسے آئے نوجوان؟'' بوڑھے شخص کا لہجہ نہایت شگفتہ تھا۔ ''مجھ سے کوئی کام ہے۔''

نوجوان باغ کے مالک کی بزرگی کو دیکھتے ہوئے اپنی جگہ پر احتراماً کھڑا ہو گیا اور اپنی داستان بیان کرنے لگا۔ ''میں دریا کے کنارے بیٹھا تھا کہ ایک سیب پانی میں بہتا نظر آیا مجھے اس وقت شدت کی بھوک محسوس ہو رہی تھی نتیجتاً میں نے سیب دریا سے نکال کر کھا لیا۔ مگر اب میں اپنے ضمیر پر ایک ناقابل برداشت بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔''

باغ کے مالک نے بڑی حیرت کے ساتھ نوجوان کی گفتگو سنی کچھ دیر تک غور کرتا رہا پھر نوجوان سے مخاطب ہوا۔ ''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں اپاہج نہیں ہوں ورنہ آپ سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لیتا۔'' نوجوان نے مؤدبانہ لہجے میں عرض کیا۔

بوڑھا استفہامیہ نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں تمہاری اس بات کا مفہوم نہیں سمجھا' ذرا وضاحت سے اپنا مقصد بیان کرو۔''

''میرا مطلب یہ ہے بزرگ کہ جب انسان کے دست و پا صحیح و سلامت ہوں تو اسے اپنے جرم کی سزا بھگتنی چاہئے۔'' نوجوان نے ٹھہر ٹھہر کے مدھم آواز میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ مجھ میں ایک سیب کی قیمت ادا کرنے کی صلاحیت ہے مگر چونکہ میں نے نادانستہ طور پر ایک جرم کیا ہے' اس لئے اب سیب کی قیمت بازار کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ جو آپ طے کریں گے وہی قیمت مجھے قبول ہوگی اور میں بہ رضا و رغبت اسے ادا کروں گا۔

باغ کے مالک نے سر سے پاؤں تک دوبارہ نوجوان کی ظاہری شخصیت کا جائزہ لیا پھر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''نوجوان! میرا تمہارا حساب برابر ہونے کی دو شرطیں ہیں۔''

نوجوان نے حیرت سے باغ کے مالک کی طرف دیکھا ایک معمولی چیز کی قیمت کی ادائیگی کیلئے پیشگی شرائط؟ اس نے سوچا مگر زبان سے کچھ نہیں بولا۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ تم ایک ماہ تک مسلسل میرے باغ کے درختوں کو پانی دو گے۔'' باغ کے مالک نے اپنی شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''جب تم میری مرضی کے مطابق اس کام کو تکمیل تک پہنچا دو گے تو پھر میں اپنی دوسری شرط بیان کروں گا۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط پوری نہ ہوئی تو میدان حشر میں تم میرے قرض دار ہو گے۔''

''آپ مطمئن رہیں۔ خدا نے چاہا تو میں بحسن وخوبی آپ کی یہ شرائط پوری کر دوں گا۔'' نوجوان نے کسی تامل کے بغیر جواب دیا۔

باغ کے مالک نے ایک بار پھر حیرت بھری نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھا۔

''تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ ایک ماہ کی شدید محنت ومشقت ایک سیب کی قیمت کے برابر کس طرح ہو سکتی ہے؟''

''ایک لمحے کیلئے مجھے خیال آیا تھا مگر پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ بہر حال آپ کو راضی کرنا ہے اگر آپ راضی نہیں ہوں گے تو میرے جرم کا یہ داغ کس طرح مٹے گا؟''

باغ کے مالک پر کچھ دیر تک حیرت وسکوت کی کیفیت طاری رہی پھر نوجوان کو مخاطب کر کے بولا۔ ''اب تم اپنا کام شروع کر دو۔ ایک ماہ بعد ملاقات ہو گی۔'' یہ کہہ کر بوڑھا شخص اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

الغرض شدید محنت کے بعد نوجوان نے باغ کے مالک کی اس شرط کو تکمیل تک پہنچایا تو وہ جہاندیدہ شخص ذمہ داری کے اس احساس پر حیران رہ گیا۔ نوجوان کی پیشانی پسینے سے تر تھی مگر اس کے ساتھ ہی خدا کے حضور سجدہ ریزی کا وہ نشان بھی نظر آ رہا تھا جو اس بات کی گواہی تھا کہ نوجوان نے اپنا وقت کس طرح گزارا ہے؟ بوڑھے کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی مگر اس نے اپنی دلی کیفیات کا اظہار نہیں کیا۔

''اب آپ مجھے اپنی دوسری شرط بتائیں۔'' نوجوان کے لہجے میں بیزاری نہیں

بے قراری تھی، وہ جلد از جلد باغ کے مالک کا قرض ادا کر دینا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی ریاضت میں ذہنی یکسوئی اور قلبی سکون حاصل ہو سکے۔

"دوسری شرط یہ ہے کہ تمہیں میری لڑکی سے شادی کرنی ہوگی۔" باغ کے مالک نے انتہائی سرد لہجے میں نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نوجوان بوڑھے شخص کی دوسری شرط سن کر حیران رہ گیا۔ "آپ مجھے جانتے تک نہیں کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوا؟ میرا حسب نسب کیا ہے؟ میں کس کردار کا مالک ہوں اور میرا ذریعۂ معاش کیا ہے؟ ان تمام باتوں کو جانے بغیر آپ نے اس قدر اہم فیصلہ کس طرح کر لیا؟"

ایک بار پھر نوجوان کی سوچ اور گفتگو نے باغ کے مالک کو متاثر کیا مگر وہ اپنی شرط پر قائم رہا۔ "یہ تمہاری ذمہ داری نہیں۔"

"بہر حال میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔" نوجوان نے انتہائی پر سکون لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

"مگر شادی سے پہلے میں تمہیں اپنی بیٹی کے عیب بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔" باغ کا مالک بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ "میری لڑکی پیدائشی بدصورت ہے جسے گردش تقدیر نے اپاہج اور اندھا بنا دیا ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھا شخص نوجوان کے چہرے پر اپنی دوسری شرط کا ردِ عمل تلاش کرنے لگا۔

نوجوان نے فوری طور پر بوڑھے کی بات کا کوئی جواب نہ دیا وہ اس عجیب و غریب شرط پر غور کرنے لگا پھر اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔ "اے میرے رب اپنے اس حقیر ناتواں بندے کی دستگیری فرما۔"

پھر وہ باغ کے مالک سے مخاطب ہوا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میری غلطی اس

طرح معاف ہوسکتی ہے، جب میں آنکھوں کی روشنی سے محروم، ایک بدصورت اپاہج لڑکی سے شادی کرلوں۔''

سوال یقیناً بہت پیچیدہ تھا جس کا باغ کے مالک کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ مگر صورتحال اس قدر الجھ گئی تھی کہ اب بوڑھے شخص کا اپنی بات پر قائم رہنا ضروری ہوگیا تھا۔ ''ممکن ہے، دنیاوی قانون کے اعتبار سے تمہیں میری یہ شرط بہت کڑی اور غیر مناسب معلوم ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اسے جبر سمجھو مگر میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب تک میری دوسری شرط پوری نہیں ہو جاتی، اس وقت تک میں تمہیں اپنا مجرم سمجھتا رہوں گا۔''

نوجوان نے بوڑھے کی اس وضاحت کے بعد پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ بس اس نے پرعزم انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اے رب ذوالجلال! آزمائش کی اس مشکل گھڑی میں میرے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو استقامت دے۔ میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔''

آسمان سے نوجوان کی دعا کا کیا جواب آیا؟ یہ انسان کی ظاہری آنکھ نہ دیکھ سکی۔ مگر باغ کے مالک نے اتنا ضرور دیکھا کہ ان دعائیہ کلمات کی ادائیگی کے بعد نوجوان کا چہرہ پرسکون ہوگیا جیسے تائید غیبی کے سبب اس میں یہ بوجھ اٹھانے کی طاقت پیدا ہوگئی ہے۔

اس کے بعد نوجوان نے باغ کے مالک کی شرط پوری کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ایک باپ کی اس سے بڑی خواہش اور کیا ہوسکتی تھی کہ اس کی اپاہج، نابینا اور بدصورت بیٹی کو ایک خوبصورت نوجوان شوہر مل جائے۔ نتیجتاً باغ کے مالک نے شادی میں عجلت کی اور دوسرے دن ہی تمام رسمیں ادا کر دی گئیں۔ نکاح کے بعد بوڑھے کے چہرے سے بے پناہ مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ نوجوان کے چہرے پر بھی خوشی کی ایک ایسی جھلک نمایاں تھی

جسے پہلی ہی نظر میں محسوس کیا جا سکتا تھا۔ دونوں کے چہروں پر اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا نور تھا۔ بوڑھا یوں مطمئن تھا کہ اس کی بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو چکا تھا اور نوجوان اس لئے مسرور تھا کہ اس نے بحسن وخوبی اپنی ایک غلطی کا کفارہ ادا کر دیا تھا اور جب اس نے پہلی بار اپنی بیوی کو دیکھا تو اس طرح گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے کوئی اور لڑکی اس کی خلوت گاہ میں موجود ہے۔ باغ کے مالک نے اپنی بیٹی کا جو حلیہ بیان کیا تھا حجلہ عروسی میں موجود لڑکی اس سے یکسر مختلف تھی۔ روشن آنکھیں، دست و پا سالم اور پرنور چہرہ لڑکی کے نقش و نگار پر ملکوتی حسن کا گمان ہوتا تھا نوجوان انتہائی سراسیمگی کے عالم میں باغ کے مالک اور اپنے خسر کو ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

''بزرگ! شاید اہلِ خانہ سے غلطی ہوگئی؟'' نوجوان بہت گھبرایا ہوا تھا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ جیسے مجھے کسی نئی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے۔''

''کیسی غلطی اور کیسی آزمائش؟'' باغ کے مالک نے مسکراتے ہوئے اپنے داماد سے پوچھا جو سر سے پاؤں تک تصویرِ حیرت بنا کھڑا تھا۔

''آپ نے اپنی دوسری شرط میں لڑکی کا جو ظاہری حلیہ بیان کیا تھا، میری بیوی اس کے مطابق نہیں ہے۔'' نوجوان نے اپنی حیرت و پریشانی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا۔

باغ کا بوڑھا مالک نوجوان کی شدت اضطراب پر مسکرایا اور ایک شفیق باپ کی طرح بولا۔ ''اے میرے نیک بچے! وہ تیری ہی بیوی ہے۔ خالق کائنات نے تجھے اس سخت آزمائش میں ثابت قدم رکھا۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کو ایسے ہی انعامات سے نوازتا ہے۔''

باغ کے مالک کی گفتگو میں ایک عجیب ٹھہراؤ تھا۔ نوجوان چونکے بغیر نہ رہ سکا

آج وہ ایک بوڑھے تاجر کی شخصیت کا بالکل نیا انداز دیکھ رہا تھا۔

''مگر آپ نے غلط بیانی سے کام کیوں لیا؟ میں یہ راز جاننے کیلئے سخت مضطرب ہوں۔'' نوجوان کی حیرت و بے قراری کا وہی عالم تھا۔

''فرزند! میں نے تم سے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔ اپنی بیٹی کے بارے میں جو کچھ کہا' وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔'' باغ کے مالک کے ہونٹوں پر ایک مطمئن اور آسودہ مسکراہٹ تھی۔

''میں نے کہا تھا کہ میری بیٹی بدصورت ہے' تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمہاری بیوی کے چہرے پر دنیاداری کا غازہ نہیں ایسی لڑکیاں اس معاشرے میں بدصورت ہی کہلاتی ہیں جو اپنی شخصیت کو دنیا کے رنگوں اور لباسوں سے آراستہ نہیں کرسکتیں۔ میں نے کہا تھا کہ میری بیٹی اندھی بھی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے اسلامی طرز معاشرت کے مطابق اس کی پرورش کی ہے وہ اب تک کسی نامحرم کے سامنے نہیں آئی اور آئندہ بھی نامحرم کے لئے اس کی آنکھیں بے نور ہی رہیں گی وہ اپاہج یوں ہے کہ اس کے قدم آج تک کفر و گناہ کے کوچے تک نہیں گئے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ میں نے کیا غلط کہا تھا؟''

اپنے سسر کی بات سن کر نوجوان حیرت زدہ رہ گیا پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا جہاں ایک پاکباز دوشیزہ اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔

باغ کے یہ مالک مشہور صوفی بزرگ حضرت سید عبداللہ صومعیؒ تھے جن کا سلسلہ نسب تیرہویں پشت میں سیدنا حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے۔ حضرت سید عبداللہؒ بڑے زاہد اور پرہیزگار انسان تھے۔

حضرت سید عبداللہ صومعیؒ کی دختر کا خاندانی نام فاطمہ تھا۔ کنیت ام الخیر اور لقب امت الجبار تھا یہ اپنے وقت کی بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ اور جس نوجوان کی

سیدہ فاطمہؒ کے ساتھ شادی ہوئی تھی' وہ اپنے عہد کے نامور بزرگ حضرت سید ابو صالح موسیٰؒ تھے اور ان ہی عالی مرتبت ماں باپ کی روشن ترین نشانی' غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔

غوث اعظمؒ صحیح النسب سید تھے والد محترم کی طرف سے بارہویں پشت میں آپ کا سلسلہ حضرت سیدنا امام حسنؓ سے ملتا ہے۔ آپ کا خاندانی نام محمد عبدالقادر اور لقب محی الدین (مذہب کو زندہ کرنے والا تھا۔ آپ کی ولادت 470ھ میں ہوئی آپ کا آبائی وطن ایران کا ایک قدیم قصبہ جیلان ہے۔

آپ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے۔

اسی رات آپ کے والد محترم حضرت ابو صالحؒ نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا سرورِ کونین ﷺ اپنے صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرمایا۔

''اے ابو صالح! تجھے اللہ تعالیٰ نے فرزند صالح عطا فرمایا ہے وہ میرے بیٹے کی مانند ہے اور اولیاء میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔''

آپ کی پیدائش کی رات ایک اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا معتبر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس رات پورے شہر میں جس قدر بچے پیدا ہوئے وہ سب کے سب لڑکے تھے پھر وہ تمام لڑکے جوان ہو کر ولایت کی منزل تک پہنچے۔

آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ عبدالقادر رمضان المبارک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے پورے مہینے دن کے وقت دودھ نہیں پیا۔ دوسرے سال گہرے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آسکا اور لوگ شبہے میں پڑ گئے' آخر قرب و جوار کے چند لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا۔

''سیدہ! کیا تمہیں رویت ہلال کی کوئی خبر ملی ہے؟''

جواب میں سیدہ نے فرمایا۔ ''آج میرے عبدالقادرؒ نے خلاف عادت دن کے وقت دودھ نہیں پیا ہے اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ آج پہلا روزہ ہے۔''

کچھ دن بعد معتبر شہادتوں سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ دوسرے شہروں میں رمضان کا چاند نظر آگیا تھا پھر یہ بات دور دراز کے علاقوں میں بھی مشہور ہوگئی کہ سادات عجم میں ایک مبارک بچہ پیدا ہوا ہے جو ماہ رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

حضرت شیخ عبدالقادر نے ابھی ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ اچانک آپ کے والد محترم بیمار ہوکر دار فانی سے رخصت ہوگئے اکثر اولیائے کرام کی زندگی میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ وہ عہد طفلی ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوجاتے ہیں اور پھر مادہ پرست لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان یتیم بچوں کی زیست کیسے بسر ہوگی اور دنیا میں کون ان کا پرسان حال ہوگا مگر ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جب یہی بے سہارا بچے ساری دنیا کا مرکز نظر قرار پاتے ہیں اور بڑے بڑے بادشاہ اور سلطان ان کے آستانے پر کاسۂ سوال لئے کھڑے رہتے ہیں۔ قدرت کی اسی رسم خاص کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادرؒ بھی بچپن میں یتیم ہوئے لیکن ابھی آپ کے نانا حیات تھے۔ حضرت سید عبداللہؒ نے آپ کو اپنی آغوش محبت میں لے لیا اور محبوب نواسے کی تعلیم و تربیت جاری رکھی۔ حضرت شیخ عبدالقادر کا عہد طفلی دوسرے بچوں سے یکسر مختلف تھا آپ کو دوسرے بچوں کے کھیلوں اور مشغلوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جب کبھی بشری تقاضوں سے مجبور ہوکر دوسرے بچوں کی طرف متوجہ ہوتے تو ایک غیبی صدا آپ کا تعاقب کرتی۔

''اے برکت دیئے ہوئے میری طرف آ۔''

یہ آواز سن کر حضرت شیخ عبدالقادرؒ خوفزدہ ہوجاتے اور بھاگ کر اپنی مادرِ گرامی کی

آغوش میں چھپ جاتے۔

ایک بار حضرت شیخ عبدالقادرؒ سے پوچھا گیا۔

''آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا؟''

جواب میں حضرت شیخؒ نے فرمایا۔''جب میں دس برس کا تھا تو اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتا تھا' راستے میں مردان غیب میرے پیچھے پیچھے چلتے دکھائی دیتے تھے پھر جیسے ہی میں مدرسے میں داخل ہوتا تو مردان غیب کو بار بار کہتے ہوئے سنتا۔۔۔۔ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔۔۔۔ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔''

اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے ایک قافلے کے ساتھ آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے بغداد بھیجا قافلہ ایک سنسان راستے سے گزرا تو اس علاقے کے ڈاکوؤں نے تمام مسافروں کا ساز و سامان لوٹ لیا اور حضرت شیخ عبدالقادرؒ کو کسی غریب آدمی کا بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا جب یہ لٹا ہوا قافلہ آگے بڑھنے لگا تو رہزنوں کے سردار نے آپ سے ازراہ مذاق پوچھا۔

''بچے! تیرے پاس بھی کچھ ہے۔؟''

''ہاں''غوث اعظمؒ نے لٹیروں کی توقع کے خلاف جواب دیا۔

آخر سردار کے اشارے پر غوث اعظمؒ کی جامہ تلاشی لی گئی تو رہزنوں کو کچھ نہ ملا۔

''ہمیں بے وقوف بناتا ہے۔''ڈاکوؤں کا سردار ایک بچے کی بات کو مذاق سمجھ کر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ مذاق کیا ہوتا ہے میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں جو قبا کے دبیز استر میں بغل کے نیچے ٹانکی گئی ہیں۔'' حضرت شیخؒ نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

سردار کے کہنے پر دوبارہ تلاشی لی گئی آخر اس کے ساتھی اشرفیاں پانے میں کامیاب ہو گئے تمام رہزنوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ ایک لڑکا ان اشرفیوں کی نشاندہی نہ کرتا تو وہ اس طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے۔ لڑکے کی صاف گوئی پر سردار کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ تعجب ہوا تھا اس لئے وہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ سے یہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''لڑکے! تو جھوٹ بول کر اپنی ان اشرفیوں کو چھپا سکتا تھا پھر تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''

''رخصت کرتے وقت میری مادرِ گرامی نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ اگر جان پر بھی بن جائے تو جھوٹ نہ بولنا۔ یہی میری والدہ کا حکم تھا اگر تم مجھے قتل بھی کر دیتے تو میں اس حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔'' حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے اس قدر جرأت بے باکی کے ساتھ فرمایا کہ تمام رہزن دم بخود رہ گئے؟ قزاقوں کے سردار پر سکتہ طاری تھا پھر اچانک اس کے ساتھیوں نے اسے روتے ہوئے دیکھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند لفظوں کی حرارت سے پتھر بھی پگھل جائے گا۔ عجیب انقلابی لمحات تھے جس شخص کیلئے قتل و غارت ایک کھیل تھا' اس کی آنکھیں اشک برسا رہی تھیں۔

''سردار! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' ساتھی لٹیروں نے پوچھا۔

''افسوس! میں ہلاک ہو گیا اس لڑکے کو اپنی ماں سے کئے ہوئے عہد کا اس قدر پاس ہے اور میں اپنے اس عہد کو دن میں کئی بار توڑ دیتا ہوں جو میں نے خالق کائنات سے کیا ہے۔'' یہ کہہ کر سردار نے لوٹا ہوا مال تمام مسافروں کو واپس کر دیا اور حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے ہاتھوں کو بے اختیار چوم لیا۔

''تو عظیم ہے کہ مجھ جیسے پستی میں گرے ہوئے انسان کو ملا۔ تو میرا راہنما ہے کہ تو نے مجھے سچائی کا راستہ دکھایا' تو حق کی روشنی ہے کہ اگر آج کی رات تجھ سے ملاقات نہ ہوتی

تو میں زندگی بھر گناہوں نے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا۔

پھر قزاقوں کے سردار پر ناقابل بیان وحشت طاری ہو گئی اور وہ رات کے سناٹے میں چیختا ہوا کہیں گم ہو گیا۔

''اے دنیا! میرا پیچھا چھوڑ دے۔ میں تجھ پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

یہ غوث اعظمؒ کی پہلی کرامت تھی جس نے ایک رہزن کی زندگی کا نقشہ بدل دیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں اساتذہ سے سبق لے کر جنگل کی طرف نکل جایا کرتا تھا۔ پھر بیابانوں اور ویرانوں میں، دن ہو یا رات، آندھی ہو یا موسلا دھار بارش، گرمی ہو یا سردی، اپنا مطالعہ جاری رکھتا تھا۔ اس وقت میں اپنے سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ باندھتا اور معمولی کپڑے کا جبہ پہنتا تھا۔ کئی کئی دن فاقوں میں گزر جاتے۔ پھر دریائے دجلہ کے کنارے اگنے والی ترکیاں کھا کر شکم کی آگ سرد کرتا۔ کبھی کبھی یہ ترکاریاں بھی ہاتھ نہ آتیں کیونکہ بھوک کے مارے ہوئے دوسرے فقراء بھی ادھر کا ہی رخ کیا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر مجھے شرم آتی تھی کہ میں درویشوں کی حق تلفی کروں۔ مجبوراً وہاں سے چلا جاتا اور اپنا مطالعہ جاری رکھتا۔ پھر نیند آتی تو خالی پیٹ ہی کنکریوں سے بھری ہوئی زمین پر سو جاتا۔

حضرت غوث اعظمؒ اپنے اسی زمانہ طالب علمی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''میں زمانے کی جن سختیوں سے دوچار ہوا انہیں برداشت کرتے کرتے پہاڑ بھی پھٹ جاتا۔ یہ تو اس ذات بے نیاز کا کام ہے کہ میں بعافیت ان خارزاروں سے گزر گیا۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ذی الحجہ 496ھ میں علم قرأت، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام، علم نعت، علم ادب، علم نحو، علم عروض، علم مناظرہ، علم تاریخ اور علم

انساب کی تکمیل کی۔

پھر جب آپ نے فتویٰ دینا شروع کیا تو علمائے ظاہر کی صفوں میں ہلچل سی مچ گئی۔

''چھبیس سالہ نوجوان علم شریعت کی گہرائیوں کو نہیں سمجھ سکتا۔'' ایک دنیادار بوڑھے عالم نے کہا۔ انہیں حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی نوجوانی سے شکایت تھی۔ وہ علم کو عمر کے پیمانے پر ماپتے تھے۔

پھر ان دنیا دار علماء نے حضرت غوث اعظمؒ کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ ''شرعی مسائل کا حل پیش کرنا کارِ طفلاں نہیں ہے۔ عبدالقادر نے فتویٰ دینے کا اجازت نامہ کس سے حاصل کیا۔''

جب عقیدت مندوں نے حضرت غوث اعظمؒ سے یہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''میرے اساتذہ میرے علم سے مطمئن ہیں اور ان کا اطمینان ہی میرا اجازت نامہ ہے۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تمام اساتذہ درویش اور گوشہ نشین تھے۔ انہیں دربارِ خلافت میں تقرب حاصل نہیں تھا اس لئے دنیادار علماء ان فقراء کی علمی حیثیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔

پھر زور وشور سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلاف ایک مہم چلائی گئی۔

''یہ نوجوان اس وقت تک فتویٰ دینے کا اہل نہیں' جب تک وہ بغداد کے نامور علماء سے اجازت نامہ حاصل نہ کرلے۔''

اجازت نامہ حاصل کرنے کی ایک ہی شرط تھی کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ ان علماء کے سامنے پیش ہو کر امتحان کے مرحلے سے گزریں۔

حضرت غوث اعظمؒ پہلے ہی ویرانوں اور جنگلوں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ علماء

ظاہری کا یہ انداز دیکھا تو آپ کا دل مزید اچاٹ ہو گیا۔ آپ بغداد چھوڑ کر دوبارہ ان ہی بیابانوں میں واپس چلے جانا چاہتے تھے۔۔۔ مگر بعض عقیدت مندوں نے عرض کیا۔

''لوگ آپ کے اس طرز عمل کو بہانہ بنا لیں گے۔''

''مجھے اللہ کے راستہ میں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔ ''اہل دنیا جو چاہیں کریں۔''

عقیدت مندوں کا اصرار بڑھتا رہا۔ آخر غوث اعظمؒ علماء بغداد کے سامنے ایک طالب علم کی حیثیت سے ظاہر ہونے اور امتحان کے مرحلے سے گزرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

علمائے ظاہری مسرور و مطمئن تھے کہ ایک نوجوان نے ان کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔

اور حضرت غوث اعظمؒ کے عقیدت مند پریشان مضطرب تھے کہ کہیں انہیں علمائے بغداد کے سامنے خفت اور شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آخر امتحان کی ساعت آ پہنچی۔ تمام علماء بغداد جنہیں حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے فتویٰ دینے پر اعتراض تھا' ایک بڑی عمارت میں جمع ہوئے۔ بہترین لباس زیب تن کئے' سروں پر عمامے سجائے' پیشانیوں پر نمود و نمائش کی لکیریں اور آنکھوں میں علم و آگہی کا خمار۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ معمولی کپڑے کا جبہ پہنے کمرے میں داخل ہوئے۔ بلند آواز میں حاضرین کو سلام کیا اور نظریں جھکا کر اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ حضرت غوث اعظمؒ کی یہ نشست عین علماء بغداد کے سامنے تھی۔

دنیا دار علماء نے بہت غور سے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ پھر انہیں یقین آ گیا کہ یہ نوجوان علم کے سمندر کی گہرائیوں سے واقف نہیں ہو سکتا۔

کچھ دیر تک مجلس پر گہرا سکوت طاری رہا۔ پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے

جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں اور بہت نرم لہجے میں فرمایا۔ ''حضرات! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ کسی امتحان سے گزر سکوں ۔۔۔۔ مگر جب رسم دنیا یہی ٹھہری ہے تو پھر بسم اللہ!'' یہ کہہ کر حضرت غوث اعظمؒ نے امتحان لینے والے علماء کو بہت غور سے دیکھا۔

بس ایک نظر کی بات تھی۔ سب کچھ زیروزبر ہو گیا۔ علمائے بغداد نے محسوس کیا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے نظر ملتے ہی ان کے اندر ایک انقلاب سا برپا ہو گیا ہے مگر وہ اس انقلاب کو کوئی نام دینے سے قاصر تھے۔

''حضرات! آپ سوال کیجئے۔'' آپ کو میرے علم کے کس پہلو پر شک ہے' اس کا اظہار فرمائیے۔ عالم الغیب چاہے گا تو آپ کے سارے شکوک و شبہات دور فرما دے گا جو ہر حال میں اپنے بندوں کا مشکل کشا اور کارساز ہے۔''

جو علم اپنی ذات کی خوشنودی اور نام و نمود کی غرض سے حاصل کیا گیا تھا' اس کے سارے دفتر لپیٹ دیئے گئے تھے۔ علمائے بغداد حضرت غوث اعظمؒ سے کیا سوال کرتے؟ ان میں تاب گویائی ہی کہاں باقی تھی؟ ساری زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔ امتحان کیا لیتے کہ خود ان کے دماغ تاریک ویرانوں میں تبدیل ہو چکے تھے ۔۔۔۔ اور ان ویرانوں میں بے خبری کی خاک اڑ رہی تھی۔ علماء بغداد کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان کی متاع علم اس طرح لٹ جائے گی اور وہ کسی مفلس و نادار کے مانند خالی ہاتھ لئے کھڑے رہیں گے۔ بس ایک نظر کا کھیل تھا۔ ساری عمر کا سرمایہ برباد ہو گیا۔ علمائے بغداد محسوس کر رہے تھے کہ کسی نادیدہ ہستی نے چند لمحوں میں ان کا تمام علم سلب کر لیا ہے۔

سرور کونین حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث پاک ہے۔

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

علمائے ظاہر اس حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکے کہ اس وقت حضرت غوث اعظمؒ بھی اللہ

کے نور سے دیکھ رہے تھے۔ دنیا کی ایسی کون سی روشنی ہے جو اللہ کے نور کے مقابل ٹھہر سکے۔ نتیجتاً ساری روشنیاں بجھ گئیں اور علمائے بغداد کے ذہنوں پر اندھیرے مسلط ہو گئے۔

علمائے ظاہر کو خاموش پا کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دوبارہ ان سے مخاطب ہوئے۔

''آپ حضرات کوئی سوال کیوں نہیں کرتے؟ خود بھی پریشان ہوئے اور مجھے بھی زحمت میں مبتلا کیا۔''

''کیا سوال کریں؟ ایسا لگتا ہے کہ علم ہی ہمارے ذہنوں سے رخصت ہو گیا ہے۔'' تمام علماء نے بیک زبان کہا۔

''پھر اجازت دیجئے کہ مجھے دنیا میں اور بھی کام ہیں۔''

یہ کہہ کر حضرت غوث اعظمؒ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم کہاں جا رہے ہو عبدالقادر؟ ہمارا علم تو ہمیں لوٹا دو۔'' علمائے بغداد گریہ و زاری کرنے لگے۔ ''ہم تو ایک خالی مشکیزہ کی طرح ہو کر رہ گئے ہیں۔ دماغ کے سارے سوتے خشک ہو گئے۔ وہ پانی کہاں گیا جو ہمارے ذہنوں کو سیراب کرتا تھا۔'' علماء کی فریادوں سے پوری مجلس گونجنے لگی۔

اس شور فغاں سے اہل مجلس کو اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نظر پڑتے ہی علمائے بغداد کا تمام علم ہی سلب ہو گیا تھا اور امتحان لینے والے خود ایک عجیب امتحان سے گزر رہے تھے۔ ناقابل یقین منظر تھا۔ اساتذہ خود ایک طالب علم سے بخشش و عطا کا سوال کر رہے تھے۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا۔

''میں شمشیر برہنہ اور چڑھی ہوئی کمان ہوں۔ میرا تیر نشانے پر لگنے والا۔۔۔۔

میرا نیزہ بے خطا۔۔۔۔ اور میرا گھوڑا بے زین ہے۔۔۔۔ میں عشق خداوندی کی آگ ہوں۔۔۔۔ حال واحوال کا سلب کرنے والا۔۔۔۔ دریائے بیکراں۔۔۔۔ اور رہنمائے وقت۔۔۔۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عالم جذب میں فرما رہے تھے۔

"بے شک! بے شک! ہمیں یقین آ گیا۔" علمائے بغداد بے اختیار پکار اٹھے۔ "ہم تمہیں پہچانے نہیں تھے عبدالقادر! ہماری اس کوتاہی سے درگزر کرو اور اپنا دل صاف کر لو۔"

میں اپنے سینے میں دشمنوں کیلئے بھی شکایتوں کا غبار نہیں رکھتا۔" حضرت غوث الاعظمؒ نے جواباً فرمایا۔

"تو پھر خدا کیلئے ہمیں معاف کر دو۔" علمائے ظاہر نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"میرا علم دنیا سے نہیں' مجھے عالم الغیب سکھاتا ہے۔ اے بے خبرو! اے دنیا کے سنوارنے والو! اپنی آخرت برباد نہ کرو۔ میں نے تمہیں معاف کیا' اللہ بھی معاف فرمائے کہ اس کی بخشش کے بغیر انسان کا کہاں ٹھکانہ ہے؟" یہ کہہ کر حضرت غوث الاعظمؒ تشریف لے گئے۔

آپ کے جاتے ہی علمائے بغداد کے سوئے ہوئے ذہن بیدار ہو گئے۔ دماغ کی تاریک رہگزر پر دوبارہ وہی روشنی پھیل گئی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ظاہری اور باطنی علم کی روشنی عام ہو گئی۔ مخالف علماء سرنگوں ہو گئے اور دشمن قدم بوسی کیلئے حاضر ہونے لگے۔۔۔۔ مگر حضرت غوث الاعظمؒ کی دنیا سے بے رغبتی پھر لوٹ آئی اور آپ شہر کی آباد محفلیں چھوڑ

ویرانوں کی طرف نکل گئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلے پہل عراق میں داخل ہوا تو حضرت خضر علیہ السلام نے میرا ساتھ دیا مگر میں انہیں پہچان نہیں سکا۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کون بزرگ ہیں مگر وہ اپنا تعارف کرانے سے مسلسل انکار کرتے رہے۔ آخر اس شرط پر راضی ہوئے کہ میں کسی بات میں ان کی مخالفت نہیں کروں گا۔ میں نے اقرار کر لیا۔ پھر یہ کہہ کر چلے گئے کہ ایک دن تمہیں خود بخود پتا چل جائے گا کہ میں کون ہوں؟ تین سال بعد مجھے ان کا خیال آیا تو دل نے کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

اس عرصے میں دنیا اور اس کی خواہشات مختلف شکلوں میں مجھ پر ظاہر ہوتی رہیں مگر اللہ تعالیٰ مجھے ان کی طرف مائل ہونے سے بچا لیتا تھا۔ شیاطین نئی نئی صورتیں اختیار کر کے میرے پاس آتے اور مجھ سے لڑتے تھے مگر خداوند ذوالجلال مجھے ان پر غالب رکھتا۔ میرا نفس مجسم ہو کر اپنی تسکین کیلئے کبھی مجھ سے عاجزی کرتا اور کبھی جنگ پر آمادہ ہو جاتا لیکن قادر مطلق نے مجھے اس پر بھی غلبہ عطا کیا۔

میں اپنے نفس کو طرح طرح کی ریاضتوں اور مشقتوں میں ڈالتا رہتا۔

میں نے تقریباً ایک ہزار علوم وفنون صرف اس لئے حاصل کئے دنیا کے جھگڑوں، وسوسوں اور اندیشوں سے نجات حاصل کروں۔ یہاں تک کہ حقیقی راحت میسر آ جائے۔ لوگ مجھے مجنون اور پاگل کہتے۔ میں جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاتا۔ چلتے چلتے میرے پیروں میں آبلے پڑ جاتے اور پھر ان سے خون جاری ہو جاتا۔ لوگ میری حالت پر ترس کھا کر کسی طبیب کے پاس لے جاتے مگر وہاں پہنچ کر میری حالت اور بھی خراب ہو جاتی۔ کبھی کبھی مجھ میں اور کسی مردہ شخص میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ یہاں تک کہ لوگ کفن لے آتے اور غسل دینے والے کو بلا کر مجھے نہلانے کیلئے تختے پر لٹا دیا جاتا۔ مگر اچانک میری حالت

درست ہو جاتی۔

ایک موقع حضرت غوث الاعظمؒ نے شیخ ابوالعباس سے فرمایا۔

میں برج عجمی میں گیارہ برس رہا' ایک دن میں نے عہد کیا کہ جب تک کوئی اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھلائے گا' میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گا' نہ پانی پیوں گا۔ چنانچہ بھوک اور پیاس کے عالم میں کئی دن گزر گئے۔ پھر ایک روز ایک شخص کھانا لایا اور میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بھوک کی شدت اس قدر تھی کہ میرا نفس مجھ پر غالب آنے لگا۔ پھر میں کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے ہی والا تھا کہ مجھے اپنا عہد یاد آ گیا میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا۔

''چاہے میری موت ہی واقع کیوں نہ ہو جائے' مگر میں عہد نہیں توڑوں گا۔''

ابھی برج میں میرے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ ایک اور چیخ سنائی دی۔ ''ہائے بھوک! ہائے بھوک۔'' یہ میرے نفس کی آواز تھی مگر میں نے اس کی مطلق پروانہ کی۔ اسی دوران میرے پیرومرشد حضرت شیخ ابوسعیدؒ داخل ہوئے۔

''عبدالقادر یہ کیا ہے؟'' پیرومرشد نے میرے نفس کی چیخیں سن کر فرمایا۔

میں نے عرض کیا۔ ''یہ میرے نفس کا اضطراب ہے مگر روح اپنے مالک کے ذکر میں مشغول ہے اور اسے قرار حاصل ہے۔''

اس کے بعد پیرومرشد مجھے گھر لے گئے اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگے۔ یہاں تک کہ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

شیخ ابوالعباس کا بیان ہے کہ ایک مجلس خاص میں حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا۔

میں چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا اور پندرہ سال تک ایک رات میں پورا قرآن شریف ختم کیا۔ ایک رات میں سیڑھی پر چڑھ رہا تھا کہ میرے نفس

نے مجھ سے سوال کیا۔

''کاش! تو ایک گھڑی سو جائے' پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ کر عبادت کرے۔''

مجھے فوراً خطرے کا احساس ہوا کہ یہ میرے نفس کا فریب ہے۔ وہ مجھے آرام کے بہانے سلا دینا چاہتا ہے۔ پھر میں نے اپنے نفس کو سزا دینے کے طور پر ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کیا اور اسی حالت میں ختم کر دیا۔

شیخ ابو محمد عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ آپ رات کے اوّل حصے میں نماز پڑھتے' درمیانی حصے میں ذکر کرتے اور تیسرے حصے میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر تلاوت قرآن فرماتے۔ پھر ایک طویل سجدہ ادا کرتے۔ چہرۂ مبارک زمین پر ملتے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں مانگتے۔ صبح آپ کے رخ تابناک پر ایسا نور ہوتا کہ دیکھنے والی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جس قدر نفس کشی کرتے' شیطان اسی شدت سے آپ کے تعاقب میں لگا رہتا۔ شیطانی مکروفریب کے بارے میں غوث الاعظمؒ نے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''شیاطین ہیبت ناک صورتوں میں مسلح ہو کر قطار در قطار میرے سامنے آتے اور مجھ پر آگ پھینکتے۔ میں اپنے خدا کی پناہ مانگتا اور پھر تائید غیبی سے وہ آگ بجھ جاتی۔ ایک مرتبہ ایک نہایت بدصورت شخص میرے پاس آیا۔ اس کے جسم سے بدبو آ رہی تھی میں نے اسے بندۂ خدا سمجھ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا ورنہ اس کا وجود میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔

''عبدالقادر! معرفت کے شہنشاہ ہوتے ہوئے تم اس ویرانے میں کہاں بھٹک رہے ہو؟'' اس کریہہ المنظر شخص نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے کیسے پہچانتے ہو؟'' مجھے حیرت تھی کہ اس ویرانے میں یہ شناسا کہاں سے آگیا؟''

''مجھ سے زیادہ تمہیں کون پہچانے گا؟'' وہ بدصورت شخص بڑے مکروہ انداز میں ہنسا۔ ''میں ابلیس ہوں اور تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں۔''

میں اس کے طرز تخاطب پر سنبھل گیا وہ مجھے اسیر کرنے کیلئے مکروفریب کا نیا جال لے کر آیا تھا۔ ''کیسی مبارکباد؟'' میں نے ابلیس سے پوچھا۔

''مجھے اور میرے گروہ کو تم نے اپنی پرہیز گاری سے عاجز کر دیا ہے اس لئے میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں اور کچھ دن تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں سے دور ہو جا بدنصیب! تجھے میری پرہیز گاری نے نہیں خدا کی قدرت نے عاجز کیا ہے۔'' میرا اتنا کہنا تھا کہ ایک غیبی ہاتھ نے اس کے سر پر ایک کاری ضرب لگائی اور وہ زمین میں دھنس گیا۔

پھر وہی شیطان میرے پاس آیا اور آگ کے شعلوں سے میرے ساتھ جنگ کرنے لگا اس کے حملے بہت خطرناک تھے میں نے گھبرا کر اپنے اللہ کو پکارا یکایک اس ویرانے میں ایک شہسوار نمودار ہوا اس نے تلوار میری طرف بڑھائی جسے دیکھتے ہی شیطان بھاگ کھڑا ہوا۔

تیسری بار وہی شیطان پھر مجھے نظر آیا مگر اس وقت وہ مجھ سے دور بیٹھا گریہ و زاری میں مشغول تھا اور اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا۔ ''عبدالقادر اب میں تجھ سے بالکل مایوس ہو چکا ہوں۔''

میں نے فوراً کہا۔ ''ملعون! یہاں سے چلا جا میں تجھ سے ہمیشہ سے نفرت کرتا ہوں۔''

پھراس نے میرے گرد بہت سے جال بچھا دیئے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے اس سے سوال پوچھا۔

''یہ وسوسوں اور اندیشوں کے جال ہیں جن کے ذریعے میں تم جیسے لوگوں کو شکار کیا کرتا ہوں۔''

میں نے ایک سال تک شیطان کے بچھائے ہوئے ان جالوں پر توجہ کی پھر ایک دن وہ آیا کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ سب کے سب ٹوٹ گئے۔

اس کے بعد مجھ پر میرا نفس ظاہر کیا گیا میں نے دیکھا کہ ابھی اس کے امراض باقی ہیں اس کی خواہشات زندہ ہیں اور اس کا شیطان سرکش ہے میں نے سال بھر تک اس کی طرف توجہ کی آخر نفس کی تمام بیماریاں جڑ سے جاتی رہیں اس کی خواہشات مردہ ہو گئیں اس کا شیطان مسلمان ہو گیا اور سارے کام اللہ کیلئے ہو گئے میں اپنی ہستی سے جدا ہو گیا مگر پھر بھی اپنے مقصد کو نہیں پہنچا۔

پھر میں توکل کے دروازے پر آیا مگر یہاں بہت بڑا ہجوم تھا میں اس ہجوم کو چیر کر نکل گیا۔

پھر میں شکر کے دروازے پر آیا یہاں بھی بڑا ہجوم تھا مگر میں تیزی سے گزرتا ہوا اندر چلا گیا۔

پھر میں غنا کے دروازے پر آیا یہاں بھی وہی ہجوم تھا مجھے اندر جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

پھر میں مشاہدے کے دروازے پر آیا یہاں بھی وہ ہجوم تھا مجھے اندر جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

پھر میں مشاہدے کے دروازے پر آیا یہاں بھی وہی ہجوم تھا بڑی کشاش کے بعد

اندر داخل ہوا۔

اور آخر میں فقر کے دروازے پر آیا تو اسے خالی پایا میں اس میں بڑی آسانی کے ساتھ داخل ہو گیا پھر جب اندر پہنچا تو وہاں وہ ساری چیزیں موجود تھیں جنہیں میں ترک کر چکا تھا یہاں مجھے ایک بہت بڑے خزانے کی فتوحات میسر آئیں روحانی عزت' حقیقی غنا اور سچی آزادی ملی یہاں آکر میں نے اپنی زیست کو مٹا دیا اپنے اوصاف کو چھوڑ دیا جس سے میری ہستی میں ایک دوسری حالت پیدا ہو گئی۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے حوالے سے شیطان کے مکروفریب کا ایک اور اہم واقعہ اسلامی تصوف کی دنیا میں مشہور ہے اس واقعہ کو تمام معتبر تذکرہ نگاروں نے پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ ضیاء الدینؒ کی روایت ہے کہ ایک مجلس میں والد محترم نے مجھ سے فرمایا۔

''ایک بار دوران سیاحت میں ایک ایسے جنگل کی طرف نکل گیا جہاں ''آب و دانے'' کا نام تک نہ تھا مجھے کئی دن تک پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آیا پیاس کی شدت اس قدر بڑھی کہ میں نیم جان ہو کر رہ گیا پھر میں نے بے چارگی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا یکا یک بادل کا ایک ٹکڑا اٹھا اور میرے سر پر آکر برسنے لگا میں نے اپنی پیاس بجھائی اور اپنے پالنے والے کا شکر ادا کیا۔

پھر اسی رات میں ذکر الٰہی میں مشغول تھا کہ اچانک میرے چاروں طرف تیز روشنی پھیل گئی میں نے گھبرا کر دیکھا زمین سے لے کر آسمان تک نور ہی نور تھا مجھے یقین آ گیا کہ میری ریاضت قبول ہو گئی ہے کیونکہ میں نے آج تک ایسی نورانی فضاء نہیں دیکھی تھی ابھی میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نور سے ایک پر جلال آواز پیدا ہوئی۔

"عبدالقادر! ہم تیری عبادت سے بہت خوش ہوئے۔"

تمام عمر جسے تلاش کیا تھا آج وہی ذات پاک مجھ سے ہم کلام تھی میں جواب میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا مگر جذبات کی شدت نے مجھ سے قوت گویائی چھین لی۔

"نوید ہو تجھے کہ تو نے ہماری رضا حاصل کر لی۔" نور سے دوبارہ وہی جلال بھری آواز ابھری۔

اس بار بھی میں نے کچھ عرض کرنا چاہا مگر زبان میرا ساتھ نہ دے سکی۔

"عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔" تیسری بار وہی صدا سنائی دی۔ "میں نے تیری عبادت سے خوش ہو کر تجھ پر حرام چیزیں بھی حلال کر دی ہیں۔"

اس طرز کلام نے مجھ پر وحشت طاری کر دی میں سمجھ گیا کہ یہ کیسی روشنی ہے اور اس کے پس پردہ کون ہے۔

لاحول و لاقوہ الا باالله العلی العظیم

میں نے بلند آواز پڑھا پھر میری آواز کی گونج ختم ہوتے ہی ساری روشنی زائل ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا اب میرے سامنے ایک کریہہ المنظر شخص کھڑا تھا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بڑے عجیب سے لہجے میں بولا۔

"افسوس! میرا یہ وار بھی خالی گیا میں نے اپنی اسی تدبیر سے سینکڑوں اولیا کو گمراہ کیا ہے مگر عبدالقادر! تو اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا ورنہ آج راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔"

میں نے دوبارہ "لاحول" پڑھی اور ابلیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دور ہو جا مردود! تو ایک لمحے کیلئے بھی مکر و فریب سے باز نہیں آ سکتا چلتے چلتے بھی وار کر رہا ہے میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں خدا کے فضل و کرم کے سبب تیرے فتنے سے محفوظ رہا۔"

ابلیس کچھ دیر تک میرے سامنے کھڑا اپنا سر پیٹتا رہا اور پھر یہ کہہ کر چلا گیا۔

''افسوس! ہزار بار افسوس کہ آج تیرا نام میرے ماننے والوں کی فہرست سے خارج ہو گیا۔''

بعض مؤرخین نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اچانک نور سے ایک آواز پیدا ہوئی۔

''عبدالقادر! تو نے ہمیں راضی کر لیا ہم بطور انعام تجھ پر باقی زندگی کی عبادت معاف کرتے ہیں۔''

جب حضرت غوث الاعظمؒ یہ واقعہ بیان فرما چکے تو آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ ضیاء الدینؒ نے عرض کیا۔

''آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ شیطان ہے جو نور کے پردے میں آپ سے ہم کلام ہے؟''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔ ''صرف اس کے اس قول سے کہ حرام چیزیں بھی حلال کر دی گئیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو حرام کاموں اور فحش باتوں کا حکم نہیں دیتا۔''

دوسری روایات کے مطابق آپ نے اپنے صاحبزادے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ''جب اللہ نے اپنے انبیا عبادت معاف نہیں کی تو پھر عبدالقادر کی کیا حیثیت ہے؟ بس اسی بات سے میں نے پہچانا کہ وہ شیطان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔''

پھر جب اخلاقی قدریں زوال پذیر ہو چکی تھی اور پورا بغداد فتنہ وفساد سے بھر گیا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ جاں سوز مناظر دیکھے تو آپ کے قلب حساس کی عجیب کیفیت ہو گئی آپ نے قرآن شریف گلے میں حمائل کیا اور بغداد کو خیر باد کہہ دیا ابھی حضرت غوث الاعظمؒ شہر کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ ایک صدائے غیبی سنائی دی۔

''عبدالقادر! کہاں جا رہے ہو؟''

''شہر کے فتنوں سے دور کسی جنگل بیابان کی طرف!'' حضرت غوث الاعظمؒ نے جواب دیا۔

''واپس لوٹ جاؤ!'' تمہاری وجہ سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے گا۔'' غیبی آواز نے کہا۔

''مجھے مخلوق سے کیا غرض! میں تو اپنے دین کی حفاظت کیلئے کسی ویرانے کی طرف جا رہا ہوں۔'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جواب دیا۔

''تم یہیں رہو۔ تمہارا دین سلامت رہے گا۔'' غیبی آواز نے آپ کو تسلی دی۔

حضرت غوث اعظمؒ واپس تشریف لے آئے اس کے بعد آپ کے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جس قدر ان سوالات پر غور کرتے دماغ الجھتا چلا جاتا یہاں تک کہ آپ کی اس ذہنی کشمکش نے اضطراب کی شکل اختیار کر لی پھر یہ بے چینی اس قدر بڑھی کہ حضرت غوث اعظمؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''اے مشکل کشائے عالم! مجھے اپنے ایسے کسی باخبر بندے سے ملا دے کہ جس کی وجہ سے میرے سارے شبہات دور ہو جائیں۔''

دوسرے دن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک مکان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور ایک بزرگ نمودار ہوئے بزرگ کے چہرے سے معرفت کا جلال ظاہر ہو رہا تھا۔

''عبدالقادر! تم نے اللہ تعالیٰ سے کل کیا مانگا تھا؟'' بزرگ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر ان بزرگ کا اس قدر رعب قائم ہوا کہ آپ اپنی

زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکے اور شدید حیرت کے عالم میں خاموش کھڑے رہے۔

بزرگ نے غضبناک نظروں سے حضرت غوث اعظمؒ کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر اس قدر زور سے دروازہ بند کیا کہ اطراف کا گرد و غبار اڑ کر آپ کے چہرے پر پڑ گیا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حیرت و سکوت کے عالم میں کچھ دیر تک بند دروازے کو دیکھتے رہے۔ پھر کھوئے کھوئے سے انداز میں آگے تشریف لے گئے ابھی آپ نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ رات کا واقعہ یاد آ گیا جب آپ نے اللہ سے کسی خاص بندے سے ملاقات کیلئے دعا کی تھی حضرت غوث الاعظمؒ فوراً ہی واپس لوٹ آئے مگر وہاں کوئی مکان موجود نہیں تھا آپ کو بہت رنج ہوا کہ منزل کے قریب پہنچ کر بھی دور ہو گئے پھر ایک طویل مدت کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ملاقات اسی بزرگ سے ہوئی آپ نے فوراً پہچان لیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے یہاں تک کہ بزرگ کی محبت کی وجہ سے حضرت غوث الاعظمؒ کے ذہن میں ابھرنے والے سارے شبہات دور ہو گئے۔

یہ بزرگ حضرت شیخ حماد بن مسلمؒ تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ولایت کے آثار تو بچپن ہی سے ظاہر تھے مگر خود آپ کو مضطرب رکھتے تھے۔ پھر جب قلب و روح کی یہ اذیت حد سے گزر جاتی تو آپ ویرانوں کی طرف نکل جاتے تا کہ آپ کی آنکھیں ان جاں سوز مناظر سے محفوظ رہ سکیں۔

شاید ایک بار پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کسی بیابان کا رخ اختیار کرتے مگر اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا اور گذشتہ نشینی کی خواہش کو یکسر بدل ڈالا۔

ایک رات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے رسالت مآب ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ سرور کونین ﷺ نے آپؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''فرزند! تم بات کیوں نہیں کرتے'' (وعظ کیوں نہیں کہتے؟)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عرض کیا۔۔۔۔ ''آقا! میں عجمی ہوں۔ فصحائے عرب کے سامنے کس طرح زبان کھول سکتا ہوں؟''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا اپنا منہ کھولو۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آقا کے حکم پر عمل کیا۔

سرورِ کائنات ﷺ نے سات بار آیت پڑھ کر آپ کے حلق پر دم فرمائی۔

''بلا پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔'' (ترجمہ)

دوسری روایت اس طرح ہے کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عجمی ہونے کے سبب اپنی معذوری کا اظہار کیا تو سرکار عالم ﷺ نے سات بار اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور پھر فرمایا۔

''جاؤ عبدالقادر! اب مخلوق خدا کو نصیحت کرو۔''

سلسلہ خواب ختم ہوا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے محسوس کیا کہ گوشہ نشینی کا جذبہ آپ کے دل سے رخصت ہو چکا ہے۔

پھر اہل بغداد نے فرزند سادات کو انسانی ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا۔

''میں کہ میری تلوار مشہور ہے۔۔۔۔ میری کمان کھنچی ہوئی ہے۔۔۔۔ میرا تیر سینہ شگاف ہے۔۔۔۔ میرا نیزہ نشانہ باز ہے۔۔۔۔ میں محفوظ ہوں۔۔۔۔ میں ہی ملحوظ ہوں۔ روزہ دارو! آؤ۔۔۔۔ شب بیدارو آؤ آؤ! پہاڑوں کے عبادت گزارو آؤ۔۔۔۔ اور خانقاہ نشینوں آؤ۔ خدا کے کام کیلئے میرے پاس آؤ کہ میں اسی کے امر سے تمہیں بلاتا ہوں۔۔۔۔ میرے فیض کا دریا بے کنار ہے۔ عزت رب کی قسم! اچھے برے سب میرے سامنے ہیں۔ میرے فیض کا دریا بے کنار ہے۔ عزت رب کی قسم! اچھے برے سب میرے

سامنے ہیں۔میری نگاہیں لوح محفوظ پر ہیں۔میں دریائے علم ومشاہدہ الٰہی کا تیراک ہوں۔ میں خدائے تعالیٰ کی حجت ہوں۔ میں نائب و وارث رسول ﷺ ہوں۔میری مجلس میں فرشتے اور مردان غیب اس لئے آتے ہیں کہ مسجد سے بارگاہِ اقدس کے آداب سیکھیں۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جس وقت یہ تقریر فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاقؒ منبر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور بے ہوش ہو گئے۔سید عبدالرزاق کے لباس میں آگ لگی ہوئی تھی۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ منبر سے تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے فرزند کے کپڑوں کی آگ بجھائی۔اہل مجلس پر وجد طاری تھا۔انہیں خبر یہ نہیں ہوسکی کہ سید عبدالرزاقؒ کے لباس میں آگ کب لگی اور حضرت شیخ نے اس آگ کو کس طرح بجھایا۔

پھر جب مجلس اپنے اختتام کو پہنچی تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سید عبدالرزاقؒ سے دریافت فرمایا۔"فرزند!اس وقت تمہاری کیا کیفیت تھی؟"

سید عبدالرزاقؒ نے عرض کیا۔"جب میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے مردان غیب ساکت و مدہوش کھڑے اس طرح نظر آئے کہ سارا آسمان ان سے بھرا ہوا تھا اور سب کے جسموں میں آگ لگی ہوئی تھی۔"

حضرت شیخ عبدالقادر نے اپنے پیر و مرشد حضرت قاضی ابوسعید مبارک مخزمیؒ کے مدرسے سے وعظ کا آغاز فرمایا تھا۔۔۔۔مگر کچھ دن بعد ہی لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسے میں بیٹھنے کی گنجائش نہ رہی۔اس صورتحال کے پیش نظر چند اہل خیر نے مدرسے کی عمارت میں توسیع کر دی لیکن طالبان شوق کی کثرت کے سبب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی۔آخر آپ نے بندگان خدا کی تسکین کیلئے شہر کے باہر عیدگاہ کو اپنی مجلس وعظ بنالیا۔ حضرت شیخ کی کرسی اس طویل و عریض میدان میں رکھ دی جاتی اور لوگ قطار در قطار آپ

کے گرد جمع ہونے لگے۔

معتبر اور مستند مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس وعظ میں حاضرین کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ معتقدین اور مریدین ایسے مواقع پر سوچا کرتے تھے کہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد حضرت شیخ کی تقریر سے کس طرح مستفیض ہو سکتی ہوگی؟ ان کی یہ سوچ فطرت کے اس اصول کے مطابق تھی کہ انسانی آواز ایک مخصوص اور محدود دائرے میں سنی جا سکتی ہے۔ اس وقت لاؤڈ اسپیکر جیسا برقی آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا جس کے ذریعے بیک وقت لاکھوں انسان کسی وعظ کی تقریر سن سکتے ہیں۔۔۔۔ مگر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس وعظ میں نزدیک و دور بیٹھنے والا ہر شخص کسی آلے کی مدد کے بغیر آپ کی تقریر اس طرح سن لیتا تھا جیسے حضرت شیخ صرف اسی سے مخاطب ہوں۔ یہ آپ کی بڑی کرامت ہے جس پر ایک نہیں، ہزاروں گواہیاں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک ہم عصر بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے جنات کی حاضری کا عمل کیا مگر کوئی جن حاضر نہیں ہوا۔ یہ بات میرے لئے بڑی حیران کن تھی۔ اس سے پہلے جب بھی عمل پڑھتا، جن بلا تاخیر حاضر ہو جاتے لیکن اس روز عجیب صورتحال تھی۔ میں نے کئی گھنٹے تک اپنا عمل جاری رکھا۔ بالآخر وظیفے سے متعلق جن حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے تاخیر کا سبب پوچھا۔

''ہم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس وعظ میں حاضر تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں یہاں تک پہنچنے میں دیر ہو گئی۔'' ایک جن نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا تم لوگ بھی حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہو؟'' میں نے حیران ہو کر جن سے پوچھا۔

''آدمیوں کے اجتماع سے زیادہ وہاں ہمارا اجتماع ہوتا ہے اور ہمارے کئی قبائل

ان کے دست مبارک پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔" اجنہ نے ایک عجیب راز کا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

بزرگ اس انکشاف پر حیران رہ گئے اور انہیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی پر اثر تقریروں سے صرف انسانوں ہی کو نہیں' آتشیں مخلوق کو بھی مسخر کرلیا ہے۔۔۔اور آخر ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جس شخص کو بارگاہِ رسالت سے وعظ کہنے کا حکم دیا گیا ہو' اس کی زبان میں ایسی ہی تاثیر ہونی چاہئے تھی کہ اجنہ بھی اپنا راستہ تبدیل کردیتے اور اس کی بارگاہ جلال میں صف بستہ کھڑے رہتے۔

ایک مرتبہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کھلے میدان میں تقریر فرمارہے تھے۔ اس وقت دس ہزار سے زیادہ انسانوں کا ہجوم تھا اور ہر شخص وجد و کیف کی حالت میں حضرت شیخ کے ارشادات گرامی سن رہا تھا۔ یکا یک ایک سیاہ بادل اٹھا اور آسمان پر چھا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے آسمان کی طرف دیکھا اور نہایت رقت آمیز لہجے میں عرض کیا۔

"میں تو صرف تیرے لئے تیری مخلوق کو جمع کرتا ہوں اور تو انہیں منتشر کرنا چاہتا ہے۔"

ابھی فضا میں آپ کے الفاظ کی بازگشت تھی کہ اس جگہ پر پانی برسنا بند ہوگیا جہاں آپ تقریر فرمارہے تھے۔۔۔مگر میدان کے چاروں طرف پورے زور و شور سے بارش ہوتی رہی۔ ہزاروں انسانوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے حضرت شیخ کی اس کرامت کو دیکھا۔۔ پھر یوں ہوا کہ اس واقعہ کی شہرت دور تک پھیل گئی اور بغداد کے سارے لوگ آپ کا وعظ سننے کے لئے اٹد پڑے۔ دور دراز کے علاقوں میں رہنے والے ہزاروں انسان طویل سفر کی صعوبتیں اختیار کرکے آپ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور اپنے دل و دماغ

کی کثافتیں دور کر کے واپس چلے جاتے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تقریر کے دوران حاضرین کی یہ حالت ہوتی کہ جیسے روحیں پرواز کر چکی ہیں اور بے جان جسم مجلس وعظ میں موجود ہیں' کبھی کبھی سانسوں کی آوازیں سنائی دیتیں جن سے اندازہ ہوتا کہ سامعین زندہ ہیں۔۔۔۔ورنہ ہر طرف صرف ایک ہی آواز گونجتی رہتی دماغوں کو زیروزبر اور دلوں کو تسخیر کرنے والی آواز۔

تقریر کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حاضرین سے اس طرح مخاطب ہوتے۔''قال (بیان) ختم ہوا۔اب ہم ''حال'' کی طرف آتے ہیں۔''

آپ کے یہ الفاظ سنتے ہی پورے مجمع کی حالت بگڑ جاتی اور لوگوں میں عجیب سا اضطراب پیدا ہو جاتا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری کی آوازیں ابھرنے لگتیں۔کوئی شدت جذبات میں گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لیتا اور کوئی چیختے چیختے اپنی جان سے گزر جاتا۔

یہ اسی ذات پاک ﷺ کے لعاب دہن کا معجزہ تھا' جس نے عالم خواب میں آپ سے فرمایا تھا۔

''جاؤ! عبدالقادر! اب وعظ کہو۔''

حضرت شیخ کا یہ فرمانا تھا کہ حاضرین مجلس اس طرح خاموش ہو گئے کہ ان کی سانسوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ منبر سے نیچے اتر آئے اور شیخ علیؒ کے روبرو ادب سے کھڑے ہو گئے۔اہل مجلس حیران تھے کہ آج تک ان کے سامنے ایسی صورتحال پیش نہیں آئی تھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہت دیر تک اسی حالت میں شیخ علیؒ کے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے پھر جب شیخ علیؒ بیدار ہوئے اور انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اپنے سامنے ایستادہ پایا تو خود بھی گھبرا کر

کھڑے ہو گئے۔

''علی! بیٹھ جاؤ۔'' آپ نے اپنا دست شفقت شیخ علیؒ کے کاندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا۔''

''آپ کھڑے ہوں تو پھر یہ ناچیز کس طرح بیٹھ سکتا ہے؟'' فرط عقیدت سے شیخ علیؒ کا لہجہ سرشار تھا۔

''بیٹھ جا علی! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے شیخ علیؒ کے کاندھے کو دباتے ہوئے فرمایا۔ ''میں کہہ رہا ہوں کہ بیٹھ جاؤ۔''

شیخ علیؒ حکم شیخ سے مجبور تھے ناچار اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

''کیا سرور کونین حضور اکرم ﷺ ابھی آپ کے خواب میں تشریف لائے تھے؟'' حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے شیخ علیؒ سے دریافت فرمایا۔

''جی ہاں! ابھی کچھ دیر پہلے مجھے سرورِ کائنات ﷺ کے دیدار کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔''

شیخ علیؒ نے رقت آمیز لہجے میں عرض کی۔

''میں سردار دو جہاں ﷺ کے احترام ہی میں کھڑا ہوا تھا۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔

شیخ علیؒ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مقام سے واقف تھے مگر پھر بھی انہوں نے بڑی حیرت سے حضرت شیخ کی طرف دیکھا۔

''کیا سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو کوئی ہدایت بھی فرمائی ہے؟'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے شیخ علیؒ سے دریافت کیا۔

''جی ہاں! بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے میرے لئے حکم ہوا ہے کہ میں آپ کی

خدمت اقدس میں حاضر رہوں۔"

جس مجلس روحانی پر گنبد خضرا کی شعاعیں منعکس ہوں اس مجلس کی برکتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔؟

شیخ عمرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کوئی مجلس وعظ ایسی نہ ہوتی جس میں یہود ونصاریٰ اسلام قبول نہ کرتے ہوں یا بڑے بڑے قزاق' شرابی' فاسق و فاجر' ملحد' بدعقیدہ اور بدکردار لوگ آپ کے دست حق پرست پر توبہ نہ کرتے ہوں۔

ایک بار ایک عیسائی راہب جس کا نام سنان تھا' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا پھر اس نے مجمع عام میں کھڑے ہوکر کہا۔

"میں یمن کا رہنے والا عیسائی ہوں۔ اگرچہ مجھے اپنی قوم میں بلند درجہ حاصل تھا لیکن مذہب کے معاملے میں عجیب سی خلش محسوس ہوئی۔ پھر یہ ذہنی خلش بڑھتی چلی گئی اور میں نے چند مسلمان علماء سے رجوع کیا۔ مجھے ان کے عقائد درست معلوم ہوئے یہاں تک میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس شخص کے ہاتھ پر ایمان لاؤں جو یمن میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور شرع کا پابند ہو۔ ابھی میں ایسے شخص کو تلاش ہی کررہا تھا کہ ایک رات میں نے حضرت عیسیٰؑ کو خواب میں دیکھا آپ فرمارہے تھے۔

"سنان! تم بغداد جاؤ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو کیونکہ وہ اس وقت روئے زمین کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔"

شیخ عبداللہ جیلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ عبدلقادر جیلانیؒ کے دست مبارک پر پانچ ہزار سے زیادہ یہودی اور عیسائی مسلمان ہوئے۔۔۔۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ قزاقوں' فاسقوں' بدکاروں اور بدعقیدہ انسانوں نے توبہ کی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا لقب "محی الدین" تھا یعنی دین کو زندہ کرنے

والا۔ ایک مجلس خاص میں کسی شخص نے دریافت کیا کہ آپ کا لقب محی الدین کس طرح ہوا؟

حضرت شیخ نے جواباً فرمایا۔ ''ایک بار میں بغداد سے باہر گیا ہوا تھا۔ واپسی میں جب شہر کے قریب پہنچا تو ایک نہایت خستہ حال اور ضعیف و ناتواں شخص میرے سامنے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گر کر تڑپنے لگا میں نے اجنبی سے پوچھا۔

''اے بھائی! تجھے کیا تکلیف ہے؟''

''میں اپنا حال کسی کو کیا سناؤں کہ مجھے کون کون سی بیماریاں لاحق ہیں۔'' ضعیف و ناتواں شخص نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں قریب المرگ ہوں اگر تم سے ہو سکے تو مجھ پر رحم کرو اور ایسی دوا دے دو کہ جسے پی کر جانبر ہو سکوں۔''

میں نے چند آیات قرآنی پڑھ کر اس شخص پر دم کیا ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کے جسم کی لاغری کافور ہو گئی اور چہرہ کسی پھول کی مانند تر و تازہ نظر آنے لگا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تمہیں تمہاری گم شدہ صحت دوبارہ مل گئی۔'' میں نے اپنے دینی بھائی کی صحت یابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عبدالقادر! تم نے مجھے پہچانا۔'' اجنبی شخص نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا۔

''ذاتی طور پر میں تم سے واقف نہیں ہوں۔'' میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

''تم مجھ سے خواب واقف ہو۔'' اجنبی شخص نے کہا۔ ''میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین اسلام ہوں ضعیف و ناتوانی کے سبب میرا یہ حال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے ہاتھوں زندہ کیا ہے آج سے تم ''محی الدین'' ہو۔

یہ کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا اور میں نماز ادا کرنے کیلئے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوا راستے میں ایک برہنہ پا شخص بھاگتا ہوا میرے قریب آیا اور مجھے مخاطب کر کے بولا۔

''سیدی محی الدین!''

میں نے اس شخص کو حیرت سے دیکھا پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر اپنے راستے پر چلا گیا اور میں مسجد میں داخل ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے دوگانہ نفل ادا کئے جیسے ہی سلام پھیرا تمام نمازی میرے چاروں طرف جمع ہو گئے اور ''محی الدین۔۔۔۔محی الدین'' پکارنے لگے۔اس سے پہلے کسی شناسا' کسی دوست اور کسی شخص نے مجھے اس لقب کے ساتھ نہیں پکارا تھا۔

بے شک آپ محی الدین تھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسی وجاہت وقبولیت عطا فرمائیں جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہو سکی۔

شیخ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔''میں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے زیادہ کسی کی تعظیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔آپ کی مجلس درس وعظ میں شریک ہونے والے عالموں اور فقیہوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ایک ایک وقت میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئی ہیں جو آپ کے ارشادات قلم بند کرنے کیلئے لائی جاتی تھیں۔امیروں اور وزیروں کا تو ذکر ہی کیا' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس میں تو خلیفۂ وقت بھی نیازمندانہ حاضر ہوتا اور ادب سے سر جھکا کر بیٹھ جاتا۔

یہ راز حق تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ ولایت کے کس درجے پر فائز تھے۔مگر تاریخ کا ایک عام طالب علم بھی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک عالم باعمل تھے۔آپ کی ذات مبارک میں ''مردمومن'' کی وہ تمام نشانیاں جمع تھیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں واضح اشارہ کیا ہے۔سلامتی ایمان کیلئے نفس کشی اور دنیاوی تمام لذتوں سے بے رغبتی۔۔۔۔اور اللہ کی کبریائی کا اقرار کرنے کیلئے ہر مادی طاقت کی نفی۔۔۔۔غریبوں اور بے کسوں کی محفل میں باپ اور

بھائی سے زیادہ شفیق، مہربان، بھوکوں کو اپنے دہن کا لقمہ عطا کرنے والا، ننگوں کو اپنا پیرہن مبارک بخش دینے والا، امراء کے دروازوں کی طرف پیٹھ کر لینے والا، بزم احباب میں صباحن شیریں۔

کلام۔۔۔۔ دربارِ خلافت میں شمشیر بے نیام۔۔۔۔ یہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شخصیت کا مختصر سا خاکہ۔۔۔۔ہم گنہگاروں کی نظر ہی کیا۔۔۔۔مگر دل کہتا ہے کہ ایسے مرد جلیل کو غوث اعظمؒ ہی ہونا چاہئے۔

نامور بزرگ شیخ محمد بن علیؒ بغداد کے مشہور فقیہہ ابو محمد الحسن، شیخ ابوبکر عبداللہ نصرؒ اور حافظ عبدالخیثؒ کا بیان ہے کہ ہم اس مجلس وعظ میں موجود تھے جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مہمان خانے میں منعقد ہوئی تھی۔ وعظ کے دوران حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔

''میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔''

یہ سنتے ہی شیخ علی بن ابی نصرؒ اپنی نشست سے اٹھے اور منبر کے قریب جا کر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے آگے بڑھ کر اپنی گردنیں آپ کے سامنے خم کر دیں۔

معتبر تاریخی روایتوں کے مطابق اس وقت سیدنا شیخ عبدالقادرؒ کی مجلس وعظ میں عراق کے تقریباً تمام مشائخ موجود تھے۔ بعض مورخین نے سینتالیس مشائخ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے یہ سب وہی بزرگ تھے جنہوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے سامنے اپنی گردنیں خم کر دی تھیں۔

شیخ ارمنیؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت غوث اعظمؒ نے یہ فرمایا کہ ''میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔'' تو مردان غیب کی ایک بہت بڑی جماعت ہوا میں اڑتی ہوئی نظر آئی۔ یہ جماعت آپ ہی کی طرف آرہی تھی۔ حضرت خضرؑ نے ان لوگوں کو آپ کی خدمت

میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔

شیخ مطرؒ کا بیان ہے کہ ایک مجلس میں شیخ محمدؒ اور شیخ احمدؒ بھی موجود تھے اس وقت شیخ مکارمؒ نے فرمایا۔

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جس روز حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔'' تو اس وقت روئے زمین کے تمام اولیاء نے مشاہدہ کیا کہ ''قطبیت'' کا جھنڈا حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے سامنے نصب کیا گیا ہے اور ''غوثیت'' کا تاج جو ''شریعت و طریقت'' کے نقش و نگار سے آراستہ تھا آپ کے سر مبارک پر سجایا ہے۔''

یہ منظر دیکھ کر دسوں ''ابدالوں'' نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمان مبارک کے سامنے سر تسلیم خم کر دیئے تھے۔ شیخ مطرؒ نے شیخ مکارمؒ سے پوچھا۔ ''وہ دس ابدال کون تھے؟''

شیخ مکارمؒ نے فرمایا۔ ''ان ابدالوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ بقاءؒ، شیخ ابوسعیدؒ، شیخ عدی بن مسافرؒ، شیخ موسیٰؒ، شیخ احمد بن رفاعیؒ، شیخ عبدالرحمٰنؒ، شیخ ابومحمدؒ، شیخ حیات بن قیسؒ اور شیخ ابومدین مغربیؒ۔''

تاریخ تصوف کا مطالعہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ تمام بزرگ ولایت کے کس درجے پر فائز تھے۔

صوفیاء کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کا یہ فرمان حالت جذب کا نتیجہ تھا یعنی جس وقت حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے اس وقت آپ کیف و استغراق کے عالم میں تھے۔

اس کے برعکس مشائخ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کا یہ

فرمان خدا کے حکم سے تھا۔

شیخ عدی ابوالبرکاتؒ کہتے ہیں کہ میں نے چچا محترم شیخ عدی بن مسافر سے دریافت کیا۔ ''کیا حضرت اعظمؒ سے قبل بھی کسی بزرگ نے اس طرح کہا ہے کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے؟''

شیخ عدی بن مسافرؒ نے فرمایا۔ ''نہیں! یہ فرمان صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات مبارک کیلئے مخصوص ہے۔''

شیخ عدی بن ابوالبرکاتؒ نے دوسرا سوال کیا۔ ''اس کے معنی کیا ہیں؟''

''اس سے محض مقام فردیت مراد ہے۔'' شیخ عدی بن مسافرؒ نے فرمایا فردیت کے معنی ہیں۔ تنہا۔'' یعنی تمام لوگوں میں برتر اور منفرد۔

''کیا ہر زمانے میں فرض ہوتا ہے؟'' شیخ عدی بن البرکاتؒ نے عرض کیا۔

''ہاں! مگر حضرت غوث اعظمؒ کے سوا کسی اور فرد کو اس کے کہنے کا حکم نہیں ہوا۔''

شیخ عدی بن مسافرؒ نے فرمایا۔

''کیا سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس کے کہنے پر مامور ہوئے تھے؟'' شیخ عدی بن ابوالبرکاتؒ نے عرض کیا۔

''بے شک! آپ کو اس کا حکم ہوا تھا اور حکم ہی کی وجہ سے اولیاء نے اپنی گردنیں خم کر دیں تھیں۔'' شیخ عدی بن مسافرؒ نے فرمایا۔ ''دیکھو! فرشتے بھی اسی وقت حضرت آدمؑ کے سامنے جھکے تھے، جب باری تعالیٰ نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔''

شیخ احمد رفاعیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اس بات کے کہنے پر مامور ہوئے تھے کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔''

شیخ ابواسحٰق ابراہیمؒ، شیخ علیؒ، شیخ ابوسعیدؒ اور شیخ حیات بن قیسؒ کا بھی یہی بیان ہے

کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ بات خدا کے حکم سے کہی تھی۔

شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانیؒ سے حضرت غوث اعظمؒ کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ "اس سے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات کا بکثرت ظاہر ہونا مراد ہے۔"

ان تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا فرمائے تھے اور آپ کے اس فرمان کو تسلیم کرتے ہوئے اس زمانے کے بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء نے اپنی گردنیں خم کر دی تھیں۔

اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اس قول کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلامؒ نے اس مسئلے کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ حل کیا ہے۔ شیخ موصوف فرماتے ہیں۔ "حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے اس قول میں "قدم" کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ لفظ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی طریقہ۔"

"قدم" کی اس تشریح کے بعد حضرت شیخؒ کے فرمان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے یعنی سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا طریقہ اس زمانے کے تمام اولیاء کے طریقوں سے ارفع و اعلیٰ تھا اور آپ کی روحانی فتوحات انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

عز الدین بن عبدالسلام نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان اس دور کے اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ بھی اپنے ایک مکتوب میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ "جاننا چاہئے کہ یہ حکم اسی وقت کے اولیاء کیلئے مخصوص ہے۔ اولیائے مقتدین اور متاخرین اس حکم سے خارج ہیں۔"

اسی حوالے سے ایک عجیب عبرتناک واقعہ بھی کتابوں میں درج ہے۔

جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ فرمان کسی دوسرے بزرگ تک پہنچا تو انہوں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''عبدالقادر جیلانیؒ کا قدم دوسرے ولیوں کی گردن پر ہوگا' میری گردن پر ان کا قدم ہرگز نہیں۔''

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے عقیدت مندوں نے بارگاہ شیخؒ میں اس واقعے کا ذکر کیا تو آپ نے بے نیازانہ فرمایا۔

''وہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ خدا ان کا بھلا کرے۔''

بظاہر بات ختم ہوگئی اور لوگ اس واقعے کو بھول گئے۔۔۔۔ مگر کچھ دن بعد ہی وقت نے ایک ایسے انداز سے کروٹ لی کہ اہل دل لرز کر رہ گئے اور خدا کی پناہ مانگنے لگے۔

وہ بزرگ جنہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمان کو جھٹلایا تھا' حافظ قرآن تھے اور بڑی خوش الحانی کے ساتھ قرأت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں علوم ظاہری میں بھی مہارت تھی اور رسم دنیا کے مطابق دربار خلافت میں بھی رسائی رکھتے تھے۔ شاید یہی وہ اعزاز تھا جس نے انہیں مغرور بنا دیا تھا۔۔۔۔ اور پھر اسی غرور نے انہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمان کی تکذیب پر اکسایا۔

ایک دن وہی بزرگ اپنے عقیدت مندوں اور خدمتگاروں کے ساتھ کسی دیہاتی علاقے سے گزر رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک نہایت حسین و جمیل عیسائی دوشیزہ پر پڑی جو وہاں اپنے جانوروں کو چرا رہی تھی۔ بزرگ کے قدم پتھر کے ہو کر رہ گئے اور وہ ایک نامحرم لڑکی کو حیرت و سکوت کے عالم میں دیکھنے لگے۔

عقیدت مندوں اور خدمت گاروں کو بزرگ کی اس حالت پر تعجب بھی تھا اور

خفت بھی۔ جب بہت دیر گزر گئی تو ایک مرید نے بصد احترام آگے چلنے کیلئے عرض کیا۔

بزرگ نے جواب میں کہا۔ ''تم لوگ واپس چلے جاؤ! میری منزل آ گئی۔ میں یہیں قیام کروں گا۔''

بزرگ کے تمام مرید اور خدمت گار حیران و پریشان تھے۔ وہ اپنے مرشد کو اس حال میں تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے مگر بزرگ نے انہیں دوبارہ غضبناک لہجے میں حکم دیا۔

''تم لوگ واپس جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

چارونا چار تمام عقیدت مند مرید خدمت گار واپس چلے گئے۔

دوسرے دن ایک مرید جو بہت زیادہ مقرب تھا' ڈرتے ڈرتے جنگل میں پہنچا۔ بزرگ کی حالت پہلے سے بھی ابتر ہو گئی تھی۔ وہ عیسائی دوشیزہ کے پیچھے پیچھے اس طرح پھر رہے تھے جیسے اس کے ادنیٰ ملازم ہوں۔ مرید کا دل بجھ کر رہ گیا۔ اس نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ شیخ کے حضور عرض کیا۔

''شیخ! واپس تشریف لے چلئے! علم کے پیاسوں کی نظریں فرش راہ ہیں اور مجلس وعظ آپ کی منتظر ہے۔''

''کون علم کے پیاسے۔۔۔۔ اور کیسی مجلس وعظ؟'' بزرگ نے مرید کے سوال کے جواب میں کہا۔ ''میں اس کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا۔'' بزرگ نے عیسائی دوشیزہ کی طرف اشارہ کیا۔

پھر کچھ دن بعد اسی مرید نے ایک ہولناک منظر دیکھا' عیسائی دوشیزہ کا جنگل میں دور دور پتا نہیں تھا اور وہ بزگ اس کے جانوروں کی نگہبانی کر رہے تھے۔

''پیرومرشد! یہ سب کچھ کیا ہے؟'' مرید نے بڑے کربناک لہجے میں عرض کیا۔

''میں جس سے محبت کرتا ہوں' اس کی ہر نسبت میرے لئے محترم ہے۔'' بزرگ نے کہا اور عیسائی دوشیزہ کی بھیڑ بکریوں کو لے کر آگے بڑھ گئے۔

پھر ایک دن اسی مرید نے دیکھا کہ وہ بزرگ جنگل میں ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اور جانوروں کے بچے ان کے سینے اور گردن پر چڑھے ہوئے تھے۔

مرید کو اچانک ان بزرگ کے وہ الفاظ یاد آئے جب انہوں نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمان کو جھٹلاتے ہوئے کہا تھا۔

''دوسرے ولیوں کی گردن پر عبدالقادر جیلانیؒ کا قدم ہوگا' میری گردن پر ان کا قدم ہرگز نہیں۔''

یہ خیال آتے ہی مرید شدت خوف سے کانپ اٹھا۔ اس نے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ عیسائی دوشیزہ وہاں موجود نہیں تھی۔ مرید آگے بڑھا اور اس نے اپنے پیرومرشد کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ بزرگ جاگ اٹھے اور اپنے مرید سے ناخوشگوار لہجے میں کہنے لگے۔

''تم نے مجھے کیوں جگایا؟ آخر تم کون ہو؟''

''شیخ! میں آپ کا ایک ادنیٰ خدمت گار ہوں۔'' مرید نے نہایت غمزدہ لہجے میں عرض کیا۔

''میں تمہیں نہیں پہچانتا۔'' بزرگ نے اس طرح کہا کہ ان کے چہرے پر دیرینہ شناسائی کا ہلکا سا عکس بھی نہیں تھا۔

''کیا آپ کو قرآن پاک بھی یاد نہیں؟'' مرید نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔

بزرگ کچھ دیر تک سوچتے رہے جیسے وہ اپنے ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ آخر ان کے بجھے ہوئے چہرے پر ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی اور پھر وہ

عجیب سے لہجے میں کہنے لگے۔ ''ہاں مجھے قرآن حکیم کی سورۃ یاد ہے۔قل ھواللہ احد (کہہ اللہ ایک ہے)۔

یہ سن کر مرید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جو شخص اپنے وقت کا بہترین حافظ قرآن تھا آج اسے صرف چار آیتیں یاد تھیں۔فرنگی دوشیزہ کے عشق نے ان سے سب کچھ چھین لیا تھا۔

مرید چپ چاپ واپس چلا گیا۔پھر ہزاروں انسانوں نے دیکھا کہ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے قدموں سے لپٹا ہوا گریہ وزاری کر رہا تھا۔

''سیدی! انہیں معاف کر دیجئے۔''

''کسے معاف کر دوں؟'' حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے نہایت مشفقانہ لہجے میں فرمایا۔

مرید اس واقعے کو دہرانے لگا جسے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور اکثر اہل مجلس فراموش کر چکے تھے۔

''میرے دل میں ان کیلئے کوئی غبار نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر بھی میں نے انہیں معاف کر دیا۔'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بآواز بلند فرمایا۔

''آپ ان کے حق میں دعائے خیر فرمایئے کہ وہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔'' مرید زار و قطار رو رہا تھا۔ ''وہ گمراہی کی آخری منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''جب سارے خزانے تیرے ہیں تو پھر تیرے سوا کوئی کسی کو کیا دے سکتا؟ اسے بھی اپنی شان غفاری کے طفیل بخش دے جس نے مجھے جھٹلایا۔''

جیسے ہی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے

بزرگ کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی دیوار ہٹ گئی ہے اور دماغ پر پڑا ہوا تاریکیوں کا پردہ سرک گیا ہے۔ انہوں نے فرنگی دوشیزہ پر لعنت بھیجی اور شہر کی طرف واپس لوٹ آئے۔

پھر اپنی خانقاہ جانے کے بجائے سیدھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی درسگاہ میں حاضر ہوئے اور غوث اعظمؒ سے اپنی متکبرانہ روش کی معافی مانگتے ہوئے بآواز بلند عرض کرنے لگے۔

''سیدی! میری گردن پر بھی آپ ہی کا قدم مبارک ہے۔''

اس واقعے سے ہر دور کے بزرگ نے عبرت حاصل کی ہے۔

خود حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک موقع پر فرمایا۔

''میری تکذیب تمہارے لئے زہر قاتل ہے اور دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے۔ اگر شریعت نے میری زبان بند نہ کر دی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے اپنے گھروں میں کیا کھایا اور کیا چھپا کر رکھا ہے؟ میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری نظر میں شیشے کی طرح ہو۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جسمانی اعتبار سے نازک اور کمزور تھے۔ قد درمیانہ تھا اور رنگ گندمی۔ سینہ مبارک کشادہ تھا اور داڑھی لمبی اور گنجان۔ دونوں بھنویں باریک تھیں اور آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ آواز پر جلال اور بلند تھی۔ جس وقت کلام فرماتے تو پوری مجلس گونجنے لگتی تھی۔ لہجے کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جیسے ہی آپ گفتگو شروع کرتے یا مجمع عام میں کچھ ارشاد فرماتے' تمام سننے والے دم بخود رہ جاتے۔ حاضرین مجلس کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ کی تقریر کے سوا کسی اور طرف متوجہ ہوتے۔

یہی حال آپ کی روشن آنکھوں کا تھا۔ قدرت نے عجیب روشنی اور مقناطیسی کشش

عطا کی تھی۔ کسی فرد یا مجمع کو ایک نظر دیکھ لیتے تو وہ آپ کا مطیع وفرمانبردار بن جاتا۔

اب ہم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اس کرامت کا ذکر کریں گے جس کا روحانی دنیا میں بہت شہرہ ہے۔

روایت ہے کہ ایک بار دریائے دجلہ میں پوری بارات غرق ہوگئی۔ یہ سانحہ اس قدر المناک تھا کہ جن گھروں میں کچھ دیر پہلے شادیانے بج رہے تھے' دیکھتے ہی دیکھتے ماتم کدہ بن کر رہ گئے۔ پھر جب متاثرین کو کوئی راستہ نظر نہ آیا تو وہ گریہ وزاری کرتے ہوئے حضرت غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت شیخ نے غمزدہ لوگوں کو صبر کی تلقین فرمائی مگر دلہن کی ماں بے اختیار پائے مبارک سے لپٹ گئی۔

''آپ کی دعاؤں نے ہزاروں بگڑی تقدیریں بنائی ہیں' پھر مجھ بدنصیب کیلئے صرف الفاظ کی بھیک کیوں؟'' میرے دامن مراد کو بھر دیجئے ورنہ میں اسی طرح آپ کے در پر فریاد کرتے کرتے مرجاؤں گی۔''

''عبدالقادر کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ وہ تو خود قادر مطلق کا محتاج ہے۔'' حضرت غوث اعظمؒ نے ایک بار پھر اس غمزدہ ماں کو تسلی دی جس کی چیخیں سن کر حاضرین مجلس بھی افسردہ نظر آنے لگے تھے۔

''وہ آپ کی بہت سنتا ہے۔ آپ اس سے میرے داماد اور بیٹی کی زندگی مانگ لیجئے۔'' شکستہ دل ماں کسی بچے کی طرح سر مجلس مچل رہی تھی۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہت دیر تک گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر آپ اس غمزدہ عورت اور سوگوار خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ دریا کے کنارے پر تشریف لے گئے۔

''اے اللہ! یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے تیری ذات پاک سے نسبت ہے۔ ہو اسی نسبت کے صدقے اپنے بندوں کی مشکل آسان فرمادے۔''

یہ کہہ کر حضرت غوث اعظمؒ نے تھوڑا سا پانی اپنے دست مبارک میں لیا اور پھر دریا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''اے دجلہ! خدا کے حکم سے خشک ہو جا اور مسافروں کو سلامتی سے گزرنے کیلئے جگہ دے دے۔''

حضرت غوث اعظمؒ کا یہ فرمانا تھا کہ دریا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ جگہ خشک نظر آنے لگی جہاں باراتی غرق ہوئے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پورا انسانی قافلہ زندہ و سلامت تھا۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی یہ کرامت اس قدر تواتر کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے۔

بعض علماء نے اس کرامت کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بارات سے مراد اسلام کی زبوں حالی تھی۔ عیش پرست شہنشاہوں اور دنیادار علموں نے اسلامی آداب و قوانین کو حرص و ہوس کے دریا میں غرق کر دیا تھا۔ حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے اسی ڈوبی ہوئی بارات کو نکالا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ شریعت کسے کہتے ہیں اور دین مصطفیٰ ﷺ کیا ہے۔''

ایک بار حضرت غوث اعظمؒ رسالت مآب ﷺ کی سیرت پاک پر تقریر فرما رہے تھے کہ ایک عیسائی راہب مجلس وعظ میں داخل ہوا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔

جب غوث اعظمؒ کی تقریر ختم ہوئی تو عیسائی راہب نے کہا۔ ''حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر

اسلام پر فضیلت حاصل ہے۔''

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے دلیل طلب کی تو عیسائی راہب انتہائی پر جوش لہجے میں بولا۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے مگر تمہارے پیغمبر سے ایسا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔''

حضرت غوث اعظمؒ نے عیسائی راہب کو سمجھایا۔ ''اللہ نے اپنے تمام پیغمبروں کو معجزات عطا کئے تھے مگر معجزہ فضیلت کی بنیاد نہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ اللہ نے اپنے دین کو رسالت مآب ﷺ کے ذریعے مکمل فرمایا۔ اب دنیا میں وہی اہل ایمان ہے جو پیغمبر اسلام کی رسالت پر گواہی دے۔''

عیسائی راہب کج بحثی پر قائم رہا۔ آخر حضرت غوث اعظمؒ کو جلال آ گیا۔ آپ نے عیسائی راہب سے دریافت کیا۔ ''تیرا کوئی عزیز بغداد میں دفن ہے؟''

''ہاں! میرا باپ اسی شہر میں زیر زمین سو رہا ہے۔'' عیسائی راہب نے جواب دیا۔

''میں تیرے باپ کی قبر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔

عیسائی راہب حضرت غوث اعظمؒ کی بات سمجھنے سے قاصر تھا مگر پھر بھی وہ آپ کو اس قبرستان میں لے گیا جہاں اس کا باپ دفن تھا۔

''کیا تو اپنے باپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے؟'' حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عیسائی راہب سے فرمایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' عیسائی راہب نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

حضرت غوث اعظمؒ نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بآواز بلند فرمایا۔ قم

باذن اللہ (اٹھ جا اللہ کے حکم سے)۔

دیکھتے ہی دیکھتے قبر شق ہوگئی۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی راہب کے حواس گم ہوگئے۔ اس کا باپ تابوت میں زندہ بیٹھا تھا۔

"جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے اپنے باپ سے پوچھ لے۔" حضرت غوث اعظمؒ دوبارہ عیسائی راہب سے مخاطب ہوئے۔

مگر وہاں حیرت وسکوت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ عیسائی راہب سکتے کے عالم میں بے حس وحرکت کھڑا رہا۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دوبارہ اشارہ کیا اور قبر بند ہوگئی۔

بہت دیر بعد عیسائی راہب کے ہوش وحواس بحال ہوئے تو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کی روشن نشانی تھے، رسول برحق تھے اور ان تمام تہمتوں سے پاک تھے جنہیں تم اپنے عقائد کا لازمی حصہ سمجھتے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر گواہی ہمارے ایمان کا جزو ہے۔۔۔۔ مگر جہاں تک مردوں کو زندہ کرنے کا تعلق ہے تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام بھی بحکم خدا یہ کام انجام دے لیتے ہیں۔"

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے طویل مدت تک بندگان خدا کو اپنے کمالات ظاہری وباطنی سے مستفیض فرمایا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مردہ دلوں کی مسیحائی کی اور مادہ پرست دنیا میں روحانیت کا عالمگیر ذوق پیدا کردیا۔ پھر آپ کا وقت رخصت آپہنچا۔

وصال سے پہلے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہابؒ نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔

جواب میں حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا۔ "ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے

سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ اور نہ اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھو اور اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو۔ صرف اسی پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اسی سے مانگو۔ توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔ جب دل خدا کے ساتھ درست ہو جاتا ہے تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے۔''

پھر اپنے فرزندوں سے فرمایا۔ ''میرے گرد سے ہٹ جاؤ۔ میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں۔ میرے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) بھی حاضر ہیں۔ ان کیلئے جگہ خالی کر دو۔''

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاقؒ اور حضرت شیخ موسیٰؒ کا بیان ہے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں، حق کی طرف رجوع کرو اور جنت میں داخل ہو، میں ابھی تمہارے پاس آیا۔

غوث اعظمؒ کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیزؒ نے آپ کی تکلیف کا حال دریافت کیا تو فرمایا۔ ''مجھ سے کوئی کچھ نہ پوچھے۔ میں علم الٰہی میں پلٹے کھا رہا ہوں۔ میرے فرض کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ سمجھتا ہے، نہ انسان، نہ جن، نہ فرشتہ۔ خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا۔ حکم بدل جاتا ہے اور علم نہیں بدلتا۔ حکم منسوخ ہو جاتا ہے، علم منسوخ نہیں ہوتا۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصلی تحریر ہے۔''

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالجبارؒ نے دریافت کیا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟

جواب میں فرمایا۔ ''میرے تمام اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں، وہ اپنے خدا کے ساتھ صحیح ہے۔''

پھر وقت آخر آیا تو باآواز بلند فرمایا۔ ''میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا

کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک و برتر ہے، زندہ ہے اور جسے فنا ہونے کا اندیشہ نہیں۔ پاک ہے وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔''

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ موسیٰؒ کا بیان ہے کہ آپ نے لفظ ''تعزز'' فرمایا مگر صحت کے ساتھ ادا نہ ہوسکا۔ آپ بار بار اسے دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ لفظ آپ کی زبان مبارک سے ٹھیک ٹھیک ادا ہو گیا۔ پھر تین بار ''اللہ'' فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہوگئی۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے گیارہ ربیع الثانی 561 ہجری کو انتقال فرمایا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر نوّے سال تھی۔ بغداد میں آسودۂ خاک ہوئے۔ ساڑھے آٹھ صدیاں گزر جانے کے باوجود مزار مبارک آج بھی مرجع خلائق ہے۔

حضرت میاں میر قادری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت میاں میرؒ سندھ کے شہر سیوستان میں 1532ء میں پیدا ہوئے۔ سیوستان شہر ٹھٹھہ اور بھکر کے درمیان واقع ہے۔آپ کا اصل نام میر محمد تھا۔لیکن لقب میاں میر معروف ہوا۔آپ کے والد قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی نہایت نیک سیرت اور خداترس انسان تھے۔آپ کا بچپن سیوستان میں ہی گزرا۔آپ کی مادری زبان سندھی تھی۔ابھی آپ سن بلوغت کو بھی نہ پہنچے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا وہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔کمسنی میں ہی یتیمی کا داغ طبیعت پر بہت گراں گزرا۔آپ کا سلسلہ نسب 28 واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق ؓ تک پہنچتا ہے۔

آپ کی والدہ صاحبہ کا اسم گرامی بی بی فاطمہ تھا جو قاضی قاون کی دختر نیک اختر تھیں اور ان کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق کے واسطے سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ تک پہنچتا ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ بھی اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔آپ کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں قاضی بولن' قاضی عثمان' قاضی طاہر اور قاضی محمد اور بہنوں میں حضرت بی بی جمال خاتونؒ اور بی بی بادیؒ شامل ہیں۔

مختلف دینی تاریخی کتابوں میں آپ کو بادشاہوں کا پیر' قطب الاقطاب' غوث الافاق' مقتدائے' اولیائے ربانی' جنید ثانی' پیر دستگیر شاہ' محی الدین جیلانی ثانیؒ وغیرہ کے

القابات سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔

جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے علم باطن سیکھنا شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ پر عالم ملکوت کے اسرار ظاہر ہونے لگے۔ کچھ عرصہ بعد آپ دنیاوی معاملات سے کنارہ کش ہو کر والدہ کی اجازت سے کامل مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پیدل ہی سفر کرتے کرتے آپ سیوستان کے پہاڑوں میں جا پہنچے۔ وہاں ایک ویران جگہ پر آپ نے ایک جلتا ہوا تنور دیکھا جسے دیکھ کر آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہاں یقیناً کوئی بزرگ رہتا ہوگا۔ جس نے سردی سے بچنے کیلئے یہ تنور جلا رکھا ہے۔ چنانچہ آپ اس بزرگ کے انتظار میں اسی جگہ بیٹھ گئے۔ یونہی بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے تین دن گزر گئے لیکن وہاں کوئی نہ آیا۔

تین دن کے بعد ایک بزرگ آئے آپ نے ان کو ادب سے سلام کیا انہوں نے جواباً وعلیکم السلام یا میر محمد کہا۔ بزرگ کی زبان سے اپنا نام سن کر آپ حیرت زدہ رہ گئے اور پہلے سے زیادہ تعزیم کرنے لگے۔ بزرگ نے کہا کہو یہاں کب اور کیسے آئے۔ عرض کیا تین دنوں سے آپ کا منتظر تھا اور یہاں آنے کا مقصد رشد وہدایت کا حصول ہے یہ سن کر بزرگ نے آپ کو اپنا مرید کر لیا اور ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا۔ حضرت کی صحبت سے چند ہی دنوں میں مخفی اسرار بھی آپ پر ظاہر ہونے لگے۔ بلکہ انتہائی کم وقت میں انہوں نے آپ کو درجات بلند اور مقامات عالیہ تک پہنچا دیا۔ ان بزرگ کا نام خضر سیوستانیؒ تھا جو قادری سلسلے کے ایک عظیم بزرگ اور حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کے فیوض و برکات سے نوازے ہوئے تھے حضرت خضر سیوستانیؒ فقر و استغنا کی زندگی بسر کرتے تھے ان کا طریقہ زندگی دنیا کی نعمتوں سے بے نیاز ہو کر موسم گرما پہاڑ کی اوٹ میں گزارنا تھا۔ جبکہ ان کی غذا جنگل کے درختوں پر لگے ہوئے پھل تھے۔ ستر پوشی کیلئے ایک لنگوٹی زیب تن رہتی۔ ایک مرتبہ حاکم

سیوستان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے آپ نے فرمایا کہ اپنا سایہ ہٹا لو۔ حاکم نے پھر کہا کہ میرے حق میں دعا فرمایئے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اس ذات پاک کے علاوہ کوئی اور خیال میرے دل میں آئے اس پر حاکم شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔

حضرت میاں میرؒ اپنے مرشد پاک کی باسعادت صحبت سے فیض یاب ہو کر ریاضت اور مجاہدات کی منازل طے کر کے فارغ ہوئے تو مرشد پاک نے ارشاد فرمایا اب تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔ جہاں خواہش ہو قیام کرو۔ چنانچہ آپ مرشد پاک سے اجازت لے کر لاہور تشریف لے آئے اس وقت آپ کی عمر 25 سال تھی۔

1575ء کا زمانہ تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے بادشاہ نصیرالدین ہمایوں فوت ہو چکا تھا اور اس کا فرزند جلال الدین اکبر ہندوستان کا بادشاہ بن چکا تھا۔ لاہور آ کر آپ پہلے مولانا سعداللہ لاہوری کے درس میں شامل ہوئے تھوڑے ہی عرصے میں آپ علوم معقول میں مہارت حاصل کر کے مولانا نعمت اللہ لاہوری سے بھی تحصیل علم کی۔

کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر آپ سرہند شریف تشریف لے گئے وہاں رہ کر مختلف عوارض نے آپ کو گھیر لیا اور مختلف جسمانی تکلیفوں سے دوچار ہو گئے ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانیؒ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ میری عیادت کیلئے تشریف لائے ہیں آپ نے میرے جسم پر اپنا دست مبارک پھیرا اور کشتی نما برتن میں مجھے پینے کیلئے پانی دیا۔ میں نے پانی پی لیا۔ جونہی پانی میرے حلق سے نیچے اترا مجھ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو میں بالکل تندرست تھا۔

سرہند شریف میں ایک سال گزارنے کے بعد آپ واپس لاہور تشریف لے

آئے اور یہاں محلہ باغبانان میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ عبادت کیلئے قبرستانوں' جنگلوں' بیابانوں اور باغوں میں چلے جاتے' آپ کے ساتھی بھی ہمراہ ہوتے۔ یہ سب لوگ مختلف درختوں کے نیچے علیحدہ علیحدہ مصروف عبادت ہوتے مگر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو سب اکھٹے ہو کر باجماعت نماز ادا فرماتے۔ آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شاہ کاکو چشتیؒ کے مزارات پر حاضری دینے کے ساتھ ساتھ وہاں معتکف بھی ہوئے۔ آپ عارف کامل تھے قران' حدیث' تفسیر' فقہ پر آپ کو مکمل عبور تھا۔ دن اور رات کا کوئی لمحہ یادالٰہی کے بغیر نہ گزارتے۔ بہت کم گو تھے اور اسی کی دوسروں کو تلقین فرماتے۔ آپ سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ ساری زندگی آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو حضور ﷺ کو ناپسند اور ناگوار گزرے۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے اور کمزوری کی وجہ سے چلنے پھرنے میں دقت محسوس کرنے لگے۔ ایک عقیدت مند نے سہارے کیلئے لاٹھی لا کر تحفتاً پیش کی۔ لاٹھی سے چند قدم چلنے کے بعد آپ نے وہ لاٹھی پھینک دی اور فرمایا لاٹھی کی اس کو ضرورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ ہو۔

آپ نذر نیاز اور نذرانے قبول کرنے سے ہمیشہ اجتناب فرماتے۔ بادشاہوں اور امراء سے تو قطعی طور پر نذرانہ قبول نہ کرتے۔ اگر کوئی امیرزادہ اشرفیوں کی تھلی پیش کرتا بھی تو آپ یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ کیا آپ نے مجھے فقیر سمجھ رکھا ہے جو نقدی لے کر آئے ہو۔ میں فقیر نہیں ہوں بلکہ میرا اشمار اغنیا میں ہوتا ہے جو خدا سے لو لگا لیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ایمان کی بے پناہ دولت سے نواز دیتا ہے۔ آپ قبر پرستی کو بہت برا خیال کرتے۔ عبادات کے دوران ایک دوسرے سے باتیں کرنا آپ کو سخت ناگوار گزرتا۔ آپ فرماتے کہ بازاروں اور گزرگاہوں میں بھی اکٹھے ہو کر نہ چلو ایسا نہ ہو کہ گفتگو میں محو ہو کر ذکر الٰہی سے غافل ہو جاؤ۔ ہمیشہ عام فہم انداز میں بات کرتے تاکہ دوسرے آسانی سے سمجھ جائیں۔ آپ کی غذ

بہت کم تھی ہفتہ دو ہفتے تک بھوکے رہتے۔ مگر اپنی اس کیفیت کو کسی پر ظاہر نہ کرتے۔ تیس سال تک آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں پکائی گئی۔ آپ اکثر استغراق کی حالت میں رہتے آپ صرف زندہ رہنے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہنے کیلئے مٹی کے برتنوں میں کبھی کبھار کھانا تناول فرما لیتے۔

آپ فرماتے کہ زندگی میں اور موت کے بعد اللہ کے نیک بندوں کا تصرف ایک جیسا رہتا ہے بلکہ موت کے بعد ان کا تصرف بڑھ جاتا ہے کیونکہ زندگی میں کچھ چیزیں مانع ہوتی ہیں مرنے کے بعد سب پردے اٹھ جاتے ہیں۔ آپ ناپاکی کو سخت ناپسند فرماتے ایک مرتبہ آپ سے کسی عالم نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی حرص اور لمبی عمر کی خواہش بڑھ جاتی ہے کیا انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام میں بھی یہ بات آجاتی ہے اس پر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کو صرف حق تعالیٰ کی رضا اور نیک اعمال کی خواہش ہوتی ہے جو بڑھاپے میں زیادہ ہو جاتی ہے۔

لباس ایسا پسند فرماتے کہ کوئی شخص پہچان نہ سکے کہ پہننے والا کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے آپ خودنمائی سے پرہیز کرتے کم قیمت کی سفید دستار اور کھدر کا کرتا زیب تن فرماتے۔ جب وہ میلا ہو جاتا تو دریائے راوی کے کنارے جا کر دست مبارک سے خود دھو لیتے۔ آپ اپنے مریدوں کو ہمیشہ صاف لباس زیب تن کرنے کی تلقین فرماتے آپ ظاہری اور باطنی علوم پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ آپ جس وقت قرآن پاک کی آیات و احادیث اور اکابر کے مشکل اشعار کے معانی سمجھاتے تو تمام علماء فضلا حیران رہ جاتے اور آپ کی کمال علمیت و افضلیت کے قائل ہو جاتے۔

شہزادہ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ حضرت میاں میرؒ ایک مرتبہ اپنے مرید

حضرت ملا خواجہ کلاںؒ کے ہمراہ قبرستان میں تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے آپ کے مرید حضرت ملا خواجہ کلاںؒ کو کشف قبور ہوتا تھا انہوں نے کہا کہ یا حضرت اس صاحب قبر کی آواز آئی ہے کہ میں جوانی کے عالم میں وفات پا گیا میں اپنے بداعمال کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہوں اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچا دیا تو یہ عذاب مجھ سے ٹل سکتا ہے چنانچہ آپ نے تمام اصحاب کو کہا کہ کلمہ طیبہ پڑھو۔ جب تعداد پوری ہو گئی تو اس کی روح کو بخش دیا گیا اس وقت ملا خواجہ کلاںؒ نے بذریعہ کشف قبور دریافت کر کے کہا صاحب قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عذاب رفع کر دیا ہے۔

آپ کا رنگ مبارک گندمی اور ملیح تھا ناک اونچی اور پیشانی کشادہ تھی ابرو ایک دوسرے سے پیوستہ تھے آنکھیں نہ چھوٹی اور نہ ہی بڑی تھیں تمام اعضا متناسب تھے ریش مبارک اتنی تھی کہ مٹھی میں آسکے آخری عمر میں بال سفید ہو گئے قد مبارک میانہ تھا کثرت ریاضت سے جسم بہت نحیف ہو چکا تھا مگر پھر بھی آپ عبادت میں مصروف رہتے۔

آپ چونکہ بادشاہوں کے پیر بھی کہلاتے تھے اس لئے اس دور کے جتنے بھی بادشاہ یا امرا گزرے ہیں وہ آپ کے در دولت پر حاضر ہوتے رہے۔ جس دور میں (یعنی 1575) میں آپ سیوستان سے لاہور تشریف لائے اس وقت ہندوستان پر جلال الدین اکبر کی حکمرانی تھی۔ شہنشاہ اکبر 1585 تا 1598ء تک بغاوت کچلنے کیلئے لاہور میں ہی مقیم رہا۔ اپنے دورِ حکومت میں انہوں نے دین الٰہی کا پرچار بھی جاری رکھا۔ دین الٰہی کی مخالفت کرنے والے بیشتر علما و بزرگوں کو شہر بدر بھی کر دیا اور کئی کو سزائیں بھی دی گئیں۔ حضرت میاں میرؒ نے بھی دین الٰہی کی سخت مخالفت کی۔ یہی وجہ تھی کہ اکبر بادشاہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود دین الٰہی کے پیروکاروں کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہ کر سکی۔ ان میں سے ایک

سو آٹھ درباری تھے اور باقی دوست احباب۔

جلال الدین اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا ابتدا میں جہانگیر صوفیا اور درویشوں کا عقیدت مند نہ تھا بلکہ ممکن حد تک ان کو تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ جب جہانگیر نے حضرت میاں میر قادریؒ کے متعلق سنا تو آگرہ سے اپنا خاص ایلچی بھیج کر آپ کو بلوا بھیجا۔ جہانگیر نے مزید عذر یہ پیش کیا کہ اگر قیام لاہور کے دوران آپ کا اسم گرامی سن لیتا تو ضرور قدم بوسی کیلئے حاضر ہوتا لیکن چونکہ اب میں آگرہ آ گیا ہوں اس لئے میرا لاہور آنا ابھی مشکل ہے۔ اس لئے آپ آگرہ تشریف لا کر میری عزت افزائی فرمائیں چنانچہ آپ شہنشاہ جہانگیر کی دعوت قبول کر کے آگرہ گئے۔

جہانگیر نے اپنی عادات کے برعکس آپ کی نہایت عزت و تکریم کی اور تعظیم میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ کچھ عرصہ آپ اور جہانگیر تنہائی میں باتیں کرتے رہے۔ آپ نے شہنشاہ جہانگیر کو کئی نصیحتیں کی جس کا اس پر گہرا اثر ہوا اور وہ آپ سے کہنے لگا کہ جی چاہتا ہے کہ بادشاہی چھوڑ کر آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہو جاؤں اور ساری عمر اللہ اللہ کرتا رہوں۔ آپؒ نے فرمایا درویش کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں سنگ و خس برابر ہوں اب چونکہ تم نے ارادہ کر لیا ہے اس لئے تم درویش ہو گئے جہانگیر نے پھر کہا حضرت مجھ پر توجہ فرمایئے آپ نے فرمایا تم رعایا کی حفاظت کیلئے کسی اور کو پیدا کر لو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر عبادت الٰہی میں مشغول کر دوں گا۔ اس کے بعد آپ لاہور واپس تشریف لے آئے آپ کی صحبت سے شہنشاہ جہانگیر نے بہت فیض حاصل کیا اور جب تک زندہ رہا آپ کا معتقد رہا۔

شہنشاہ شہاب الدین شاہجہان بھی حضرت میاں میرؒ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ شاہجہان تین مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی مرتبہ دعا کیلئے دوسری مرتبہ اپنے

فرزند شہزادہ دارشکوہ کو لے کر جوان سخت بیمار تھے۔

حکما چار ماہ تک شہزادے کا علاج کرتے رہے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اس پر شاہجہان نے شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر حضرت میاں میرؒ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا حضور آپ کا یہ بے حد معتقد ہے۔ حکیم اس کے علاج سے تنگ آ چکے ہیں آپ توجہ فرمائیں۔ شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر آپ نے مٹی کے پیالے میں پہلے خود پانی پیا۔ پھر پیالے میں پانی بھر کر اس پر دعا پڑھی اور شہزادے کو پینے کیلئے دیا۔ آپ کے پیالے میں پانی پینے سے شہزادے کی طویل بیماری ختم ہوگئی اور آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔

شاہجہان دوسری مرتبہ جب آپ کے در دولت پر حاضر ہوا تو خلوص محبت کی باتوں کے بعد کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں ترک دنیا کی طرف مائل ہو جاؤں آپ نے فرمایا جب آپ کوئی نیک عمل کریں جس سے اہل اسلام خوش ہوں تو اس وقت اپنے لئے خود دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا کچھ نہ مانگیں پھر فرمایا تم خدا کو بھی چاہتے ہو اور دنیا کو بھی۔ دونوں کا اکٹھے ملنا محال ہے۔

جب شاہجہان اور ان کے رفقا حضرت میاں میرؒ کے بالا خانے کی طرف چلے تو شہزادہ دارشکوہ جو آپ کا بے حد معتقد تھا ننگے پاؤں بالا خانے تک گیا۔ شاہجہان سے ملاقات کے دوران آپ مسلسل لونگ چباتے اور پھینکتے رہے۔ شاہجہان کے فرزند شہزادہ دارشکوہ آپ کے منہ مبارک سے نکلنے ہوئے لونگ اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتا رہا۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت میاں میرؒ کے لونگ چبھانے کا شرف شہزادہ دارشکوہ قادری کے علاوہ حضرت خواجہ بہاری قادریؒ اور حضرت میاں محمد مراد قادری کو بھی حاصل تھا۔ شاہجہان جو آپ کا بے حد عقیدت مند تھا آپ کو مستقل طور پر آگرہ آنے کی درخواست کرتا رہا لیکن آپ نے ہر بار حاکم وقت کی درخواست مسترد کرتے ہوئے لاہور میں ہی قیام

ضروری سمجھا۔

اسی دوران ایک دن آپ کی طبیعت سخت ناساز تھی۔ حاکم شہر وزیر خان آپ کی زیارت کیلئے آیا جب حجرہ کے باہر کھڑے ہوکر اپنی آمد کی آپ کو اطلاع کی تو آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حاکم شہر نے خدام کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ صرف آپ کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں آپ نے اس شرط پر اندر آنے کی اجازت دی کہ حاکم شہر زیادہ دیر نہ ٹھہرے پھر جب وزیر خان ایک طبیب کے ساتھ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے فرمایا میرے لئے حکیم مطلق ہی کافی ہے مجھے آپ کے طبیب کی ضرورت نہیں۔

حضرت میاں میرؒ اپنی بزرگی اور پاکبازی کی بنا پر جہاں عوام الناس اور بادشاہوں کی نظر میں نہایت ادب و احترام رکھتے تھے وہاں غیر مسلم بالخصوص سکھ مذہب کے لوگ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر دلی مرادیں پاتے تھے۔ جب گورو ارجن دیو کے دل میں دربار صاحب امرتسر کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا تو اس نے حضرت میاں میرؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی عبادت گاہ کا سنگِ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھنے کی درخواست کی جو آپ نے بخوشی منظور فرمالی۔ ایک سکھ مصنف نے اپنی تصنیف ''تاریخ امرتسر'' میں لکھا ہے کہ تالاب بنوانے کے بعد سکھ گورو نے 1588ء کو ''ہرمندر'' کا بنیادی پتھر حضرت میاں میرؒ کے دست مبارک سے رکھوایا۔ اتفاقاً حضرت میاں میرؒ کے ہاتھ سے وہ بنیادی اینٹ الٹی رکھی گئی۔ جس کو معمار نے اٹھا کر سیدھا کر دیا اس پر گورو ارجن دیو بہت خفا ہوئے اور کہا ایسے مقدس ہاتھ کی اینٹ تم نے کیوں سیدھی کی۔ اب یہ ہرمندر ایک مرتبہ تباہ ہوکر پھر آباد ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا احمد شاہ ابدالی کے حملہ امرتسر 1761ء کے دوران یہ ہرمندر تباہ ہوکر چار سال بعد آباد ہوا۔ ایک اور حوالے سے قدیم گرنتھ بابا گورونانک میں گورونانک کی پیشگوئی درج تھی کہ امرتسر کے ہرمندر کا سنگ بنیاد وہ شخص رکھے گا جو اس علاقے میں سب سے بہتر

اور پارسا ہوگا۔ چنانچہ یہ کام حضرت میاں میرؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔

ایرانی مجتہد سے مناظرہ

نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کا وزیراعظم آصف جاہ تھا اور ان کی ملکہ نور جہاں شاہی محلات پر چھائی ہوئی تھی۔ چونکہ وہ شیعہ تھے اس لئے انہوں نے کاروبار حکومت پر چھا جانے کا مکمل پروگرام بنایا تھا۔ انہوں نے بہت سے مجتہد وغیرہ ایران سے بلوا رکھے تھے جو دربار پر تسلط جمانے کیلئے ہر طریقہ آزما رہے تھے۔ انہوں نے اپنے عزیزوں کو بڑے بڑے منصب عطا کرر کھے تھے۔ ملکہ نور جہاں کا والد اعتماد الدولہ میرزا غیاث بیگ' نواب آصف جاہ' نواب صادق خان طہرانی' نواب جعفر خان پنجاب کے وقتاً فوقتاً صوبیدار رہے اور ان لوگوں کا قیام لاہور ہی میں رہا۔ اعتماد الدولہ کا مقبرہ تو آگرہ میں بنا۔ مگر آصف جاہ وزیراعظم نواب صادق خاں طہرانی اور اس کے فرزند نواب جعفر خاں کے مقابر لاہور میں شاہدرہ باغبانپورہ اور گڑھی شاہو میں اب بھی موجود ہیں۔ شاہی دربار میں تو حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی اور ان کے رفقائے کار نے اس طوفان کو روکا اور اس کی پاداش میں ان کو زندان کی سیر بھی کرنا پڑی۔ لاہور میں علمائے کرام نے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی مگر اس سلسلہ میں جو سعادت حضرت میاں میرؒ کو حاصل ہوئی۔ وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی۔ ہوا یوں کہ شہاب الدین شاہجہان کے عہد میں ملکہ ممتاز محل جو اس کی بیوی اور نواب آصف جاہ کی دختر تھی۔ پھر ایسی کوششیں شروع کیں جس میں یہ تمام خاندان ملوث تھا۔ چنانچہ آصف جاہ کے ایما پر شاہجہان نے بادشاہ ایران کو خط لکھا کہ آپ ایران سے کسی قابل ترین مجتہد کو دربار میں بھیجیں جو یہاں کے سنی علماء سے مناظرہ کر سکے۔ ایک خط حاکم لاہور کو بھی تحریر کیا کہ جب ایرانی مجتہد لاہور پہنچے تو اس کی خوب خاطر مدارات کرنا۔ نیز اسے حضرت میاں میرؒ کی خدمت اقدس میں بھی لے جانا۔ ساتھ ہی لاہور میں دوسرا خط حضرت میاں میرؒ کی

خدمت عالیہ میں ارسال کر کے ان کو تمام حالات سے آ گاہ کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد جب یہ مجتہد جس کا شمار ایران کے عظیم مجتہدین میں ہوتا تھا۔ لاہور پہنچا تو شہنشاہ کے حکم کے مطابق اس کی خوب خاطر مدارت کی گئی اور اس کو حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ آپ بڑے خلوص اور محبت سے ملے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں باتوں میں آپ نے سوال کیا۔

کیوں صاحب! آپ کبھی بلائے معلیٰ بھی حاضر ہوئے ہیں؟

ایرانی مجتہد۔ جی ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ کئی بار اس سعادت سے مستفید ہو چکا ہوں۔

حضرت میاں میرؒ۔ تو پھر وہاں کے فضائل بیان کیجئے۔

ایران مجتہد۔ اس خاک پاک کی ایک ادنیٰ خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نواح میں سات سات کوس تک دفن ہونے والے روز محشر بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

حضرت میاں میرؒ۔ کیا یہ فضیلت انبیائے کرام کے مرقد و مدفن کو بھی حاصل ہے۔

ایرانی مجتہد۔ کیوں نہیں۔ نبی کے مرقد کے اردگرد دس دس کوس تک دفن ہونے والے بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے۔

حضرت میاں میرؒ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے چاروں اطراف دس دس کوس تک مدفون لوگ جنتی ہیں تو پھر ان دو بزرگوں کی بھی بخشش کی امید ہو سکتی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو دفن ہیں۔

ان بزرگوں سے آپ کی مراد خلیفہ اوّل سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تھی۔ اس سوال کو سن کر ایرانی مجتہد اعظم پر

گھڑوں پانی پڑ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا اور واپس حاکم شہر کے ساتھ چلا گیا۔ اب اسے خیال آیا کہ جب لاہور میں ایسے مایہ ناز عالم موجود ہیں تو دارالسلطنت شاہی میں کن علماء سے واسطہ پڑے گا چنانچہ وہ لاہور سے ہی ایران واپس چلا گیا۔ لاہور میں 60 سال قیام فرمایا پھر اچانک ایک دن اسہال کی بیماری نے آپ کو آ گھیرا۔ پانچ دن تک یہی کیفیت طاری رہی بلآخر 1635 عیسوی کو آپ محلّہ فانی پورہ (انارکلی) میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. زندگی میں حضرت میاں میرؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے وہاں دفن کرنا جہاں میرے یار حضرت میاں نتھا، حاجی سلیمان، شیخ ابوالکلام، حاجی مصطفیٰ آسودہ خاک ہیں۔ اس لئے آپ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ متعلقہ جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں حضرت خواجہ بہاری، حضرت شیخ محمد لاہوریؒ میاں حاجی محمد بینانیؒ، نور محمد اور دیگر مریدین کے علاوہ حاکم شہر، امرا، علما اور فضلا شریک ہوئے۔

حضرت میاں میرؒ کی ایک نہایت عظیم الشان خانقاہ عالیہ، چار دیواری، مسجد وغیرہ تعمیر کرانے کا ارادہ شہزادہ دارشکوہ قادری نے کیا تھا۔ جس کیلئے ہر قسم کا سامان عمارت سنگِ مرمر، سنگ سرخ اور دیگر قیمتی پتھر بھی جائے مدفن پر پہنچ چکے تھے۔ مگر دارشکوہ کے قتل کے بعد یہ سارا سامان بادشاہی مسجد لاہور کی تعمیر میں صرف ہو گیا۔

جس زمانے میں لاہور سکھ گردی کا شکار تھا ان رہزنوں اور لٹیروں کی بربریت انتہا کو پہنچی۔ لاہور کی تمام مساجد، مقابر اور خانقاہوں کا سنگِ مرمر، سنگ سرخ اور دوسرے قیمتی پتھر اکھاڑ لئے گئے تھے۔ انہی ایام میں رنجیت سنگھ بذات خود اپنے گھوڑے "دلیلی" پر سوار ہو کر مرقد منور حضرت میاں میرؒ پر حاضر ہوا تا کہ وہاں سے قیمتی پتھر بھی اتروا لئے جائیں۔ لیکن جب رنجیت سنگھ بری نیت سے مرقد منور تک پہنچا تو رنجیت سنگھ سمیت اس کا گھوڑا تین مرتبہ گرا۔ اسے اپنی غلطی کا جلد ہی احساس ہو گیا اس نے اپنے کارندوں کو کسی بھی حرکت

سے روک دیا کہ یہاں سے کوئی پتھر نہ اکھیڑا جائے۔ ''یہ بادشاہوں کا پیر ہے'' تا کہ ان کا غضب ہم پر نہ پڑے۔ پھر پانچ سو روپے نذرانہ پیش کیا اور جب تک رنجیت سنگھ زندہ رہا یہ نذرانہ بند نہ رہا۔ حالانکہ رنجیت سنگھ نے حضرت ملا شاہ بدخشانی' حضرت خواجہ بہاریؒ اور شہزادی نادرہ بیگم کے مزارات کے تمام قیمتی پتھر اتروا کر تزئین دربار صاحب امرتسر اور رام باغ کے لئے بھیج دیئے تھے۔

آپ کے قابل ذکر مریدین اور خلفائے عظام میں درج ذیل بزرگ شامل ہیں حضرت حاجی نعمت اللہ قادری سرہندی' حضرت ملا ابراہیم روحی قادریؒ' حضرت سید اشرف قادریؒ' حضرت نور الدین قادریؒ' حضرت میاں نتھا قادریؒ' حضرت حاجی سلیمان قادریؒ' حضرت سید نوری قادریؒ' حضرت شیخ نور الدین قادریؒ' حضرت بہار لنگ قادریؒ' حضرت حاجی مصطفیٰ سرہندی قادری' حضرت شیخ ابوالکلام قادریؒ' حضرت شیخ ابوالخیر قادریؒ' حضرت ملا خواجہ بہاریؒ قادری' حضرت ملا حامد گوجرؒ قادری' حضرت اخوند میرکؒ حضرت شیخ ہرویؒ' حضرت حاجی محمد صالحؒ کاشمیری قادری' حضرت ملا ابوبکرؒ قادری' حضرت ملا عیسیٰؒ قادری سیالکوٹی' حضرت حافظ اسماعیلؒ قادری' حضرت شاہ عبدالغنیؒ قادری' حضرت شیخ غیاثؒ قادری' حضرت حاجی سلیمان ثانی قادریؒ' حضرت میاں نور محمد قادری' حضرت حاجی سید عبدالرحمان قادریؒ' حضرت حاجی پراچہ قادریؒ' حضرت میاں محمد شریف قادریؒ' حضرت میاں محمد مراد قادریؒ' حضرت ملا فتح محمد قادریؒ' حضرت سید احمد بنوری قادریؒ' حضرت ملا خواجہ کلاں قادریؒ' حضرت میاں حاجی محمد بنیانی قادریؒ' حضرت خواجہ محمد شریف قادریؒ' حضرت شیخ عبدالواحد قادریؒ' حضرت خواجہ محمد شریف قادریؒ' حضرت شیخ عبدالواحد قادریؒ' حضرت شیخ محمدؒ لاہوری' حضرت مسکین شاہؒ امری قادری' حضرت ملا سعید خان قادریؒ' حضرت شیخ عبدالحقؒ مجذوب قادری' حضرت ملا عبدالغفور قادریؒ' حضرت مبارک حسینؒ خوانی' حضرت شاہ برہانؒ بخاری

لاہوری، حضرت شاہ جمال نوری قادریؒ، حضرت شیخ احمد سنامی قادریؒ، حضرت شیخ احمد دہلویؒ، حضرت میاں ابوالعالی قادریؒ۔

کرامات

ایک دفعہ آپ باغ میرزا کامران میں دریا کے کنارے لیٹے ہوئے تھے آپ کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ شیخ عبدالوحدؒ بنیانی اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اس وقت آنجناب کے پاؤں دبا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ چلا آرہا تھا۔ میں گھبرا گیا۔ آپ نے فرمایا ''اس کو آنے دو'' جونہی وہ نزدیک آیا آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور سانپ آپ کے حضور بلند ہو کر ایک جگہ ٹھہر گیا اور کچھ کہا۔ جسے میں نہ سمجھ سکا۔ حضرت میاں میرؒ نے اس کے جواب میں فرمایا ''اچھا۔ ایسا ہی سہی۔'' وہ سانپ اٹھا اور آپ کے اردگرد تین مرتبہ طواف کیا اور چلا گیا۔ میں نے اس کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا کہ سانپ کہتا تھا کہ ''میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف کروں گا۔'' تو جواباً میں نے کہا کہ ''اچھا۔ ایسا ہی سہی۔''

چونکہ آپ لاہور کے اکثر و بیشتر ایسے مقامات پر عبادت، ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جہاں تنہائی ہوتی ایک دفعہ آپ باغ نواب دین خان میں مصروف عبادت تھے اس وقت بھی شیخ عبدالواحدؒ بنیانی ہمراہ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت ایک فاختہ درخت پر بیٹھی چہچہا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ''سنو! کس خوش الحانی سے اپنے پروردگار کے نام کا ورد کر رہی ہے۔'' آپ اس کی چہک سے بڑے مسرور ہو رہے تھے کہ دفعتاً ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں غلیل تھی۔ اس نے فاختہ کے شکار کرنے کیلئے غلہ پھینکا جو فاختہ کو لگا اور وہ درخت کے نیچے گر پڑی اور مر گئی اور وہ فاختہ کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس پر حضرت میاں میرؒ نہایت آزردہ ہوئے اور فرمایا کہ ''جاؤ فاختہ کو اٹھا لاؤ۔'' میں مردہ فاختہ

اٹھالایا۔آپ نے اس پر دست مبارک پھیرا تو وہ زندہ ہوگئی اوراڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر پہلے کی طرح ذکرالٰہی میں مشغول ہوگئی اتنے میں وہ شکاری پھرادھر آنکلا اور پھر فاختہ کے شکار کا ارادہ کیا۔آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اوراس سے کہو کہ ایسا نہ کرے۔مگر وہ نہ مانا اور فاختہ کا شکار کرنے کیلئے غلہ پھینکا تو وہ غلہ فاختہ کی بجائے اس کے اپنے ہاتھ پر لگا۔جس کے درد سے وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔حضرت میاں میرؒ نے فرمایا کہ جا اوراس کو کہہ دو کہ آئندہ جانوروں کو اس طرح مارنے سے توبہ کرے۔چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ جانوروں کو نہیں مارے گا تو اس کا درد جاتا رہا۔

میرک حسین خوانی نے شہزادہ داراشکوہؒ کو بتایا کہ جب نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کشمیر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ہمراہ تھا۔دورانِ سفر مجھے لاہور کے ایک عزیز کا خط موصول ہوا۔جس کا مضمون یہ تھا کہ حضرت میاں میرؒ نے فرمایا ہے کہ تم لاہور جلد آؤ گے۔ اسی دن بادشاہ کا دوسرا حکم موصول ہوگیا کہ تم کو کابل تعینات کردیا گیا ہے۔چونکہ میری لاہور میں رہنے کی ابھی خواہش تھی میں حضرت میاں میرؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو تمام واقعات سے آگاہ کیا۔فرمایا ''مطمئن رہو۔تم یہیں رہو گے۔'' چنانچہ پھر حکم آگیا کہ ابھی لاہور ہی مین ٹھہرے رہو۔

ملا سعید خاں کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ وہ آگرہ گیا اور وہاں وہ ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہوگیا۔یہاں تک کہ لاہور میں اس کی رحلت کی خبر مشہور ہوگئی۔ایک دن حضرت میاں میرؒ نے کسی سے دریافت کیا کہ ملاں سعید خاں کی کیا خبر ہے۔ایک شخص نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ فوت ہوگیا ہے۔آپؒ نے فرمایا کہ یہ خبر غلط ہے۔جب میں آگرہ سے لاہور واپس آیا تو آنجنابؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ لوگوں نے لاہور میں تمہاری وفات کی خبر پھیلادی تھی۔مگر ہم تو آپ کو وہاں زندہ سلامت

دیکھ رہے تھے۔

ایک دن آپ باغ نولکھا میں مشغول عبادت تھے کہ آپ نے اپنے ایک ساتھی مرید کو فرمایا کہ جا اور اس درخت سے پوچھ کہ وہ کیا تسبیح پڑھ رہا ہے۔ جب اس نے درخت کے پاس جا کر دریافت کیا تو درخت یوں ہم کلام ہوا۔ کہ میں "یانافع" کا ورد کر رہا ہوں اس نے مزید کہا کہ وہ درخت سرس کا تھا اور اب تک (عہد اورنگ زیب) باغ نولکھا میں موجود ہے۔

میاں حاجی محمد بنیانیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت میاں میرؒ کی زبان مبارک سے سنا کہ ایک دفعہ چار فقیر اکھٹے سیوستان کے پہاڑی علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ اتفاقاً تین دن تک انہیں کھانے کو کچھ میسر نہ رہا۔ وہ اسی سوچ میں تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں آگے چل کر کچھ تلاش کرتا ہوں۔ تم آہستہ آہستہ پیچھے چلتے آؤ۔ ابھی وہ فقیر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں کو پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت نظر آیا۔ جس کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے زمین تک آ رہی تھیں اور درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا کہ یہ پھل اتنا لذیذ اور شیریں تھا کہ جنت کا میوہ معلوم ہوتا تھا۔ چلو اپنے چوتھے ساتھی کیلئے جو آگے گیا ہے۔ اس کے لئے بھی پھل لے چلیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا حصہ لے لیا اور چل پڑے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ وہ بھی مل گیا۔ تینوں نے کہا کہ تمہارے جانے کے بعد ہم کو ایک درخت پھلدار مل گیا ہم نے حسب منشاء کھایا اور تمہارا حصہ لے آئے ہیں۔ لو کھا لو۔ اس نے کہا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اتنا سننے کے بعد حضرت میاں میرؒ نے فرمایا "کہ وہ درخت، وہ پھل اور وہ چشمہ وہی فقیر تو تھا۔ جو خوراک کی جستجو و تلاش میں آگے گیا تھا۔" حاجی محمدؒ بنیانی کا کہنا ہے کہ وہ فقیر دراصل حضرت میاں میرؒ ہی تھے۔

شہزادہ داراشکوہ قادریؒ اپنی تصنیف لطیف ''سکینۃ الاولیاء'' میں میاں حاجی محمدؒ بنیانی کی روایت سے تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت میاں میرؒ نے ایک درویش کا نام لے کر یہ بتایا کہ سیوستان اور بھکر کے بلوچوں میں یہ رسم ہے کہ جب تک ان کے پاس مال و دولت اور مویشیوں کا غلہ نہ ہو۔ کوئی ان سے لڑکی کے رشتہ کا سوال نہیں کرتا۔ ان لوگوں کا ایک سردار مر گیا اور اس کا مال و اسباب بھی جاتا رہا۔ اس کی ایک بیوہ اور جوان لڑکی تھی۔ غربت کی وجہ سے کوئی بھی اس لڑکی کے رشتہ کا خواستگار نہ تھا۔ وہاں ایک فقیر مقیم تھا جو روزانہ ان کے گھر آتا اور ایک نظر لڑکی کو دیکھ کر چلا جاتا۔ کچھ دنوں کے بعد لڑکی نے اپنی والدہ سے ذکر کیا کہ ایک فقیر ہر روز یہاں آتا ہے اور مجھے دیکھ کر چلا جاتا ہے۔ تم اس سے اپنی ناداری کا ذکر کرو اور دعا کیلئے کہو جب وہ فقیر اگلے دن آیا تو لڑکی کی والدہ نے اس سے کہا کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں اس نے کہا ''تو کیا چاہتی ہے۔'' عورت نے کہا ''میری جوان لڑکی گھر میں ہے۔ اس کی شادی چاہتی ہوں۔ غربت کا شکار ہوں اور مال و دولت بھی میرے پاس نہیں۔'' وہ فقیر اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر شہر کے باہر لے گیا اور ایک تاجر کی دکان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو کچھ چاہئے۔ یہاں سے لے لیا کرو۔ مگر ضروریات سے زیادہ نہ لینا۔ یہ کہہ کر فقیر تو چلا گیا اور عورت نے جس قدر سامان کی ضرورت تھی۔ وہ وہاں سے حاصل کر لیا اور اپنی لڑکی کی شادی دھوم دھام سے کر دی۔ شادی کے بعد وہ عورت پھر دکان پر گئی اور بہت سا غلہ وغیرہ ذخیرہ کرنے کیلئے لے آئی۔ جو ایک سال کیلئے کافی تھا پھر اگلے دن وہاں گئی تو دیکھا کہ نہ تو وہاں دکان ہے اور نہ تاجر' کچھ عرصہ گزرنے کے بعد فقیر پھر اس عورت کو ملا تو اس نے تمام ماجرا سنایا۔ فقیر نے کہا کہ ''تم نے میرا کہنا نہ مانا اور تاجر کی دکان کھو بیٹھی۔ اب تو اس کا حال دریافت کرنا چاہتی ہے تو وہ مال و دولت غلہ' گھوڑے' نقدی وغیرہ سب کچھ میں ہی تھا۔ یہ کہا اور بزرگ نظروں سے غائب ہو گیا۔ میاں حاجی محمدؒ بنیانی کہتے ہیں کہ

میں نے اس فقیر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ ''کہ جو کوئی بھی تھا۔ تم کسی سے ذکر نہ کرنا۔''
بعد از تحقیق معلوم ہوا کہ وہ حضرت میاں میرؒ ہی تھے۔

حضرت میاں میرؒ کا ایک مرید بیان کرتا ہے کہ آنجناب ضعیفی کی وجہ سے بیابانوں' جنگلوں میں عبادت کیلئے نہ جا سکتے تھے اور گھر میں ہی رہتے تھے۔ چنانچہ کثرت سے لوگ حصولِ فیضان کیلئے آتے۔ اس دوران آپ رات کو حجرے کا دروازہ بند کر کے خلوت کے لمحات میں یادالٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اور اس موقعہ پر میں وہاں موجود رہتا تھا۔ گرمی زیادہ ہوتی تو حجرے کی چھت پر تشریف لے جاتے اور مجھے فرماتے کہ پانی کا کوزہ' پنکھا اور جوتا اوپر لے آؤ اور بعد ازاں جانے کا حکم دے دیتے۔ میں تمام اشیاء اوپر رکھ کر چلا جاتا۔ ایک دن فجر کے وقت پانی کا پیالہ اور مسواک طلب فرمائی۔ میں نے پیش کر دیں۔ مسواک کے بعد فرمایا ''میں نے کشمیر نہیں دیکھا۔ دل چاہتا ہے۔ اسے دیکھ لوں۔ آخر میں وہاں گیا۔ وہاں ایک دریا بہتا ہے۔ جس کے کنارے آج رات میں نے بسر کی۔ اگر تو نے کشمیر دیکھا ہو تو وہاں کی تمام نشانیاں میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا' حضور میں نے کشمیر نہیں دیکھا۔

وہی مرید روایت کرتا ہے کہ ایک رات حضرت نے مجھے فرمایا کہ پانی کا کوزہ' پنکھا اور میرے جوتے اوپر رکھ آؤ اور جا کر سو جاؤ میں نے پنکھا اور جوتے وہاں رکھ دیئے۔ مگر پانی کا کوزہ رکھنا بھول گیا۔ آدھی رات کے وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے پانی کا کوزہ وہاں نہیں رکھا۔ اٹھا اور کوزے میں پانی بھر کر اوپر لے گیا۔ وہاں دیکھا تو آپؒ وہاں موجود نہیں تھے بہت حیران ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ بیت الخلا گئے ہوں گے۔ وہاں دیکھا تو وہاں بھی موجود نہیں تھے۔ پھر چراغ جلا کر جہاں جہاں آپ ہو سکتے تھے۔ تلاش کیا مگر آپ نہ مل سکے۔ میں فکرمند ہوا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ دفعتہً حضرت نے مجھے کوٹھے کے اوپر

سے آواز دے کر کہا کہ ''نور محمد وضو کا پانی لاؤ۔'' میں وضو کا پانی اور مسواک لے کر حاضر ہوا۔ حیرانگی کے عالم میں مَیں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ''تو کیا کہہ رہا ہے۔ کیا کوئی خواب دیکھا ہے۔'' مَیں نے تمام واقعہ بیان کیا تو فرمایا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ کسی سے اس واقع کا ذکر نہ کرنا۔'' میری یقین دہانی پر آپ نے فرمایا کہ ''میں آج رات غارِ حرا میں تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا اور پھر فرمایا۔'' جو سکون اور کشائش وہاں نصیب ہوئی ہے وہ کسی دوسری جگہ چالیس سال میں بھی میسر نہیں آئی۔''

حضرت میاں میرؒ کی عادت تھی کہ جو شخص بھی غیر ملکی مہمات کے سلسلہ میں حاضر خدمت ہوتا تو اس سے دریافت کرتے کہ کیا خبر ہے اور فلاں جگہ کی مہم کا کیا حال ہے۔ جب ازبک افواج نے قلعہ کابل کا محاصرہ کیا اور نازک صورت پیدا کر دی۔ نیز تمام شہر اور مضافات ان کے قبضہ میں آگئے تو ایک شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دعا کا خواستگار ہوا۔ فوراً آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا ''ازبک بھاگ گئے۔'' اس شخص نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کابل اور اس کے اردگرد کے تمام علاقے ان کے قبضے و تصرف میں ہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا جیسا آپ نے کہا تھا ویسے ہی ہوا یعنی ازبک شہر سے بھاگ گئے۔

مندرجہ بالا روایت کنندہ کا بیان ہے کہ قضائے الٰہی سے اس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ میں اس رنج وغم کی حالت میں حضرت میاں میرؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور حجرہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ حالانکہ آپ بند آنکھیں کئے تشریف فرما تھے۔ مگر آپ کو میرے آنے کا علم ہو گیا۔ قریب بیٹھے ہوئے میاں نتھا پراچہؒ نے میرے متعلق بتا دیا کہ اس کا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ غمگین نہ ہو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایک صالح

فرزند عطا کرے گا۔ نیز اسے کہو کہ دو ماہ بیس دن کے بعد آئے۔ مدت مقررہ گزرنے پر وہ حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس دن کی یاد دلائی۔ آپ نے فرمایا کہ ''لڑکی پیدا ہونی تھی۔ مگر میں نے تین دفعہ بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ جس سے لڑکا لڑکی پر مقدم ہوا۔ عالم ملکوت میں اس کا نام محمد افضل رکھا گیا ہے۔'' ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا ''کیا بیٹی کی پیدائش موقوف ہوگئی ہے۔'' فرمایا۔ ''نہیں اس کے بعد ایک لڑکی اور بعد میں دو اور لڑکیاں ہوں گی اور اس طرح خداوند کریم نے چھ سال میں ایک لڑکا اور تین بیٹیاں عنایت فرمائیں۔

میر محمد خانی ایک شخص حاجی علی کوسوی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ صاحب زہد وتقویٰ تھا اور حضرت میاں میرؒ سے اسے بے پناہ عقیدت وارادت تھی۔ اکثر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا۔ ہر پانچ سال بعد لاہورؔ سے اپنے وطن واپس جاتا۔ اس عرصے میں وہ تجارت بھی کرتا۔ ایک دفعہ وہ وطن سے لاہور آیا اور میرے والد کے گھر قیام پذیر ہوا اور بیان کیا کہ میں اس سفر میں حضرت میاں میرؒ کی ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ ایک دن اصفہان اور یزدان کے مابین ہمارا قافلہ ایک دریا کے کنارے اترا ہوا تھا اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ کھانا پکانے کے سلسلے میں مشغول تھا۔ اچانک دور سے ایک شخص لباس فاخرہ پہنے آتا دکھائی دیا یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت میاں میر علیہ الرحمت تھے اور مجھے بلا رہے تھے۔ میں دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کیا آپؒ نے فرمایا تمہارا قافلہ نشیبی علاقے میں ٹھہرا ہوا ہے بڑا طوفان آنے والا ہے۔ جلدی جلدی اپنا مال واسباب اور خیمے اونچی جگہ منتقل کر لو اور اہل قافلہ کو بھی اس سے مطلع کر دو۔'' ابھی میں اس شش وپنج میں تھا کہ میں نے دیکھا کہ آپ غائب ہیں۔ چنانچہ میں نے تمام اہل قافلہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ جس نے سامان اٹھا کر اونچی جگہ منتقل کر لیا وہ

محفوظ رہا اور جس نے ایسا نہ کیا وہ خود بھی سامان سمیت برباد ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت۔ میرا لڑکا نزع کے عالم میں ہے توجہ فرمائیں۔ آپ نے اس کی حالت دیکھی تو استغراق میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد پانی کا پیالہ طلب فرمایا۔ اس پر دعا پڑھی اور اس شخص سے کہا کہ لڑکے کو یہ پانی پلا دو۔ پانی جب پلایا تو لڑکے کو شفا ہو گئی۔ جب وہ لڑکا سات سال کا ہوا تو باپ اس کو ہمراہ لے کر پھر آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ گونگا ہے بول نہیں سکتا۔ حضرت نے اس لڑکے سے فرمایا کہ کہو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس طرح لڑکے کا گونگا پن جاتا رہا اور اس نے یہ مقدس کلام پڑھ دیا کچھ مدت کے بعد وہ شخص پھر حاضرِ خدمت ہوا اور کہا کہ لڑکے نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے اور آپ نے اس پر یہ عنایت بھی کی کہ وضو کرتے وقت آپ جس رومال سے ہاتھ اور منہ پونچھتے تھے۔ وہ اس کو دے دیا اور فرمایا کہ "جب تمہارے لڑکے کو کوئی بیماری آئے تو رومال اس کے سر پر لپیٹ دینا۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔"

آپ کی ایک کرامت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ جب بادشاہ وقت (جہانگیر) کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں (شہریار) داماد ملکہ نور جہاں جو جانشینی اور حکمرانی کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ لاہور میں تخت نشین ہوا اور ایک شخص کو حضرت میاں میرؒ کی خدمتِ اقدس میں کہلا بھیجا کہ میرے پاس تشریف لائیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی دستارِ مبارک ہی بطور تبرک ارسال فرما دیں۔ آپ نے اس پیغام کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور ایلچی کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ بادشاہوں کا فقرا سے کیا تعلق۔ بادشاہ نے پھر اپنا آدمی بھیجا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اپنی بندھی ہوئی دستار مبارک سر مبارک سے اتار کر دے ماری اور فرمایا کہ "اسے لے جا" ابھی ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ اس کو اندھا کر کے مار دیا گیا اور اس

طرح وہ نا ہنجار اور گستاخ کیفر کردار کو پہنچا۔

سید محمد جعفرؒ کا بیان ہے کہ میری عمر پانچ سال کی تھی کہ لاہور شہر میں طاعون کی بیماری پھیل گئی۔ چنانچہ ایک گلٹی میرے کان کے نیچے بھی نمودار ہوئی۔ میرے والد مجھے حضرت میاں میرؒ کی خدمتِ اقدس میں لے گئے جن کو آپ سے بے حد ارادت و عقیدت تھی اور دعا کیلئے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''ابراہیم تمہارے بیٹے کی پیشانی روشن ہے۔ لوگ اس سے فیضان حاصل کریں گے۔ اطمینان رکھو۔'' پھر اپنا دستِ مبارک اس گلٹی پر پھیرا اور اللہ کریم کی مہربانی سے یہ گلٹی ختم ہوگئی۔

میرک حسینؒ خوانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی حویلی میں کنواں کھودا تو اس کا پانی کھارا نکلا۔ پانی کا کوزہ بھر کر میں حضرت میاں میرؒ کی خدمت اقدس میں لے گیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پانی کا کوزہ طلب فرما کر اس پر دعا پڑھی اور فرمایا کہ اس کو واپس کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ میں نے ایسا کیا تو کنویں کا پانی میٹھا ہوگیا۔

شہزادہ داراشکوہ کہتا ہے کہ جب میرے والد بزرگوار شاہجہان پہلی مرتبہ حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر حضرت صاحب آپ ہمیں تازہ انگور کھلائیں گے تو بے شک آپ خداوند قدوس کے برگزیدہ بندے ہوں گے۔ جب ہم آپ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے تو آپ بلا تکلف حجرہ میں سے تازہ انگوروں کا ایک خوان اٹھا لائے اور ہمارے سامنے رکھ دیا۔ حالانکہ یہ موسم انگوروں کا نہ تھا۔

حضرت میاں میرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا بھائی سیوستان (سندھ) سے لاہور میں میرے پاس آیا اسے دیکھ کر میں بہت فکر مند ہوا کہ اس وقت کوئی مرید یا معتقد نہیں تھا کہ اس کیلئے کھانا لے آئے اور نہ ہی میرے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی۔ میں اس کو حجرے میں بٹھا کر باغ میں چلا گیا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کی کہ اے اللہ! گھر میں

مہمان آیا ہے اور میں نے تیری امید پر اسے بٹھایا ہے۔آپ کی ذات اقدس کے علاوہ میرا کوئی مددگار یا معاون نہیں ہے۔ اتنے عرصے میں میرا بھائی بھی وہاں آ پہنچا اور کہنے لگا کہ آپ کے جانے کے بعد ایک شخص کھانا لایا ہے اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو بلا لاؤں۔ جب ہم واپس حجرے میں آئے تو اس نے سلام کیا اور کہا کہ اللہ کریم نے یہ طعام اور نقدی اپنی مہربانی سے بھیجی ہے۔ہم کھانے میں مشغول ہوئے اسے بھی کھانے کیلئے کہا۔مگر اس نے معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو اس نے خالی برتن اٹھائے اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔اس کے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ تھا۔

شیر ربانی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ

ایک دن ایک بزرگ شرق پور کی گلیوں میں لمبی لمبی سانس لے کر کچھ سونگھتے پھر رہے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا آپ کیا سونگھ رہے ہیں اور کیونکر ایسا کر رہے ہیں تو جواباً بزرگ نے فرمایا کہ اس محلّہ میں ایک روح آنے والی ہے اس پاکیزہ روح کا مالک انسان' خداوند کریم کا مقبول بندہ ہوگا اور پورے زمانے میں اس کی دھوم ہوگی۔ بزرگ سے جب دوبارہ پوچھا گیا کہ یہ نیک اور پاکیزہ روح کس کے گھر اترے گی تو بزرگ نے جواباً میاں عزیز الدین کے گھر کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا نام شیر محمد ہوگا۔

اس اجنبی بزرگ کا نام حضرت خواجہ امیر الدینؒ تھا اور میاں عزیز الدین حضرت میاں شیر محمدؒ کے والد کا نام تھا۔ حضرت خواجہ امیر الدینؒ کو جونہی بذریعہ کشف آپؒ کی پیدائش کے بارے میں معلوم ہوا انہوں نے ہر سال شرق پور میں باقاعدگی سے آنا شروع کر دیا۔ تاکہ اس مرد کامل کو اپنے دام میں لے کر نسبت نقشبندان تک پہنچا سکیں۔

بہرکیف آپ 1282 ھجری بمطابق 1863 عیسوی کو شرق پور میں میاں عزیز الدینؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ پیدائش کے ساتویں روز آپ کا نام شیر محمد رکھا گیا۔ ابھی آپ نے پوری طرح ہوش بھی نہیں سنبھالی تھی کہ آپ کے جد امجد حضرت مولانا غلام رسولؒ نے آپ کو گود میں لے کر اپنی زبان چوسائی اسی طرح حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ نے بھی

اپنی زبان مبارک آپ کو چوسائی اور نسبت قادری القا فرمائی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کا بچپن نہایت پاکیزہ ماحول میں گزرا۔ نہ عام بچوں سے کھیلتے اور نہ ان سے ملتے جلتے۔ آپ بچپن سے گوشہ نشیں تھے۔ تین چار سال میں ہی آپ نے قرآن شریف اور دیگر کتب پر عبور حاصل کر لیا تھا اور لکھنے میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ جب بھی آپ کو سپارہ پڑھنے کیلئے دیا جاتا تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور سپاروں کے ورق آپ کے آنسوؤں سے گیلے ہو جاتے۔ آپ کے دادا جب باز پرس کرتے تو خاموشی کے سوا آپ کوئی جواب نہ دیتے۔ آپ جب بھی محلے میں نکلتے تو اپنے سر کو چادر سے ڈھانپ کر نکلتے۔ آپ کو بچپن سے ہی گھوڑ سواری کا بہت شوق تھا۔ آپ جس منہ زور گھوڑی پر سواری کر لیتے وہ ہمیشہ کے لئے مُطیع ہو جاتی۔ ایک مرتبہ شرق پور آنے والی بارات میں شامل ایک گھوڑی سرکش ہوگئی۔ اچھل کود نے سوار کو زخمی کر دیا۔ وہ گھوڑی آپ کو سواری کیلئے پیش کی گئی آپ کے تو سوار ہوتے ہی ایسے فرمانبردار ہوگئی جیسے وہ کبھی سرکش نہ رہی ہو۔

شرق پور میں قیام کے دوران آپ نے چھ مساجد اور دو دیگر عوامی فلاح سے متعلقہ عمارتیں تعمیر کروائیں۔ آپ خود پسندی کو بہت برا تصور کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے مطابق تین چیزیں انسان کیلئے مہلک ہیں۔ ایک بخیلی، دوسری حرص، تیسری خود پسندی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گناہ نہ کرو تب بھی تم لوگوں میں ایک چیز کا مجھے خوف ہے جو معصیت سے بھی بدتر ہے وہ چیز خود پسندی ہے آپ میں فیصلہ اور انصاف کرنے کی صلاحیت دوسروں سے بدرجہ اتم زیادہ تھی۔ دور نزدیک سے لوگ اپنے جھگڑے سلجھانے کیلئے آپ کے پاس لے کر آتے۔ آپ نہایت خوش اسلوبی سے فیصلے فرما دیتے۔ آپ جانوروں سے بھی بے حد محبت کرتے تھے۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت جو ایک کتیا کے سبب

اللہ کے ہاں مقبول ہوگئی۔ وہ عورت جنگل میں کہیں جا رہی تھی۔ راستے میں کتیا کے بچے پیاس کے مارے بلک رہے تھے اس عورت نے ادھر ادھر پانی تلاش کیا آخر کچھ دور ایک کنواں دیکھا لیکن کنویں پانی سے نکالنے کیلئے نہ تو رسی تھی اور نہ ڈول چنانچہ اس عورت نے اپنے دوپٹے کو رسی بنا کر اپنی جوتی کو ڈول کی جگہ استعمال کیا اس طرح کنویں سے پانی نکال کر کتیا کے بچوں کی پیاس بجھائی کتیا نے پانی پی کر آسمان کی طرف دیکھا اور ایک آواز نکالی گویا اس نے دعا کی جو قدرت خداوندی میں اسی وقت مقبول ہوگئی۔ اس طرح کتیا اور اس کے بچوں کو پانی پلانے والی عورت مقبول بارگاہِ الٰہی ہوگئی۔

اسی طرح حضرت میاں صاحب نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا جو جانوروں کی محبت اور شفقت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک نیک اور متقی پرہیزگار شخص دن بدن کمزور اور لاغر ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ نماز بھی چارپائی پر پڑھنے لگا ایک رات رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اتنا لاغر ہوگیا ہوں کہ نماز بھی چارپائی پر پڑھتا ہوں۔ بڑی مشکل میں ہوں بیماری کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ میرے لئے دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاد کرو کہ فلاں دن ایک پرندے کا بچہ تیرے سر پر آ بیٹھا تھا اور اس کی ماں تیرے سر پر اڑ رہی تھی تو نے سختی سے ہاتھ مارا جس سے وہ بچہ مر گیا اس کی ماں نے اسی وقت تیرے لئے بددعا کی اور اس ماں کی بددعا اللہ کے ہاں مقبول ہوگئی اب تیرے واسطے کوئی دعا نہیں۔

اسی طرح اس بزرگ کے گھر میں بلی نے بچے دے دیئے بلی کہیں گئی ہوئی تھی کہ اس کے بچوں کو کھانے کیلئے سانپ آ گیا اس بزرگ نے دیکھا تو فوراً لکڑی لا کر سانپ کو بچوں سے دور بھگا دیا نے یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس دن سے وہ بزرگ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا چند روز بعد آنحضرت ﷺ کی پھر زیارت ہوئی اس بزرگ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب مجھے پہلے کی نسبت بہت آرام ہے اور دن بدن جسم میں طاقت

بھی آرہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس روز تو نے بلی کے بچے' سانپ سے بچائے تھے اس بلی نے تیرے لئے دعا کی تھی جو خداوند کریم کی درگاہ میں مقبول ہوگئی اس وجہ سے تجھے تندرستی مل رہی ہے۔

ایسے واقعات سناتے ہوئے آپ اکثر لوگوں کو تلقین فرماتے کہ جانوروں کو بے سمجھ اور بے زبان سمجھ کر ان پر ظلم نہ ڈھایا کرو اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی تکلیف دیا کرو کیونکہ ان بے زبان جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حد مقبولیت حاصل ہے۔ انسان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ بے زبان جانور کی بددعا سے بچے۔ جس طرح خلق خدا کے حقوق بہت اہمیت کے حامل ہیں اسی طرح جانوروں کے حقوق بھی بہت فضیلت رکھتے ہیں۔ بلکہ معصوم جانور جو انسانوں کے ہی رحم و کرم پر ہوتے ہیں زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔

حضرت میاں شیر محمدؒ نہایت خاموش طبع تھے۔ ان کی پاکیزہ محفل میں آنے والوں کی زبان خود بخود خاموش ہو جاتی۔ اگر کوئی بولنے کی جستجو کرتا تو اسے اشارے سے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ غیر ضروری باتیں کرنے کی بجائے اللہ کا ذکر کرو جو انسانی گناہ مٹا دیتا ہے۔

اس ضمن میں حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان جو کچھ اپنی زبان سے بکتا ہے یہ بکواس اس کو آگ میں ناک کے بل اوندھا ڈالتی ہے اس زبان کی شرارت سے وہی بچے گا جس نے اس زبان کو شریعت کی لگام پہنائی ہوگی۔ منہ سے وہی بات نکالنی چاہئے جو اس کیلئے دنیا اور آخرت کیلئے کارآمد ہو۔ انسان کے تمام عضو میں سب سے زیادہ نافرمان یہی زبان ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ لوگ دوزخ میں زیادہ تر کس چیز کے سبب جائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا زبان اور شرمگاہ ان دونوں

کے سبب۔

حضرت میاں شیر محمدؒ نامحرم عورتوں کی طرف دیکھنے سے بہت گریز فرماتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جب پہلی نظر نامحرم عورت پر پڑے تو وہ معاف ہے نظر ثانی کرنا حرام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تانک جھانک سے بچو کیونکہ تانک جھانکنے سے دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے جو فتنے میں گرنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے فرمایا دیکھنا اور للچانا۔

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کہتا ہے کہ نظر کرنا اور تاکنا میرا پرانا تیر اور کمان ہے جونشانے پر لگے بغیر نہیں رہتا۔

آپؒ بے حد سخی تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ آپ فرماتے حضور ﷺ کے مطابق سخاوت ایک درخت ہے کہ بہشت سے اس درخت کی شاخیں دنیا پر لٹکی ہوئی ہیں جو شخص سخی ہوتا ہے وہ اس درخت کی ڈالیوں میں سے ایک ڈالی کو پکڑ لے گا۔ وہ ڈالی اس کو بہشت میں لے جائے گی۔ اسی طرح بخل بھی ایک درخت ہے جس کی شاخیں دوزخ سے دنیا کی طرف جھکی ہیں جو بخیل اور کنجوس ہوگا وہ اس کی ڈالی پکڑے گا جو اسے دوزخ میں لے جائے گی۔

آپ قبروں کے سامنے سجدہ کرنے کو بہت برا سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ آپؒ مکان شریف تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو مزار پر سجدہ کرتے دیکھا آپ نے غضب ناک توجہ فرمائی تو وہ شخص الٹ کر دور جا گرا آپ جس مزار پر جاتے قبر کو ہاتھ نہ لگاتے چپکے سے کھڑے رہتے یا بیٹھ جاتے شریعت کے خلاف کوئی حرکت دیکھتے تو غصے میں آجاتے۔ آپؒ فرماتے قبر کو ہاتھ لگانے سے کیا ہوتا ہے جب تک دل نہ لگے۔

ایک مرتبہ ایک ڈپٹی کمشنر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو روپے نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے نذرانہ لینے سے انکار کر دیا اور ڈپٹی کمشنر سے فرمایا تو بہت ظالم ہے تیرے نذرانے کی ہمیں ہرگز ضرورت نہیں۔ جس پر ڈپٹی کمشنر نے اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ حضور یہ دو روپے تو میری تنخواہ کے ہیں انہیں قبول فرما لیجئے لیکن آپ نے حق گوئی کا دامن تھام کر چند نصیحتیں کر کے ڈپٹی کمشنر کو چلتا کر دیا۔

آپ مسلمان نوجوانوں کے جب انگریزی پہناوے اور عادات و خصلات کو دیکھتے تو سخت غصے میں آتے اور پوچھتے کیا تمہارے باپ دادا بھی ایسی ہی شکلوں کے مالک تھے پھر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ سکھ دنیا میں جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے گرو اور مذہب کے مطابق پہناوا رکھتے ہیں اور داڑھی اور پگڑی بھی کسی جھجک کے بغیر رکھتے اور پہنتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ مسلمان سنت رسول ﷺ کے مطابق داڑھی رکھنا اور اسلامی لباس پہننا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ایک ایم اے پاس نوجوان سے آپ نے پوچھا تم نے انگریزی کتنے سال پڑھی اس نے جواب دیا 16 سال آپ نے پوچھا بھلا بسم اللہ کے معنی بتاؤ۔ تو نوجوان کا جواب خاموشی میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں بسم اللہ کے معنی بھی نہیں جانتے۔ انگریزی تو بغیر معنوں کے کوئی نہیں پڑھتا لیکن قرآن ہم بغیر مطلب اور ترجمہ سمجھے پڑھ لیتے ہیں محفل میں آنے والے نوجوانوں پر آپ کی باتوں کا اس قدر اثر ہوتا کہ وہ دل سے اپنی اصلاح کا وعدہ کر کے جاتے۔ یہی آپ کی تبلیغ کا طریقہ کار تھا۔

سر محمد شفیع جنہیں انگریزوں نے سر کا خطاب دیا تھا۔ ان کی والدہ آپ کی خالہ تھیں ایک دن آپ نے انہیں فرمایا خالہ اپنے بیٹے کو ولایت بھیج کر تم نے اس کو انگریزی تہذیب کا دلدادہ تو بنا دیا ہے اب اس کی شکل دیکھ کر اسے مسلمان کہتے ہوئے بھی شرم آتی

ہے۔آپ بلا شبہ حق گو تھے اور کسی دنیاوی مرتبے سے نہیں ڈرتے تھے۔اپنے پرائے دیندار' دنیادار' صوفی' فقیر' گدی نشین سب کو شریعت کی پابندی کی ہدایت کرتے۔مولویوں میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کے بارے میں ایک دن اضطراب بھرے لہجے میں کہا کہ ہر مولوی نے اپنی اپنی خواہش کے مطابق قرآن شریف کے معنی گھڑ لئے ہیں اور فرقہ بندی اختیار کر کے اپنی عزت وتوقیر کے درپے ہو کر اصل اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔آپ سیاہ جوتی اور سیاہ لباس سے نفرت فرماتے تھے کہ یہ لباس دوزخیوں کا ہے۔سادے اور سفید لباس کو پسند فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص سرخ رومی ٹوپی پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا صرف ٹوپی عیسائی پہنتے ہیں اور صرف پگڑی یہودی۔پگڑی والے کو آپ ٹوپی دے دیتے اور ٹوپی والے کو پگڑی پہنا دیتے۔دیسی لٹھے کی سلی ہوئی ٹوپیاں ہر وقت آپ کے پاس موجود ہوتیں۔

آپ سچے مسلمان حنفی المذہب تھے۔آپ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ طریقہ سے تھا۔آپ کے عقائد بھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کے تھے۔

حضرت میاں شیر محمدؒ اپنی بیعت کا ذکر یوں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ امیر الدینؒ کوٹلہ شریف والے شرقپور میں آتے تو ہماری مسجد میں تشریف لا کر میرے جدامجد کے پاس ٹھہرتے کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے مجھے بیعت ہونے کی ترغیب دلائی شروع کر دی۔مگر میں نہ مانتا تھا میں دل میں کہتا کہ اس عمر رسیدہ بزرگ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گا مگر حضرت خواجہ امیر الدینؒ میری ہی تاک میں رہتے آخر مجھ پر تصرف فرمایا مجھے مجبوراً بیعت کرنا پڑی۔حضرت خواجہ امیر الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں مراد بھی ہوں اور مرید بھی ہوں۔یعنی چاہا بھی گیا اور چاہتا بھی ہوں۔بیعت کے بعد آپ پر اس طرح

جذبہ طاری ہوگیا کہ دن میں کئی ایک مرتبہ حالت بے خودی میں تڑپتے' لوٹتے اور گریبان چاک کرتے۔ بے قراری کے عالم میں مسجدوں کے دروازوں پر جا کر کھڑے ہو جاتے اور خداوند کریم کو آوازیں دے کر پکارتے جنگلوں میں بھاگ جاتے اور کوئی شخص مل جاتا تو خداوند کریم کا اس سے پتہ پوچھتے کہ تمہیں خدا جل جلالہ ملا ہے یا کہ نہیں۔ آپ کانٹے دار جھاڑیوں میں گھس جاتے۔

اسی طرح جذب کی کیفیت میں آپ قبرستان میں چلے جاتے اگر کوئی ٹوٹی پھوٹی قبر مل جاتی تو اس میں گھس کر پڑے رہتے ایک روز دیکھا تو آپ بازار میں حلوائی کے چولہے میں پڑے ہوئے تھے۔

آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ امیرالدینؒ کوٹلہ شریف والوں نے ایک اجازت نامہ لکھ کر آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔ لیکن آپ نے جواب میں عرض کیا کہ میں خلیفہ بننے کیلئے مرید نہیں ہوا میں تو بندہ بننے کیلئے مرید ہوا تھا غرض کہ اڑھائی برس اسی کشمکش میں گزرے۔ اڑھائی سال بعد حضرت خواجہؒ نے حضرت میاں صاحب کو مخاطب کر کے یوں فرمایا شیر محمدؒ میں تمہارا پیر ہوں۔ میرا حکم ماننا تمہارا فرض ہے پھر آپ نے اجازت نامہ لے لیا۔ خلافت لینے کے بعد ہزاروں لوگ بیعت ہونے کو آتے مگر آپ قبول نہ کرتے کہ میں ابھی اس قابل نہیں ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ایک نوجوان کے ساتھ ہونے والے حادثاتی واقعے کے بعد آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دیا۔

اسی دوران آپ ایک مرتبہ قصور شہر تشریف لے گئے وہاں بارش کیلئے مسلسل تین دن سے نماز استسقا پڑھی جا رہی تھی۔ لیکن بارش نہ ہوئی۔ جونہی آپ قصور پہنچے عقیدت مندوں نے بارش کیلئے دعا کی التجا کی۔ آپ اسی وقت عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اپنا تکیہ منبر سے لگا لیا۔ اس دوران کبھی آپ کے چہرے کی رنگت زرد ہو جاتی۔ کبھی سرخ' آنکھوں کی رنگت تبدیل ہوگئی۔ آپ کے وجود پر نہایت بے قراری کا عالم طاری تھا۔ اسی اثنا میں مشرق

کی طرف سے ایک غبار اٹھا اور چند لمحوں میں ہی اتنی بارش ہوئی کہ علاقے کے تمام جوہڑ اور نالے برساتی پانی سے بھر گئے اور کھیت کھلیان بھی پانی سے سیراب ہو گئے۔

ایک مرتبہ شرقپور میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ ایک آدمی طاعون کی بیماری سے فوت ہو گیا۔ لوگ وحشت زدہ ہو گئے اور میت کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب اس سانحے کی اطلاع آپ کو ملی تو آپ اپنے ہمراہ چند عقیدت مندوں کو لے کر موقع پر تشریف لے گئے۔ خود اس میت کی چارپائی اٹھوائی اگر اس میت کو مسجد میں غسل کیلئے لے جایا جاتا تھا تو لوگ اندر نہ داخل ہونے دیتے۔ جب کنویں پر لے جاتے تو زمیندار لاٹھیاں اٹھا لیتے۔ چنانچہ اس میت کو ایک کھیت میں رکھ کر آپ نے خود غسل دیا۔ جب میت کو غسل دیا جا رہا تھا تو مرنے والے کے عزیز و اقارب دور کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور موت کے خوف سے کوئی قریب نہ آتا تھا۔ غسل کے بعد آپ نے کفن پہنایا پھر اسے چارپائی پر رکھ کر پیشانی پر بوسہ دے کر میت کو لحد میں اتارا۔ یہ واقعہ انسانی ہمدری کی عمدہ مثال ہے۔

ایک مرتبہ ایک اہل حدیث کسی عقیدت مند کے کہنے پر آپ کے پاس شرق پور آیا اور عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت کروں میں نے سنا ہے کہ آپ کبھی کبھی حرم شریف نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا تم کو کس نے یونہی کہہ دیا ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ نماز عشاء کے بعد سو مرتبہ درود شریف خضری پڑھ کر کسی سے کلام کئے بغیر سو جایا کرو۔ انشاء اللہ تم کو گوہر مقصود مل جائے گا۔ اہل حدیث نے میاں صاحبؒ کے کہنے پر عمل کیا نوافل تہجد ادا کرنے کے بعد جائے نماز پر بیٹھا ہوا تھا کہ اسے اونگھ آ گئی۔ اسی دوران وہ اپنے سامنے بیت اللہ کو دیکھتا ہے۔ ان کے سامنے میاں شیر محمدؒ طواف فرما رہے ہیں چنانچہ اہل حدیث بھی میاں صاحبؒ کے تعاقب میں طواف کرنے لگا۔ اہل حدیث نے میاں صاحبؒ سے کچھ پوچھنا چاہا تو میاں صاحبؒ نے انگلی کے اشارے سے منع فرما دیا۔ اسی اثنا میں سرور کائنات فخر موجودات حضور ﷺ دس صحابہ کرام

سمیت تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ سراپا نور تھے۔ آنحضور ﷺ کی زیارت سے اہل حدیث پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوگئی۔ بعدازاں اس نے روضہ اطہر کی زیارت بھی کی۔ پھر میاں صاحبؒ کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر لاہور آ پہنچے۔ آنکھ کھلی تو وہ اہل حدیث اپنے گھر پر موجود تھا۔

وفات سے چند یوم پہلے برادر خورد حضرت میاں غلام اللہؒ کو بلا کر فرمایا گھبرانا نہیں۔ مہمانوں کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا۔ جمعۃ المبارک کی نماز خود پڑھانا وقتاً فوقتاً مسجد میں جا کر نمازیں پڑھنا ساتھ ہی تلقین وارشاد کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔

کچھ عرصہ علالت کے بعد آپؒ 3 ربیع الاوّل 1347 ھجری 20 اگست 1928ء عیسوی بروز پیر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

آپ وقت کے قطب تھے۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا اور آپ سے فیض حاصل کرنے والوں میں گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہؒ بھی شامل تھے جنہوں نے آپ کی نظر کرم سے بہت شہرت پائی۔ آپؒ کو اپنی تعریف ناپسند تھی آپ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی کو خط لکھتے تو نیچے اپنا نام لکھنے کی بجائے ''فقط اللہ'' لکھ دیتے۔ فرماتے جس نے فنا ہونا ہے اس کا بھی کوئی نام ہے۔ آپؒ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کرامت و کشف کا مجموعہ تھا۔ چلہ کشی ہی آپ کو پسند نہیں تھی اکثر فرماتے کہ اتباع سنت ہی ہمارے لئے کافی ہے آپ نماز جمعہ کی امامت خود فرماتے اور دور دور سے لوگ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے آتے اور مستفید ہوتے۔

آپ نے اشاعت اسلام کی طرف کافی توجہ دی اور بہت سی اہم اسلامی کتب کے قلمی نسخے اپنی نگرانی میں لکھوائے۔ تراجم کروا کر اور طبع فرما کر لوگوں میں تقسیم کیے تاکہ پڑھا لکھا طبقہ دین کی طرف راغب ہو۔ آج بھی آپ کا روضہ اقدس شرقپور شریف میں مرجع خلائق ہے جہاں ہر لمحے عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شمس تبریزؒ کا پورا نام محمد شمس الدین تھا۔ شہر تبریز کے حوالے سے شہرت دوام پائی۔ حضرت شمس تبریزؒ 560ھ میں بمقام سبزوار (عراق) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صلاح الدین محمد نور بخش تھا۔ حضرت شمس تبریزؒ کا سلسلہ نسب براہِ راست حضرت امام جعفر صادقؒ سے ملتا ہے ہوش سنبھالتے ہی حضرت شمس تبریزؒ کو تعلیم وتربیت کیلئے ان کے چچا عبدالهادیؒ کے سپرد کر دیا گیا چچا نے بھتیجے پر بہت محنت کی۔ یہاں تک کہ تفسیر‘ فقہ اور حدیث کے ساتھ دیگر علوم سے بھی آراستہ کر دیا۔

جب 579ھ میں سید صلاح الدین محمد نور بخشؒ دعوت اسلام کیلئے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت شمس تبریزؒ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو حق کی تعلیم دی۔ پھر ’’تبت کوچک‘‘ کی طرف گئے اور سینکڑوں انسانوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ پھر یہاں سے باپ اور بیٹے نے کشمیر کا رخ کیا۔ اس وقت یہاں کے لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت سید صلاح الدینؒ اور حضرت شمس تبریزؒ کی کوششوں سے ہزاروں بت پرستوں نے اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کی ’’چنگڑ‘‘ قوم نے آپ کو بہت پریشان کیا مگر بعد میں یہ لوگ بھی مطیع وفرمانبردار ہو گئے۔

586ھ میں حضرت شمس تبریزؒ والد محترم کے ہمراہ واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ یہاں حضرت شمس تبریزؒ کی شادی ہو گئی۔ آپ کے دو فرزند سید نصیر الدین محمد اور سید علاؤ الدین احمد پیدا ہوئے۔ بعد ازاں سید علاؤ الدین احمدؒ ''زندہ پیر'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حالات وواقعات کے اعتبار سے حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت بہت زیادہ متنازع نظر آتی ہے۔ آپ نے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی اور تمام عمر ایک عجیب اذیت وکرب میں مبتلا رہے۔ بغداد تشریف لے گئے تو مقامی علماء کو آپ کے خیالات سے شدید اختلاف ہو گیا۔ بادشاہ وقت ان علماء کے زیر اثر تھا نتیجتاً حضرت شمس تبریزؒ کو شہر بدر ہونا پڑا ابھی آپ بغداد کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ اچانک بادشاہ کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور دوسرے دن مر گیا۔ بادشاہ کو گماں گزرا کہ شاید یہ المناک واقعہ حضرت شمس تبریزؒ سے بدسلوکی کے باعث رونما ہوا ہے مجبوراً اس نے اپنے مشیران خاص کو حضرت شمس تبریزؒ کی تلاش میں روانہ کرتے ہوئے کہا:

''کوئی بھی صورت ہو انہیں بغداد واپس لاؤ۔''

بادشاہ کا حکم پاتے ہی مشیران خاص برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر دوڑ پڑے۔ حضرت شمس تبریزؒ ابھی بغداد کے نواح میں ہی مقیم تھے کہ شاہی قاصدوں نے انہیں جا لیا اور پھر دست بستہ عرض کیا۔ ''حضور! آپ بغداد واپس تشریف لے چلیں۔''

شاہی کارندوں کی درخواست سن کر حضرت شمس تبریزؒ کے چہرے پر اذیت کا رنگ ابھر آیا۔ ''کل جس جگہ سے مجھے ذلیل کر کے نکالا گیا تھا آج اسی مقام پر واپس جانے کیلئے کہہ رہے ہو؟ آخر تم لوگوں پر کیا افتاد پڑی ہے کہ مجھ خانہ بدوش کا خیال آ گیا۔''

''ہمارے بادشاہ کا یہی حکم ہے۔'' شاہی کارندوں نے خوشامدانہ لہجے میں عرض

کیا۔

"میں تو بس ایک بادشاہ کا حکم مانتا ہوں۔" حضرت شمس تبریزؒ نے بے نیازانہ کہا۔ "باقی بادشاہوں کو میں نہیں جانتا۔"

حضرت شمس تبریزؒ کے انکار سے صورتحال بگڑ گئی۔ شاہی کارندے ایک مرد قلندر کے قدموں سے لپٹ گئے اور بہت دیر تک عاجزی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ آخر حضرت شمس تبریزؒ کو ان لوگوں پر رحم آ گیا۔ پھر یہ کہتے ہوئے شاہی کارندوں کے ساتھ ہو گئے۔ "چلو! تمہارے کہنے سے چلتا ہوں مگر بغداد کے لوگ زیادہ دن تک مجھے برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

جب حضرت شمس تبریزؒ شاہی محل میں پہنچے تو وہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ تمام درباری سیاہ لباس پہنے ہوئے اپنے ولی سلطنت کی موت کا سوگ منا رہے تھے۔ بادشاہ بڑے احترام کے ساتھ پیش آیا مگر اس کے چہرے پر غم واندوہ کا دھواں پھیلا ہوا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"یہ سب کچھ کیا ہے؟" حضرت شمس تبریزؒ نے بادشاہ سے دریافت کیا۔ "پورا شہر ماتم کدہ کیوں بنا ہوا ہے؟ کچھ دن پہلے جب میں یہاں سے گیا تھا تو بغداد کے درودیوار کیف ونشاط سے جھوم رہے تھے مگر آج یہاں قبرستان جیسا سناٹا ہے۔"

بادشاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے حضرت شمس تبریزؒ کو ساتھ لے کر اس کمرے میں پہنچا جہاں اس کے محبوب بیٹے کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ حضرت شمس تبریزؒ نے سوالیہ نظروں سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔

"یہ میرے جواں مرگ بیٹے کی میت ہے۔" بادشاہ نے نمناک آنکھوں اور لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کے بغداد سے جاتے ہی یہ اچانک بیمار ہوا اور دیکھتے ہی

دیکھتے آغوش فنا میں چلا گیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی گستاخی کا شاخسانہ ہے جو میں نے آپ کی شان میں روا رکھی تھی۔''

حضرت شمس تبریزؒ مسکرانے لگے۔''درویش کے ساتھ لوگ گستاخی سے پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ مجھے آپ سے بھی کوئی شکایت نہیں۔''

بادشاہ بہت دیر تک معذرت طلب کرتا رہا۔

''میں نے گزشتہ باتوں کو فراموش کر دیا۔'' حضرت شمس تبریزؒ نے اسی بے نیازی کے ساتھ کہا۔''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دل آزاری کے سبب میرا بیٹا اس انجام تک پہنچا ہے۔''شدت غم سے بادشاہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''فی الواقع اگر یہی بات ہے تو آپ کے بیٹے کو سزا کیوں ملی؟ گناہ تو آپ نے کیا تھا۔'' حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا۔

''ممکن ہے کہ قدرت نے میرے لئے یہی سزا منتخب کی ہو کہ میں تمام عمر بیٹے کی جدائی میں تڑپتا رہوں۔'' بادشاہ کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آ گئی تھی۔

''اللہ اپنے رازوں کو خود ہی بہتر جانتا ہے میں آپ کیلئے کیا کر سکتا ہوں۔؟'' حضرت شمس تبریزؒ نے حاکم بغداد سے سوال کیا۔

''میری درخواست ہے کہ آپ میرے بیٹے کے حق میں دعائے خیر فرما دیں۔'' بادشاہ نے بڑے عاجزانہ لہجے میں عرض کیا۔''ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعاؤں سے میرے بیٹے کو نئی زندگی مل جائے۔''

''ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔'' حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا۔''پھر بھی تمہاری تالیف

قلب کیلئے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حضرت شمس تبریزؒ نے آنکھیں بند کر لیں پھر آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "اے اللہ! اگر تو نے اس لڑکے پر میری دل آزاری کے باعث موت مسلط کر دی ہے تو میں اسے معاف کرتا ہوں تو بھی اس عاجز بندے محمد شمس الدین کی خاطر اپنے بے پناہ اور بے مثال فضل و کرم کا مظاہرہ کر! اور اس بچے کو معاف فرما دے۔"

ابھی ایوان شاہی کے ایک کمرے میں حضرت شمس تبریزؒ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ شہزادے کے جسم کو جنبش ہوئی پھر وہ اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیرت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

بادشاہ بغداد کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں کھڑا رہا کبھی وہ حضرت شمس تبریزؒ کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنے پیارے بیٹے کی طرف' جو وادی فنا میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں لوٹ آیا تھا یکا یک شاہ بغداد کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں یہ خوشی اور عقیدت کے آنسو تھے پھر فرمانروائے بغداد حضرت شمس تبریزؒ کے قدموں میں جھک گیا۔ "یہ سب کچھ آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"ہرگز نہیں! حضرت شمس تبریزؒ نے شاہ بغداد کو کہا۔ "یہ تو اس قادرِ مطلق کی کرم نوازی کا ادنیٰ سا مظاہرہ ہے جو اپنی ذات میں لاشریک ہے بس اسی کا شکر ادا کرو اور اسی کی تسبیح بیان کرو۔"

یہ حضرت شمس تبریزؒ کی بڑی کرامت تھی مگر یہی کرامت ان کیلئے وبالِ جان بن گئی۔ جب علمائے بغداد کو حضرت شمس تبریزؒ کی واپسی اور شہزادے کے زندہ ہونے کی خبر ملی تو وہ دوبارہ ایک نئے منصوبے کے ساتھ اس مرد قلندر کے خلاف صف آراء ہو گئے کہا گیا کہ یہ شعبدہ بازی ہے اور اسلام میں شعبدہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔

شاہ بغداد نے بڑے دلائل کے ساتھ حضرت شمس تبریزؒ کا دفاع کیا۔ ''اگر یہ شعبدہ بازی ہے تو پھر آپ میں سے کوئی شخص بغداد کے عوام کے سامنے ایسا کوئی مظاہرہ پیش کر دے پھر میں سمجھ لوں گا کہ حضرت شمس تبریزؒ شعبدہ باز ہیں۔''

''ہم اہلِ ایمان ہیں اور ہمیں شعبدہ بازی سے کوئی نسبت نہیں۔'' علمائے بغداد نے بیک زبان کہا۔ ''شمس تبریز نے پہلے اپنی ساحرانہ قوتوں سے شہزادے کو بے ہوش کر دیا پھر خود ہی جادو کے اثرات کو زائل کر دیا۔ نتیجتاً شہزادہ ہوش میں آ گیا اور سادہ لوح عوام سمجھنے لگے کہ ولی عہد سلطنت ایک مرد خدا کی دعاؤں سے دوبارہ زندہ ہو گیا۔ یہ سب فریب نظر ہے اسی کو شعبدہ بازی کہتے ہیں اور اسی کا نام جادوگری ہے۔ اگر وہ شخص ایسا ہی مستجاب الدعوات ہے تو پھر کسی قبرستان میں جا کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دے اور ان مردوں کو زندہ کر دے جو برسوں سے گہری نیند سو رہے ہیں۔''

عجیب کج بحثی کی فضا تھی شاہ بغداد نے حضرت شمس تبریزؒ کی بہت حمایت کی مگر علمائے بغداد یہی کہتے رہے۔ ''یہ ایک ساحر ہے اور اسلام میں ساحری حرام ہے۔'' بالآخر ایک طویل بحث کے بعد علمائے بغداد نے حضرت شمس تبریزؒ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور مطالبہ کیا کہ ان کی کھال کھنچوا کر بغداد سے باہر نکال دیا جائے۔

بغداد کے تمام ارکین سلطنت بھی علماء کے ہم نواز ہو گئے۔ انجام کار بادشاہ کی مرضی کے خلاف بھرے مجمع میں حضرت شمس تبریزؒ کی کھال کھینچ لی گئی اور اس حالت میں بغداد سے نکال دیا کہ پورا جسم لہولہان تھا ولی عہد سلطنت شہزادہ محمد کو حضرت شمس تبریزؒ سے بہت عقیدت تھی جب آپ شہر بدر ہوئے تو شہزادہ محمد بھی آپ کے ہمراہ تھا رخصت ہوتے وقت اس نے اپنے امرائے سلطنت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''جس ملک میں حضرت شمس تبریزؒ جیسے صاحب کمال کے ساتھ یہ سلوک کیا

جائے وہ ایک لعنت کدہ ہے اور میں اس لعنت کدے میں سانس لینا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"
یہ کہہ کر شہزادہ محمد حضرت شمس تبریزؒ کے ساتھ بغداد کی حدود سے نکل گیا۔

بغداد سے نکل کر حضرت شمس تبریزؒ نے ہندوستان کا رخ کیا اور طویل مسافت طے کر کے ملتان پہنچے اور پھر اسی تاریخی شہر میں سکونت پذیر ہو گئے اس وقت مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی حیات تھے۔ جب آپ کو حضرت شمس تبریزؒ کی آمد کی اطلاع ملی تو شیخ نے ان کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا۔

حضرت شمس تبریزؒ نے بڑے احترام کے ساتھ پیالہ لے لیا اور پھر اس میں گلاب کا پھول ڈال کر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خادم کو واپس کر دیا۔ بعض اہل تصوف نے اس واقعے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دودھ کا لبریز پیالہ بھیجنے سے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی مراد یہ تھی کہ ملتان میں اب کسی دوسرے درویش کی گنجائش نہیں۔ جواب میں حضرت شمس تبریزؒ نے دودھ کے پیالے میں گلاب کا پھول ڈال دیا اس سے ان کا مقصد تھا کہ وہ ملتان میں پھول بن کر رہیں گے یعنی ان کی ذات سے کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ حضرت شمس تبریزؒ اپنے عہد پر قائم رہے مگر ملتان کے لوگوں نے بھی اہل بغداد کی طرح آپ کی شدید مخالفت کی۔ ایک بار یوں ہوا کہ حضرت شمس تبریزؒ کو گوشت بھوننے کیلئے آگ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے شہزادہ محمد کو آگ لانے کیلئے بھیجا مگر پورے شہر میں کسی نے بھی آگ نہیں دی۔ ایک سنگدل شخص نے اس وجہ سے شہزادے کو اتنا مارا کہ اس کے دلکش چہرے پر زخموں کے نشانات ابھر آئے۔

"یہ کیا ہے؟" حضرت شمس تبریزؒ نے شہزادے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو آگ لینے گئے تھے۔"

شہزادہ محمد نے پورا واقعہ سنایا تو حضرت شمس تبریزؒ کو جلال آ گیا آپ نہایت غصے کی

حالت میں اپنی خانقاہ سے نکلے۔ گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ پھر حضرت شمس تبریزؒ نے آسمان پر نظر کر کے سورج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تو بھی شمس! میں بھی شمس! میرے اس گوشت کے ٹکڑے کو بھون دے۔''

اتنا کہنا تھا کہ یکا یک گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا پھر یہ گرمی اتنی بڑھی کہ اہل ملتان چیخ اٹھے در و دیوار جل رہے تھے اور پورا شہر آگ کی بھٹی بن کر رہ گیا تھا۔

کچھ باخبر لوگوں نے یہ صورتحال دیکھی تو حضرت شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ ''کیا چند نادانوں کے جرم کی سزا پورے شہر کو دے ڈالیں گے۔''

''یہ نادان نہیں سفاک ہیں۔'' حضرت شمس تبریزؒ نے غضب ناک لہجے میں فرمایا۔ ''آگ جیسی بے قیمت چیز نہیں دے سکے میرے محبوب کے چہرے کو زخموں سے سجا دیا۔ آخر کیا جرم تھا اس کا؟ جانتے ہو یہ کون ہے؟ بغداد کا شہزادہ ہے۔ میری خاطر بھیک مانگنے گیا لیکن اس کو شہر والوں سے زخم ملے۔ میں اس کے زخموں کو کیسے بھول سکتا ہوں؟ جب تک سارے شہر کے جسم آبلوں سے نہیں بھر جائیں گے اس وقت تک مجھے قرار نہیں آئے گا۔''

''یہ آپ کے مقام سے واقف نہیں۔ خدا کیلئے انہیں معاف فرما دیجئے۔'' ملتان کے دانائے راز حضرات نے اپنے ہم وطنوں کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ بات آپ جیسے بزرگ کے شایانِ شان بھی نہیں۔''

''خیر! جب خدا کو درمیان میں لے آئے ہو تو معاف کئے دیتا ہوں۔'' حضرت شمس تبریزؒ نے مقامی لوگوں کی جماعت سے فرمایا اور پھر سورج سے مخاطب ہوئے۔ ''اپنی حرارت کم کر دے۔ معلوم نہیں یہ لوگ روز حشر کی گرمی کو کیسے برداشت کریں گے؟'' آپ کا

یہ فرمانا تھا کہ سورج کی حرارت اعتدال پر آ گئی۔

لوگ اب بھی ملتان کی گرمی کو اسی واقعے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

حضرت شمس تبریزؒ بابا کمال جندیؒ کے مرید ہوئے لیکن عام صوفیوں کی طرح "پیری مریدی" اور "بیعت وارادت" کا طریقہ اختیار نہیں کیا سوداگروں کے انداز میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے جہاں جاتے کسی سرائے میں ٹھہرتے اور پھر ایک گوشہ پکڑ کر مراقبے میں مصروف ہو جاتے۔

حضرت شمس تبریزؒ کا ذریعہ معاش مزدوری تھا آپ ازار بند بنتے تھے اور اسی کو فروخت کر کے روزی حاصل کرتے تھے ایک بار مناجات کے وقت یہ دعا مانگی۔

"الٰہی! کوئی ایسا بندۂ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔"

عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم چلے جاؤ وہاں تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔

حضرت شمس تبریزؒ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچے تو رات کا وقت ہو چکا تھا۔ صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ تھا شہر کے اکثر امراء اور صاحبان ثروت تفریح کیلئے اسی چبوترے پر آ بیٹھتے تھے حضرت شمس تبریزؒ بھی ایک گوشے میں بیٹھ جاتے اور خاموشی سے آنے جانے والوں کو دیکھتے رہتے۔ ایک دن مولانا جلال الدین رومیؒ اسی راستے سے گزرے تو حضرت شمس تبریزؒ چونک اٹھے۔ مولانا کے ہزاروں شاگرد تھے جو ہاتھ باندھے اور نظریں جھکائے اپنے استاد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی شہنشاہ کی سواری گزر رہی ہو۔

حضرت شمس تبریزؒ کے دل سے آواز آئی۔ "یہی ہے وہ مرد خاص جو تیری صحبت کا متحمل ہو سکتا ہے۔"

جب مولانا جلال الدین رومیؒ چلے گئے تو حضرت شمس تبریزؒ نے کسی مقام

باشندے سے پوچھا۔ ''یہ صاحب کون ہیں جو ابھی یہاں سے گزرے ہیں بڑی شان ہے ان کی۔

''یہ مولانا جلال الدین رومیؒ ہیں۔'' بتانے والے نے کہا۔ ''یہاں کے سب سے بڑے عالم کوئی شخص ان کے علم وفضل کی ہمسری نہیں کرسکتا۔''

حضرت شمس تبریزؒ نے اسی شخص سے مولانا رومؒ کی خانقاہ کا پتہ پوچھا اور دوسرے دن مولاناؒ کے کتب خانے میں جا پہنچے۔

مولانا کا کتب خانہ نادرو نایاب تصنیفات کا بیش قیمت خزانہ تھا۔ مولانا رومؒ اس وقت کتب خانے میں شاگردوں کو درس دے رہے تھے اچانک ایک اجنبی شخص اجازت کے بغیر کتب خانے میں چلا آیا۔ اجنبی نے آتے ہی اہل مجلس کو سلام کیا پھر حاضرین کی صفوں سے گزرتا ہوا مولانا رومؒ کے قریب جا بیٹھا۔ مولانا کے شاگردوں کو اجنبی کی یہ بے تکلفانہ ادا سخت ناگوار گزری لیکن استاد کے احترام کے باعث انہوں نے اجنبی کو کچھ نہ کہا مولانا روم کو بھی اس اجنبی کی یہ حرکت اچھی نہ لگی۔ لیکن انہوں نے بھی خاموشی بہتر سمجھی۔ مولانا رومؒ کا درس جاری تھا لیکن اجنبی کو درس سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ بار بار قیمتی کتابوں کے ذخیرے کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے ضبط نہ ہوا وہ درس کے دوران ہی بول اٹھا۔

مولانا! یہ کیا ہے اجنبی نے کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

مولانا رومؒ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا آپ کو اجنبی کی جاہلانہ مداخلت سے اذیت ہوئی لیکن مولانا نے اپنے جذبات پر قابو پالیا۔ پھر اجنبی سے مخاطب ہو کر فرمایا ذرا صبر کرو اپنا کام مکمل کرلوں پھر تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ اس کے بعد اجنبی نے دوبارہ کوئی سوال نہ کیا اور مسلسل کتب خانے کو دیکھنے لگا۔

درس ختم ہونے کے بعد مولانا اجنبی کی طرف متوجہ ہوئے جس کی ناشائستہ

حرکات نے حاضرین مجلس کو اذیت میں مبتلا کیا تھا۔

''آپ کون ہیں اور یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں'' مولانا نے اجنبی شخص سے مخاطب ہوکر پوچھا۔

''مولانا! آپ میرے بارے میں دریافت نہ کریں کہ میں کون ہوں اور یہاں کس لئے آیا ہوں؟'' اجنبی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ بس مجھے میرے سوال کا جواب چاہئے یہ کیا ہے۔ اجنبی کا اشارہ کتابوں کی طرف تھا۔

یہ سن کر مولانا کا لہجہ تلخ ہوگیا انہوں نے اجنبی سے فرمایا تمہاری بینائی کمزور ہے۔

ہرگز نہیں۔ اجنبی نے اسی بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ میں تو بہت دور تک دیکھ سکتا ہوں۔ پھر تمہیں نظر نہیں آتا کہ یہ کیا ہے؟'' مولانا نے جھنجلاہٹ کا شکار ہوتے ہوئے کہا۔

مجھے تو بہت کچھ نظر آرہا ہے لیکن میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ اجنبی نے ایک بار پھر اپنا سوال دھرایا۔

مولانا رومؒ کا لہجہ مزید تلخ ہوگیا اور فرمایا ''یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے۔''

مولاناؒ کا جواب سن کر اجنبی کھڑا ہوگیا پھر اس نے کتابوں کی طرف اشارہ کیا اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''اچھا یہ وہ ہے جسے میں نہیں جانتا'' ابھی اجنبی کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ یکا یک کتب خانے میں آگ بھڑک اٹھی اور مولانا رومؒ کی نادر و نایاب کتابیں آگ میں جلنے لگیں۔ یہ سب کچھ اس قدر ناقابل یقین تھا کہ مولانا روم دم بخود رہ گئے اور حاضرین پر بھی سکتہ طاری ہوگیا۔

اجنبی بے نیازی سے آگے بڑھا۔ مولانا نے پکار کر کہا ''اے شخص! یہ کیا ہے؟ مولانا نے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اجنبی مسکرایا۔ مولانا یہ وہ ہے جسے آپ نہیں جانتے اتنا کہہ کر اجنبی واپس جانے لگا۔ مولانا کے ہونٹوں سے سرد آہ نکلی۔ ہائے میرے نادر و نایاب کتابیں۔ اے شخص! تیری وجہ سے سب کچھ راکھ ہو گیا۔

اجنبی جاتے جاتے رک گیا پھر مڑ کر مولانا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے تو پھر میں تمہیں کتابیں واپس کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور آگ کے بھڑکتے شعلے یکدم بجھ گئے اور آگ کا کہیں نام و نشان نہ رہا۔ اس کے بعد اجنبی کچھ کہے بغیر تیزی سے چلا گیا۔

اجنبی کے جانے کے بعد کچھ دیر تک مولانا حیرت زدہ رہے پھر اپنی کتابوں کی طرف بڑھے آپ کا خیال تھا کہ کچھ کتابیں جل چکی ہوں اور کچھ باقی ہوں گی۔ لیکن حاضرین سمیت سب کو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ کتابوں کا ایک ایک ورق اور ایک ایک لفظ بالکل صحیح سلامت تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کتب خانے میں آگ لگی ہی نہیں۔ مولانا نے اجنبی کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں بھی نہ ملے۔ جس طرح پر اسرار انداز میں آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔ اس اجنبی کا نام حضرت شمس تبریزؒ تھا۔ جنہوں نے ایک ہی ملاقات میں مولانا رومؒ جیسے نابغہ روزگار عالم کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ اور مولانا کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ مولانا اپنی روش ہی بھول گئے۔ کتب خانہ بند کر دیا گیا۔ درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب مولانا رومؒ کو صرف ایک کام تھا کہ وہ ہر لمحے حضرت شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

ایک دن حضرت شمس تبریزؒ نے مولانا رومؒ سے پوچھا۔

''حضرت بایزید بسطامیؒ کے ان دونوں واقعات میں کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے۔ ایک طرف تو حضرت بایزیدؒ کا یہ حال تھا کہ آپ نے اس خیال سے زندگی بھر خربوزہ نہیں کھایا

کہ پتا نہیں، سرور کونین ﷺ نے اسے کس طرح کھایا ہے؟ دوسری طرف اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ "اللہ اکبر! میری شان کس قدر بڑی ہے؟" حالانکہ حضور اکرم ﷺ تمام تر عظمتوں اور بزرگیوں کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ "میں دن بھر میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔"

جواب میں مولانا رومؒ نے فرمایا۔ "اگرچہ حضرت بایزید بسطامیؒ بہت پائے کے بزرگ تھے لیکن مقام ولایت میں وہ ایک خاص درجے پر ٹھہر گئے تھے اور اس درجے کی عظمت کے زیر اثر ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے اس کے برعکس رسالت مآب منزل تقرب میں برابر ایک پائے سے دوسرے پائے پر چڑھتے جاتے تھے۔ اس لئے جب بلند پائے پر پہنچتے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا تھا کہ اس لئے استغفار کرتے تھے۔"

مولانا رومؒ کا جواب سن کر حضرت شمس تبریزؒ بہت خوش ہوئے۔

بغداد کے شہزادے محمد کی طرح مولانا رومؒ بھی حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت کے اسیر ہو گئے پھر یہ اسیری اس قدر بڑھی کہ مولانا رومؒ ساری دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ مولانا کے شاگرد اور اہل خانہ حضرت شمس تبریزؒ کو جادوگر کہہ کر پکارنے لگے۔ یہ تمام باتیں کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھیں۔ حضرت شمس تبریزؒ اس صورتحال کو زیادہ دن برداشت نہ کر سکے۔۔۔ اور پھر ایک رات جب تمام لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے حضرت شمس تبریزؒ خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل گئے۔

صبح جب مولانا رومؒ بیدار ہوئے تو اپنے پیرومرشد کو نہ پا کر مولانا کے دل پر قیامت گزر گئی۔ دیوانہ وار ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے شہر کا گوشہ گوشہ چھان مارا مگر حضرت شمس تبریزؒ قونیہ کی حدود سے بہت دور جا چکے تھے۔ مولانا رومؒ کے شاگرد اور اہل خانہ حضرت شمس تبریزؒ کی روپوشی سے بہت خوش تھے۔ وہ لوگ برملا کہا کرتے تھے۔

''خدا کا شکر ہے کہ وہ جادوگر یہاں سے چلا گیا۔اب مولانا اس کے طلسم سے آزاد ہو جائیں گے۔''

حضرت شمس تبریزؒ کی گمشدگی کے بارے میں صرف ایک شخص سپہ سالار نے جو مولانا رومؒ کی خدمت میں چالیس سال گزار چکے تھے لکھا ہے کہ وہ فتنے کے خوف سے شب کی تاریکی میں کہیں چلے گئے تھے اس کے برعکس تمام تذکرہ نویسوں نے یہ المناک حقیقت بیان کی ہے کہ جب مولانا رومؒ حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات کرنے کے بعد ساری دنیا کو فراموش کر بیٹھے تھے اس دور میں مولانا کے بعض انتہا پسند مریدوں نے حسد کی وجہ سے حضرت شمس تبریزؒ کو قتل کر دیا تھا۔

اخبار الصالحین کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت شمس تبریزؒ مولانا رومؒ کے ہاں خلوت میں بیٹھے تھے کہ کسی نے باہر نے آواز دے کر آپ کو بلایا حضرت شمس تبریزؒ نے مولانا رومؒ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''وہ مجھے قتل کرنے کے لئے بلاتے ہیں۔''

ابھی مولانا جلال الدین رومیؒ صورتحال کو سمجھ بھی نہیں پائے تھے کہ حضرت شمس تبریزؒ اٹھ کر باہر چلے گئے۔سات افراد آپ کے انتظار میں کھڑے تھے جیسے ہی حضرت شمس تبریزؒ باہر تشریف لائے ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا قتل ہوتے وقت حضرت شمس تبریزؒ نے اس قدر زور سے نعرہ مارا کہ ساتوں آدمی بے ہوش ہو گئے۔پیرومرشد کی چیخ سن کر جب مولانا رومؒ خلوت کدے سے باہر آئے تو حضرت شمس تبریزؒ کی لاش موجود نہیں تھی۔صرف خون کے چند قطرے فرش پر موجود تھے۔حضرت شمس تبریزؒ کے قاتلوں میں مولانا رومؒ کا بیٹا علاؤالدین محمد بھی شامل تھا۔اس واقعہ کے بعد مولانا رومؒ نے زندگی بھر اس بیٹے کا منہ نہیں دیکھا پھر کچھ دن بعد علاؤالدین محمد ایک عجیب وغریب بیماری میں مبتلا ہو گیا۔بیماری کے

دوران اس نے عزیزوں کے ذریعے مولانا رومؒ سے معافی طلب کی مگر مولانا نے اسے معاف نہیں کیا پھر کچھ دن بعد علاؤالدین محمد شدید اذیت و کرب کے عالم میں مر گیا۔ مولانا رومؒ نے اس کے جنازے میں بھی شرکت نہ کی۔ حضرت شمس تبریزؒ کے قتل کا یہ واقعہ 645ھ میں پیش آیا۔

اس سلسلے میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کو قتل کر کے آپ کی لاش کے ٹکڑے ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے کچھ دن بعد مولانا رومؒ کے دوسرے فرزند سلطان ولد کو خواب میں بشارت ہوئی حضرت شمس تبریزؒ فرما رہے تھے۔

''میرے جسم کے ٹکڑوں کو کنویں سے نکال کر مدرسے کے بانی امیر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دو۔'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے اور پھر آپ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

پھر وہ کون سے شمس تبریزؒ ہیں جو ملتان میں مدفون ہیں بیشتر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وہی شمس تبریزؒ ہیں جو مولانا جلال الدین روم کے پیر و مرشد تھے۔ پھر قونیہ میں کون قتل ہوا؟

روایتوں کے ہزار اختلافات کے باوجود حضرت شمس تبریزؒ مولانا رومؒ سے ایک بار بچھڑے تو پھر دوبارہ نہیں ملے۔ اگرچہ دونوں بزرگوں کی یہ ملاقاتیں زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکیں لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ چند مہینوں میں ظہور پذیر ہو گیا۔ حضرت شمس تبریزؒ کی ایک نگاہ کا یہ اثر تھا کہ مولانا رومؒ جیسے نادر روزگار عالم آخری سانس تک اس مرد قلندر کی شخصیت کے طلسم سے آزاد نہ ہو سکے۔

حضرت شیر محمد المعروف دیوان چاولی مشائخ ؒ

(بورے والا)

حضرت حاجی شیر محمد دیوان چاولی مشائخ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار بورے والا ضلع وہاڑی سے گیارہ میل جنوب مشرق میں چک نمبر 317-ای بی میں واقع ہے۔ جسے اب حضرت دیوان چاولی رحمتہ اللہ علیہ کی مناسبت سے دیوان چاولی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بعض تاریخی کتابوں میں اس قصبے کا نام موسی وال بھی درج ہے۔ لیکن مشہور ماہر آثار قدیم کے مطابق چونکہ یہ قصبہ کسی قدیم شہر کے ملبے پر آباد ہے اسی حوالے سے یہاں سے ملبہ اور مٹی ڈھونے کا کام گدھوں پر کیا جاتا تھا۔ اس لیے بار برداری کی مناسبت سے اس بستی کو کھوتو وال کے لقب سے بھی پکارا جانے لگا۔ کھوتو وال وہی قصبہ ہے جہاں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے والدین افغانستان سے ہجرت کر کے قیام پذیر ہوئے اور آپؒ کے والد گرامی حضرت جمال الدین سلیمانؒ کو یہاں کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ پھر حضرت بابا فریدؒ کے والدین نے یہیں پر وفات پائی اور ان دونوں کے مزارات اسی قصبے میں موجود ہیں۔

آپ کا اسلامی نام تو شیر محمد تھا لیکن چاولی مشائخ کے بارے میں کئی روایتیں تاریخ میں موجود ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق چاولی ''چاولہ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو کمبوہ ذات کی بگڑی ہوئی شاخ ہے۔ قبول اسلام سے پہلے آپ کا نام رائے چاولہ ہی لیا جاتا رہا ہے۔ ہندی زبان میں ''چاولی'' چاؤ کی ہی ایک صورت ہے جس کا مطلب پیار محبت ہے لیکن مستند روایتوں کے مطابق اصل لفظ ''چاہ ولی'' ہی ہے جسے عوام الناس نے چاولی کہنا شروع کر دیا۔ یہاں ایک کنواں بھی موجود ہے جہاں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے نماز معکوس ادا فرمائی تھی لیکن کچھ تاریخ دان چاولی سے چار ولی مطلب لیتے ہیں۔ کیونکہ یہاں چار ولیوں کے آنے اور

چلہ کاٹنے کا ذکر تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔ ان چار ولیوں میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت جلال الدین شیر شاہؒ اور حضرت عثمان مروندی لال شہباز قلندر شامل ہیں۔ یہاں سکھ مذہب کے بانی گورونانک بھی اکتساب فیض کے لئے آتے رہے بہر کیف حضرت حاجی شیر محمد دیوان چاولی مشائخ 30 ہجری بمطابق 51-650 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے آپ کا نام رائے چاولہ تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق آپ کا نام مہاں چاور تھا مگر قبول اسلام کے بعد شیر محمد کہلائے۔ آپ کے والد رائے لکھمن راجپوت قوم ڈھوڈھی کے سردار تھے۔ راجہ ہسپال یا مہی پال، بدھ مت کے پیروکار اور مہاراجہ سندھ کے تعلقدار تھے اس راجہ کی ایک رانی ضلع قصور کی تحصیل چونیاں کی رہنے والی تھی۔ اسی رانی کے بطن سے آپؒ پیدا ہوئے۔ آپ کی ایک بہن کنگن بھی تھی۔ انہی کی مناسبت سے ضلع قصور کے نواح میں کنگن پور کا قصبہ آباد ہے۔

منشی حکم چند نے اپنی کتابوں میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبول اسلام سے قبل بھی آپ نہایت عابد اور صالح انسان تھے۔ انہی دنوں والی سندھ اور اہل اسلام کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی جس میں والی سندھ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا چونکہ آپؒ بھی اس جنگ میں شریک تھے اس لیے قیدی بنا کر آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

سرزمین عرب میں آپ دین حق کی سچائی سے متاثر ہوئے۔ اس وقت مدنیہ منورہ میں حضرت امام حسنؓ حیات تھے انہوں نے حضرت حاجی شیر محمدؒ کو کلمہ توحید پڑھایا اور اسلام کے بارے میں آپ کی رہنمائی فرمائی۔ بعدازاں آپ کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد آپ نے حج کیا اور گردونواح کے علاقوں کی سیاحت کی۔ پھر آپ حضرت اویس قرنیؒ کے مزار پر حاضری دی چند روز اعتکاف کر کے وہاں سے فیض روحانی حاصل کیا بعدازاں جب محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو سزا دینے کے لیے دیبل کی بندرگاہ پر حملہ آور ہونے کے لیے فیصلہ کیا تو آپؒ نے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے 711ء بمطابق 93 ہجری میں دیبل پر حملہ کیا تو راجہ داہر مقابلے کے لیے نکلا لیکن شکست کھا کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ دیبل فتح ہو گیا لیکن مزید فتوحات کے لیے

لشکر اسلام کی پیش قدمی جاری رہی۔ حتیٰ کہ ملتان اور گردونواح کا علاقہ جس میں قلعہ کھوتو وال بھی شامل تھا۔ فتح ہو گیا مسلمانوں کی اس یلغار میں حضرت حاجی شیر دیوانؒ بھی شریک تھے انہوں نے لشکر اسلام کی طرف سے جرات و بہادری کے بہت جوہر دکھائے۔ کھوتو وال پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد آپؒ نے اپنے آبائی قصبے میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے حسن اخلاق کی ہر طرف شہرت ہوئی تو لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہونے کے لیے آپ کے در پر حاضر ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو کر لشکر اسلام کا حصہ بننے لگے۔ آپ کے برادران اور خاندان کے دوسرے افراد ابھی تک ہندو ہی تھے۔ آپؒ کے مسلمان ہونے کا انہیں بہت رنج تھا۔ چنانچہ مذہبی تعصب کا شکار ہو کر انہوں نے 27 رمضان المبارک 748 عیسوی 131 ہجری کو آپ کو اس وقت شہید کر دیا۔ جب آپ نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ آخری نماز پڑھتے وقت...... آپ نے جو چوبی عصا زمین میں گاڑا تھا منی کے نام سے مشہور ہوا اور آپ کی جائے شہادت کی نشاندھی کرتا ہے بعد میں خاندان والوں کو اپنے کئے پر سخت ندامت ہوئی اور وہ سب مسلمان ہو گئے یوں قلعہ کھوتو وال کے سبھی لوگ مسلمان ہو گئے

آپ کی بہن ''کنگن برس'' آپ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکیں۔ اور بھائی کی قبر کے ساتھ زندہ زمین میں دفن ہو گئیں۔ ''کنگن برس'' کی قبر کو ایک چوبی پنجرے سے محفوظ کر دیا گیا جس پر ہر وقت سبز کپڑا پڑا رہتا ہے یہ اہتمام غالباً بہن کی پردہ داری کے لیے ہے۔ تاکہ ان کی قبر غیر محرموں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔

آپؒ صاحب کشف کرامات تھے۔ بابا گورونانک سمیت بہت سے ولیوں نے آپ کی درگاہ سے اکتساب فیض کیا۔ فیض حاصل کرنے والوں میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی' حضرت جلال الدین شیر شاہؒ (جن کا دربار اب بھی اسی بستی میں موجود ہے) حضرت عثمان مروندی شہباز قلندرؒ ' حضرت بابا فریدؒ کے والدین بھی شامل ہیں۔ محمد مراد کھرل جو موقع نور شاہ کا رہنے والا تھا انہوں نے یہاں اعتکاف کیا حضرت حاجی شیرؒ نے خواب میں آ کر انہیں ہدایت فرمائی کہ اسم ''ھواللہ الذی لا الہ الاھو'' کو اس طرح پڑھا کرو کہ ''ھو''

کوسانس ختم ہونے تک کھینچو؛اس سے قلب منور ہو جائے گا۔ چنانچہ آپؒ کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے سے محمد مراد کھرل کا قلب منور ہو گیا آپ کی کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کی درگاہ پر آنے والے دماغی مریض چند دنوں میں آپ کی دعا اور نظر کرم سے ٹھیک ہو جاتے ہیں درگاہ سے کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک کھلا میدان ہے جہاں آج بھی درجنوں لوگ سنگلوں اور زنجیروں سے بندھے نظر آتے ہیں جن کے قریب ہی ان کے عزیز و اقارب بیٹھے ہوتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد جن سنگلوں میں دماغی مریض کو جکڑا ہوتا ہے وہ خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں اور مریض بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے 1001ء میں جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے آپ کی اولیائی کا شہرہ سنا۔ اور درگاہ پر حاضر ہوا۔ قبر مبارک پر شاندار روضہ تعمیر کروانے کا حکم دیا چنانچہ اس وقت 25 ہزار روپے کی لاگت سے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کر دیا گیا بعد ازاں جلال الدین اکبر اور شہنشاہ جہانگیر نے روضے مرمت کروائی جو کافی شکستہ ہو چکا تھا۔

آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ بعالم باطن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے درجہ اولیائی حاصل ہوا۔

مقامی لوگوں سے یہ بات بھی سننے میں آئی کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار صحابہ کرام کے ہمراہ اپنی اونٹنی پر خود تشریف لائے۔ درگاہ کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پاؤں مبارک اور پیٹ کے نشان اب بھی محفوظ ہیں۔ درگاہ پر آنے والے یہاں دو نوافل ادا فرماتے ہیں اس مسجد میں پانچ وقت نماز نہیں ہوتی یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے نشانوں کو محفوظ کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہاں پر ایک کنواں موجود ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے نماز معکوس ادا فرمائی تھی اور بارہ سال کچی تند سے لٹکے رہے تھے۔ لیکن بابا فرید کے تذکروں میں اس کا ذکر نہیں مل سکا لیکن یہاں آنے والے لوگ عقیدت اس کنویں کا پانی نکال کر احتراماً پیتے ہیں اور اپنی مرادوں کی تکمیل کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ یہاں ہاتھ سے آٹا پیسنے والی چھوٹی چھوٹی چکیاں بھی موجود ہیں لوگ اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے آٹا پیسنے والی چکی کو چلاتے ہیں اور اس آٹے کی

پکی ہوئی روٹی خود بھی کھاتے ہیں یہاں 24 گھنٹے لنگر جاری رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دریائے ستلج کے کنارے یہ بستی روحانیت کا گہوارہ دکھائی دیتی ہے یہاں قدم قدم پر دل کو سکون اور قرار ملتا ہے یہاں پر حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ کے بڑے بیٹے خواجہ نصیر الدین ؒ بھی مدفن ہیں۔

حضرت سلطان فلک شیر ؒ کا روضہ بھی اسی بستی میں موجود ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت سلطان فلک شیر ؒ حضرت حاجی شیر محمد ؒ کے استاد ہیں۔

کشادہ کشادہ کچے مکانوں پر مشتمل یہ چھوٹی سی بستی اپنے اندر بے پناہ روحانیت سمیٹے ہوئے ہے اور یہاں پر آنے والا ہر شخص اپنے اندر ایک منفرد تبدیلی محسوس کرتا ہے۔ یہاں نہ موسم کی تلخی پریشان کرتی ہے اور نہ ہی بھوک پیاس۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم چودہ سو سال پہلے والی مکہ کی گلیوں میں ہر انسانی خواہش سے بے پرواہ ہو کر گھوم رہے ہیں یہاں پر آباد لوگوں کی اکثریت انتہائی غریب ہے۔ وہاں سخت گرمی کے عالم میں بھی اکثر و بیشتر لوگ ننگے پاؤں پھرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔

میں اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہ کے ہمراہ چند سال پہلے درگاہ دیوان چاولی مشائخ گیا۔ اور پانچ گھنٹے وہاں قیام کیا۔ یہ پانچ گھنٹے پلک جھپکتے ہی گزر گئے اور اس چھوٹے سے قصبے نے ہمیں اس قدر متاثر کیا۔ بے شک کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر انسان کو سکون اور راحت کی تلاش ہو تو صرف اللہ والوں کے پاس یہ دولت میسر ہوتی ہے جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا اور ان پر اپنی رحمت نازل کی۔ ان کے پاس جانے سے جہاں روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے وہاں انسان کی دنیا بھی سنورتی ہے۔ یہ دربار شریف 1960ء سے محکمہ اوقاف کی تحویل ہے جو زائرین کے دیئے ہوئے نذرانے کو باقاعدگی اور مستعدی سے وصول کرتا ہے لیکن دربار شریف اور زائرین کیلئے سہولتوں کی فراہمی کے ضمن میں فنڈ فراہم نہیں کرتا۔

آج بھی جب میں وہاں کا تصور کرتا ہوں تو دل میں ایک بار پھر وہاں جانے کی حسرت انگڑائی لینے لگتی ہے اور صحابی رسول کے روضہ اقدس کے سفید گنبد سے پھوٹنے والی رشد و ہدایت کی روشنی سے فیض یاب ہونے کو جی چاہتا ہے۔

حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوریؒ کے دستِ مبارک پر سب سے پہلے صاحب ایمان ہونے کا افتخار اور خلیفہ و جانشین ہونے کا شرف اس ہستی کو نصیب ہوا جسے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے قبل رائے راجو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان کو اسم عبداللہ اور لقب شیخ ہندی عطا فرمایا۔

رائے راجو کا خاندانی پس منظر یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل سندھ میں رائے خاندان کی حکومت تھی اور ان کی حکومت ایک سو سینتیس سال تک قائم رہی۔ سندھ کی تاریخ میں رائے خاندان کے پانچ راجہ گزرے ہیں۔ رائے ڈیوائج' رائے سیھرس' رائے ساہ سی' رائے سیھرس ثانی' رائے ساہ سی ثانی۔

رائے خاندان کے آخری حکمران راجہ رائے ساہ سی ثانی کے عہد میں راجہ کے ورثا اور رائے خاندان کے دیگر افراد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور کچھ کو مروا دیا جو افراد بچ گئے وہ پنجاب میں آ کر آباد ہو گئے۔ بعد ازاں اس رائے خاندان کا ایک چشم و چراغ رائے راجو لاہور کی راجدھانی کا بااثر' ہر دلعزیز اور معتبر شخصیت بنا۔ رائے راجو اکثر جوگیانہ لباس میں رہتا تھا اور ہندو اظہار عقیدت کے طور پر اسے نذرانے پیش کرتے تھے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ جب لاہور میں تشریف لائے تو اس وقت لاہور اور اس کا

گردونواح رائے راجو، ہندوؤں کی آنکھ کا تارا اور مضبوط سہارا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے دریائے راوی کے مشرقی کنارے کے ایک ٹبے پر اپنا مسکن بنایا۔ اتفاق سے ایک دن ایک بوڑھی گوالن رائے راجو کو دودھ کی نذر پیش کرنے جا رہی تھی، آپؒ نے اس سے دودھ طلب کیا۔ گوالن نے معذوری ظاہر کی اور کہا یہ دودھ رائے راجو کی نذر کا دودھ ہے۔ اگر آپ کو دے دیا گیا تو میری گائے بھینسوں کو نقصان پہنچے گا اور ان کے تھنوں میں دودھ کی بجائے خون اتر آئے گا۔ اس پر حضرت داتا گنج بخشؒ نے تبسم فرمایا اور کہا یہ دودھ مجھے دے دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے مال کا محافظ ہے اور وہی برکت دینے والا ہے۔ گوالن نے آپ کے دعائیہ کلمات سن کر دودھ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور واپس گھر کو چلی گئی جب اگلے پہر دودھ دھویا تو گوالن یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دودھ کی مقدار پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس پر قرب و جوار میں آپ کی کرامت کا شہرہ ہو گیا۔ جب رائے راجو کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ آخر کار ہوا میں پرواز کرتے ہوئے اپنی شعبدہ بازی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ حضور داتا صاحبؒ نے اپنے پاپوش مبارک کو حکم دیا کہ رائے راجو کو زمین پر لے آؤ۔ اس پر پاپوش ہوا میں اڑنے لگے اور راجو کے سر پر زور زور سے لگنے لگے حتی کہ وہ زمین پر روتا ہوا اتر آیا۔ رائے راجو اس خفت پر آگ بگولا ہو گیا۔ جب حضرتؒ نے اپنی نگاہ کرم ڈالی تو شان ولایت دیکھ کر راجو فوراً معافی کا خواستگار ہوا اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے دست مبارک پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا بعد ازاں خلافت سے سرفراز ہو گیا۔ اس طرح آپ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دست حق پرست پر مسلمان ہونے والے پہلے ہندو تھے۔ لیکن آپ کے مسلمان ہونے کے بعد شہر لاہور کے بہت سے ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔ اس طرح جہاں پہلے کفر کی حاکمیت تھی وہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے چرچے ہونے لگے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات کے بعد مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ کی امامت کا اعزاز بھی حضرت شیخ

ہندیؒ کو ہی حاصل ہوا۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق باقی زندگی درس و تدریس قرآن و حدیث میں گزاری۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ نے اپنے مرشد حضرت داتا گنج بخشؒ کی تجہیز و تکفین اور تدفین اپنے ہاتھوں سے کی اور چبوترہ مزار بھی پختہ بنایا۔ پشت در پشت آپ کے خانوادہ کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی سجادہ نشینی حاصل ہے۔''

''حضرت شیخ ہندیؒ نے ضعیف العمری میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے حکم سے شادی کی اور مرشد کی دعا سے اولاد نرینہ بھی عطا ہوئی۔ بچے کا نام حضرت داتاؒ نے لطف اللہ رکھا اور یہ شیخ لطفی مشہور ہوئے۔ اس خانوادہ کے موجودہ افراد میں صاحبزادہ ابوالعاصم محمد سلیم حماد سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخشؒ کا نام قابل ذکر ہے۔''

حضرت شیخ ہندیؒ کا وصال اپنے مرشد پاک حضرت شیخ علی ہجویریؒ کی رحلت کے بیس سال بعد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 130 سال تھی۔ آپ کو حضرت سید ہجویریؒ کے مزار شریف کے قریب تقریباً دس فٹ کے فاصلہ پر مشرقی جانب دفنایا گیا۔ جہاں زائرین چوبیس گھنٹے قرآن پاک کی تلاوت اور عقیدتوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔

حضرت شیخ ہندیؒ کے چند ارشادات عالیہ ہیں کہ حصول توحید کا زینہ محبت رسولؐ ہے جو عشق حق میں غرق ہو کر حیات جاوداں پاتے ہیں۔ نفرت فقراء کے قریب نہیں جاتی اور محبت ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ بے شک مرشد کامل ہی مرید کیلئے درد کا درماں ہوتا ہے۔ دشمن خدا کے سامنے سر اٹھا کے چلو مگر بندگان خدا کے حضور عقیدتوں کے نذرانے پیش کرو۔ مزارات اولیاء حق کے گلستان ہیں جن سے گلہائے توحید کی خوشبوئیں اٹھتی ہیں۔ انبیاء کی معصومیت ہی توحید حق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ عورت کو عزت دو کہ وہ تمہاری نسلوں کی امین ہے۔ قرآن کریم اور اقوال رسول ﷺ ہی اعمال مومن کی بنیاد ہیں۔

محبوبِ الٰہی
حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید عربؒ کا تعلق خاندان سادات سے تھا آپ کی زندگی زیادہ تر بخارا میں گزری۔ معاشی گزر اوقات کیلئے تجارت کا پیشہ اپنائے رکھا لیکن آپ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرشد عثمان ہرونیؒ کے مرید اور خلیفہ بھی تھے یوں حضرت سید عربؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر بھائی بھی ہوئے۔

کچھ دنوں سے ہندوستان جا کر تجارت کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ ابھی آپ کسی فیصلے پر نہیں پہنچے تھے کہ ایک رات خواب میں ایک غیبی آواز سنائی دی سید! تمہارا ارادہ نیک ہے ہندوستان چلے جاؤ۔

آپ اپنی اہلیہ جو ایک وفا شعار خاتون تھیں اور چچا زاد بھائی حضرت سید علی بخاریؒ کے ہمراہ بخارا کو خیر باد کہہ کر ہندوستان روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں گزارہ۔ پھر یہ قافلہ حق ہندوستان کے شہر بدایوں جا بسے اور وہاں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی حضرت سید عربؒ کے دو بیٹے جن کے نام خواجہ عبداللہؒ اور خواجہ سید محمودؒ تھے۔ ایک بیٹی زلیخا جنہیں زہد و تقویٰ کے سب لوگ اپنے زمانے کی رابعہ بصریؒ کہتے تھے۔

بی بی زلیخاؒ جب جوان ہوئیں تو آپ کی شادی 615 ھجری کو چچا زاد سید علی بخاری

سے کردی سید علی بخاری زہد وتقویٰ اور علم کی دولت سے مالا مال تھے۔ بیٹی کی شادی کے ایک سال بعد حضرت سید عربؒ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

کچھ عرصے بعد سلطان شمس الدین التمش کو اس پاکباز خاندان کی بدایوں آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے قاصد کے ذریعے حضرت سید احمد بخاریؒ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا اور اپنے خط میں لکھا کہ ''مجھے دیر سے خبر ملی کہ بدایوں میں آپ جیسا صاحب کردار شخص موجود ہے۔ براہِ کرم عہدہ قضا قبول فرمالیجئے اور اسلامی سلطنت کے استحکام میں میرے ساتھ تعاون کیجئے۔ مجھے یقین ہے آپ انصاف کے تقاضوں کو پورا کریں گے اور اس مقدس عہدے کو امرا کی دراز دستیوں سے محفوظ رکھیں گے۔''

اہلِ خانہ کے مشورے کے مطابق حضرت سید علی بخاریؒ نے سلطان شمس الدین التمش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کرسی انصاف پر جلوہ افروز ہوگئے اور جب تک اس عہدے پر موجود رہے امیر اور غریب، حاکم اور محکوم کے فرق کو مٹا کر انصاف کا بول بالا کر دیا۔ چند امرا نے سلطان التمش کے سامنے آپ کی شکایت کی کہ قاضی ہمارے مرتبے کا احترام نہیں کرتے اور عدالت میں ہمارے ساتھ عام لوگوں جیسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس پر سلطان التمش نے شکایت کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تب میں ان سے باز پرس کرتا۔ لیکن تمام مخلوق سے ایک جیسا سلوک کر کے حضرت سید علی بخاریؒ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے جس پر وہ تحسین کے قابل ہیں۔

حضرت سید علی بخاریؒ اور بی بی زلیخا کی شادی کو پندرہ سال ہو گئے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم رہے دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اولاد کیلئے دعا مانگا کرتے۔ بالآخر خالق کائنات نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور 636 ھجری کو آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے چہرے کی روشنی سے گھر کے درو دیوار منور ہو گئے۔

والدین کے اس نیک سیرت اور پاکباز بچے کا نام ''محمد'' رکھا۔ پھر اسی بچے نے نظام الدین اولیاؒ کے نام سے شہرت پائی اور محبوب الٰہی کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

دوسرے سال اسی پاکباز گھرانے میں ایک بیٹی نے جنم لیا۔ بعدازاں حضرت سید علی بخاریؒ علیل رہنے لگے۔ علاج معالجے کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ سانسوں کا شمار ختم ہونے میں چند ساعتیں باقی تھیں کہ حضرت سید علی بخاریؒ نے اپنی شریکِ حیات حضرت بی بی زلیخا سے نحیف ونزار آواز میں کہا۔ ''بی بی! سید محمد کو میرے قریب لاؤ۔''

جونہی سید محمد والد گرامی کے قریب لائے گئے۔ باپ کی بے قرار نظریں اپنے معصوم فرزند پر پڑیں تو آپ آبدیدہ ہوگئے۔ پھر رب ذوالجلال سے عرض کرنے لگے۔

اے میرے اللہ! تیری قدرت کاملہ کو کسی ظاہری سبب کی حاجت نہیں۔ تیری ذات پاک تو وہ ہے کہ جس نے اسباب ووسائل کے بغیر یہ عظیم الشان کائنات تخلیق کردی۔ تیری صفت خلاقی کا ادراک کیسے ہوسکتا ہے کہ تو نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا پھر جب منکرین ابن مریم کی پیدائش کے بارے میں گمراہ ہوکر جھگڑنے لگے تو تو نے اپنے کلام مقدس کے ذریعے ان سے سوال کیا:

اے محمد ﷺ! یہ لوگ عیسیٰ کا باپ نہ ہونے کی وجہ سے شبے میں مبتلا ہوئے۔ ان سے کہو کہ آدمؑ کی تو نہ ماں تھیں اور نہ باپ۔ پھر بھی ہم انہیں عدم سے وجود میں لے آئے۔ ہمارے لئے زمین وآسمان کو مٹادینا یا برقرار رکھنا ذرا بھی مشکل نہیں۔''

''اے میرے رب! میں تجھ سے تیری اسی قدرت اور کرم کا سوال کرتا ہوں تو نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی یتیم پیدا کیا پھر اسی بے سہارا بچے کو سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا دیا۔ میں آج اسی حوالے سے تیری بارگاہ عزت وجلال میں حاضر ہوں۔ مجھے اپنے سایہ رحمت میں چھپالے اور زوجہ اور میرے بچے سید محمد کو بے یارومددگار نہ چھوڑ اور جب تک یہ

زندہ رہیں انہیں دینِ حق پر قائم رکھ۔اور جب یہ دنیا سے رخصت ہوں تو ان کی زبانوں پر تیری وحدانیت اور سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت کا ذکر جاری ہو۔

پھر حضرت سید علی بخاریؒ کی زبان سے کلمہ جاری ہو گیا اور آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شوہر کی وفات کے بعد حضرت بی بی زلیخاؒ کے سر پر گھر کے تمام افراد کی کفالت کی ذمہ داری آن پڑی آپ دن رات سوت کاتتیں پھر ملازمہ بازار میں فروخت کر آتی۔اس سے جو رقم حاصل ہوتی گھر کی گزراوقات چل جاتی۔شدید محنت کے باوجود ہفتے میں ایک دن کا فاقہ ضرور ہوتا۔جب گھر میں کھانا نہ ہوتا تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنی والدہ سے کچھ کھانے کو مانگتے تو والدہ جواب دیتیں کہ ''آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں'' جس پر آپ صبر کر کے خاموش ہو جاتے۔حضرت نظام الدین اولیاؒ کی تعلیم کا سلسلہ والد گرامی کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا ابھی آپ کسی مکتب میں نہیں گئے تھے جب آپ کی عمر چھ سات سال ہو گئی تو آپؒ کو مولانا شادی مقریؒ کے مکتب میں داخل کرا دیا گیا۔حضرت مولانا شادی مقریؒ بدایوں کے ایک صاحب کرامت بزرگ تھے ان کے بارے میں یہ روایت مشہور تھی کہ مولانا شادی مقریؒ سے جو شخص ایک سورۃ بھی پڑھ لیتا۔اس کی برکت سے اسے پورا قرآن حفظ ہو جاتا۔اسی طرح جب حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مولانا شادی سے ایک پارہ پڑھا تو آپ کا ذہن روشن ہو گیا اور پورا قرآن حفظ ہو گیا۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر کے دیگر علوم کے حصول کیلئے آپ نے مولانا علاؤالدین اصولیؒ کی شاگردی اختیار کر لی۔جب تمام علوم میں مہارت حاصل کر لی تو استاد مکرم نے سر پر دستار بندھوانے کیلئے کہا۔چنانچہ اس مقصد کیلئے بدایوں شہر کے قابل ذکر بزرگوں کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔جس میں استاد مکرم مولانا اصولیؒ نے

دستار باندھتے ہوئے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ علیؒ سے اجازت طلب فرمائی۔اجازت کے بعد دستار حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سر پر باندھ دی گئی۔اس کے بعد حضرت خواجہ علیؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''اے خدائے بزرگ و برتر! جس طرح تو نے مجھ جیسے گم راہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق بخشی اسی طرح اس بچے پر بھی اپنے رحم وکرم کی بارش فرما۔ میں تو بت پرستوں کی اولاد تھا اور قزاقی میرا پیشہ تھا لیکن سید محمد (نظام الدین اولیاؒ) تو تیرے حبیب ﷺ کی نسل پاک کا نمائندہ ہے پرہیزگاروں کی اولاد ہے۔اس کی خاندانی عظمت کو برقرار رکھ اور اس سیدزادے کو علمائے دین میں شامل فرما کر اپنی قدرت کے صدقے میں اسے جرأت صداقت کے اعلیٰ درجے پر پہنچادے۔''

جب حضرت خواجہ علیؒ آپ کیلئے دعا فرما رہے تھے سب کی آنکھیں پرنم تھیں اس تقریب کے بعد مولانا علاؤالدین اصولیؒ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''اللہ نے چاہا تو اس بچے کا سر کسی انسان کے آگے خم نہیں ہوگا۔''

جب بدایوں کے تمام بزرگوں سے اکتساب علم کر چکے تو مزید دینی تعلیم کیلئے والدہ محترمہ کے ہمراہ دہلی روانہ ہو گئے۔اس سفر میں آپ کے علاوہ آپ کی والدہ چھوٹی بہن اور ایک عزیز بزرگ مولانا عوض بھی شریک تھے۔جب یہ مختصر سا قافلہ تاریک جنگل سے گزر رہا تھا تو جنگلی جانوروں اور قزاقوں کا خوف مسلسل رہا لیکن خطرے کا جب بھی احساس ہوا تو مولانا عوض اپنے پیرومرشد کو پکارتے جس سے نہ صرف خطرہ ٹل جاتا بلکہ آپ تمام تر مشکلات سے با آسانی گزر کر دہلی پہنچ گئے۔یہاں پہنچ کر آپ نے مولانا عوض سے دریافت کیا کہ ہر مشکل کے وقت آپ کون سے پیر صاحب کو پکارتے تھے۔مولانا عوض نے کہا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر۔وہ بہت پائے کے بزرگ ہیں اور جو انہیں مشکل میں پکارتا

ہے وہ ان کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ آپ نے پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں مولانا عوض نے جواب دیا وہ اجودھن میں قیام پذیر ہیں اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ اور مرید خاص ہیں۔ اللہ ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ مولانا عوض کی یہ باتیں آپ کے دل کو لگیں۔

بہر حال دہلی پہنچ کر آپ کے خاندان نے سرائے نمک میں قیام کیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ یہاں آپ کچھ عرصہ مولانا شمس الدین خوارزی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کسی بحث یا مناظرے میں آپ کو شکست دے سکے۔ اسی طرح آپ کو محفل شکن کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ علم حدیث آپ نے مولانا کمال الدین زاہدؒ سے حاصل کیا۔

دہلی میں قیام کے دوران آپ اکثر تنہائی میں حضرت بابا فریدؒ کو اتنی شدت سے یاد کرتے کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ دہلی میں ایک بزرگ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ بھی قیام پذیر تھے یہ بزرگ حضرت بابا فریدالدین شکر گنجؒ کے مرید اور چھوٹے بھائی تھے بابا فریدؒ کے فیض روحانی نے شیخ نجیب الدینؒ کو حقیقتاً متوکل بنا دیا تھا۔ آپ کی رفاقت میں شب روز گزرنے لگے۔

اسی دوران آپ کی والدہ بی بی زلیخاؒ بیمار ہو گئیں۔ والدہ کی بیماری نے آپ کو سخت اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ والدہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ آپ مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ والدہ نے فرمایا کل بتاؤں گی۔ ساری رات اس شمش و پنج میں گزری کہ والدہ کیا جواب دیں گی۔

اگلی صبح جب والدہ نے آپ کو اپنے قریب بلا کر بٹھایا آپ کے چہرہ مبارک کو دونوں ہاتھوں میں لے کر فرمایا سید محمد! آج میں تمہیں اپنے پروردگار کے سپرد کر رہی ہوں۔ یہ الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہی ہاتھوں کی گرفت کمزور پڑ گئی اور زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو

گیا۔ جس کی توفیق مرنے سے پہلے ہر مومن کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ آپ تین مرتبہ اللہ کی وحدانیت اور سرور کونین ﷺ کی رسالت پر گواہی دے کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ جیسے بادِ نسیم کا کوئی جھونکا کسی چمن زار سے گزر گیا ہو۔

والدہ کی جدائی آپ پر گراں گزری اور آپ اداس رہنے لگے۔ جب اضطرابی کیفیت کم نہ ہوئی تو آپ نے حضرت نجیب الدین متوکلؒ کے مشورے سے حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں اجودھن جانے کا فیصلہ کر لیا۔

طویل ترین سفر طے کر کے جب حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس مجلس عرفانی کا رنگ دیکھ کر آپ کی زبان گنگ ہو گئی جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور زبان سے صرف یہی الفاظ ادا ہو سکے۔

''مخدوم! مجھے آپ کی ملاقات کا بہت شوق تھا!''

حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا۔ ہر نئے آنے والے پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ مولانا نظام الدین! تمہارا شوق اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا کہ تم بیان کرتے ہو۔ میری خواہش تھی کہ یہ نعمت سجادہ اور ولایت ہند کسی اور کو دوں کہ غیب سے صدا آئی۔ ابھی ٹھہر جاؤ نظام الدین بدایوانی آ رہا ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سن کر حضرت نظام الدین اولیاؒ پر گریہ زاری طاری ہو گئی اور بہت دیر تک پیر و مرشد کے سامنے سر جھکائے روتے رہے

''سیدی! میں کس لائق ہوں۔''

حضرت بابا فریدؒ کے آستانے پر تمام مرید فرش پر سوتے تھے لیکن حضرت نظام الدین کیلئے چارپائی کا انتظام کیا گیا۔ جب آپ نے حافظ قرآن اور بزرگ ہستیوں کو نیچے فرش پر لیٹے دیکھا تو آپ بھی فرش پر لیٹ گئے۔ جب ایک خادم نے حضرت نظام الدین

اولیاؒ کوفرش پر لیٹے دیکھا تو اس خادم نے حضرت بابا فریدؒ کے داماد اور خلیفہ مولانا بدرالدین اسحاقؒ کے گوش گزر کیا۔ خادم کی بات سن کر مولانا بدرالدین اسحاقؒ خود تشریف لائے اور حضرت نظام الدین اولیاؒ سے کہا ''تم یہاں اپنی منطق پیش کرنے آئے ہو یا ہدایت پانے؟'' تم اپنی من مانی کرو گے یا حکم شیخ پر عمل پیرا ہو گے؟

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے جواباً کہا اب مرشد کا فرمان ہی میری زندگی ہے۔ اس پر حضرت مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے فرمایا تو پھر اٹھو اور مرشد کے حکم کے مطابق چارپائی پر آرام کرو۔

ایک دن حضرت بابا فریدؒ درس دے رہے تھے کہ اچانک کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئے حضرت نظام الدین اولیاؒ اپنی نوعمری کے باعث خاموش نہ رہ سکے۔ بے اختیار آپ کی زبان سے نکل گیا۔

''میں نے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس ایک نسخہ دیکھا تھا جو بالکل صحیح تھا۔
حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کیا فقیر میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ غلط نسخے کی تصحیح کر سکے۔

حضرت بابا فریدؒ کی بات سن کر حاضرین پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ پھر تین مرتبہ یہی فقرہ دہرایا۔ اس پر مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے سرگوشی کے عالم میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کو فرمایا کہ حضرت کا اشارہ تمہاری طرف ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت نظام الدین اولیاؒ کی حالت غیر ہو گئی اور مرشد کے قدموں میں جا گرے اور گڑگڑا کر اپنی گستاخی کی معافی طلب کرنے لگے۔ آپ بہت دیر تک گریہ زاری کرتے رہے لیکن بابا فریدؒ کے چہرے پر ملال کم نہ ہوا۔ حتیٰ کہ پیرومرشد اٹھ کر اپنے حجرہ خاص میں تشریف لے گئے۔

دوسرے دن درس میں پیر مرشد نے پہلی والی توجہ مرکوز نہ کی۔ ان کی خفگی کا اظہار

نمایاں تھا۔آپ روکر اپنی بے گناہی کا احساس دلاتے رہے کہ واللہ! ان کے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا لیکن ان کی باتیں اور تمام تر دلائل پیرو مرشد کے غصے کو کم نہ کر سکے۔

چنانچہ مرشد کی نظر سے گرنے کے بعد آپ کے تن بدن میں ایک انوکھی آگ لگ گئی اور آپ دیوانہ وار مرشد کدے سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔روتے ہوئے یہ الفاظ بھی آپ کی زبان سے مسلسل نکل رہے تھے کہ'

''نظام الدین! اس دنیا میں تجھ سا بد نصیب کون ہوگا۔؟''

اسی اثناء میں آپ ایک کنویں کے کنارے جا پہنچے سوچا کہ مرشد کی نگاہ میں گرنے سے پہلے کنویں میں چھلانگ مار کر زندگی کا خاتمہ کرلوں۔پھر خیال آیا کہ مسلمان پر خودکشی حرام ہے۔جنگل میں کئی دن بغیر کچھ کھائے پیئے گزر گئے۔کمزور اور نقاہت نے آپ کو گھیر لیا۔

پھر ایک دن حضرت بابا فریدؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ شہاب الدینؒ جو آپ کے گہرے دوست بھی تھے۔آپ کو تلاش کرتے کرتے جنگل میں اس مقام پر پہنچ گئے جہاں آپ گوشہ نشین تھے وہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی شکستہ حالت دیکھ کر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ خود بھی شدت غم سے رونے لگے۔

پھر حضرت نظام الدین اولیاؒ سے مخاطب ہو کر پوچھا یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ آپ کوئی جواب دینے کی بجائے مسلسل روئے جا رہے تھے گویا آنسو ہی آپ کے غم کے ترجمان تھے۔حضرت شیخ شہاب الدینؒ اپنے ساتھ کھانا بھی لائے تھے۔مجبور کرنے پر چند لقمے اس امید پر تناول فرمالئے کہ آپ کے دوست حضرت شیخ شہاب الدینؒ کسی مناسب وقت پر مرشد پاک کی خدمت میں آپ کی لغزش کو درگزر کرنے کی درخواست کریں گے۔

پھر ایک دن تنہائی میں شیخ شہاب الدینؒ نے والد گرامی حضرت بابا فریدؒ سے

موقع پا کر عرض کیا کہ مولانا نظام الدینؒ کا آپ کی جدائی میں بہت برا حال ہے آپ انہیں معاف فرما دیجئے۔ وگرنہ آپ سے دوری کا غم انہیں ہلاک کر دے گا۔

شہاب الدین!" میں بھی نظام الدین کی جدائی میں مضطرب ہوں۔ بابا فرید نے اپنے فرزند سے کہا۔ آپ کے لہجے میں اداسی کا رنگ نمایاں تھا۔ لوگ اسے معتوب نہ سمجھیں۔ وہ میرا محبوب ہے۔ مگر عشق میں ایک ایسا مقام بھی آجاتا ہے کہ جس سے گزرے بغیر انسان کی تکمیل نہیں ہوتی۔"

جاؤ نظام الدین کو میرا اسلام پہنچاؤ اور کہو کہ درس گاہ اس کی منتظر ہے بابا فریدؒ نے فرمایا۔

جب آپ کو پیر و مرشد کا یہ مژدہ سنایا گیا تو آپ زار و قطار رونے لگے۔ اس پر حضرت شیخ شہاب الدین نے دریافت کیا کہ اے میرے دوست اب کیوں روتے ہو اب تو آپ کے دل کی مراد پوری ہو گئی ہے۔

حضرت نظام الدینؒ نے کہا پہلے بدبختی کے احساس نے رلا دیا تھا اب خوش بختی پر آنسو بہا رہا ہوں۔

پھر حضرت نظام الدین اولیاؒ مرشد کے روبرو تشریف لائے تو حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا تمہیں دہلی سے اس لئے تو نہیں بلایا تھا کہ تم کہیں اور چلے جاتے۔ پیر و مرشد کا دست مہربان سایہ فگن اور زبان مبارک سے محبت کے سرچشمے پھوٹ رہے تھے۔

نظام الدین اب جہاں بھی رہو گئے ہمارے ہی رہو گے۔

پھر جب آتش فراق بجھ گئی تو حضرت نظام الدین اولیاؒ پیر و مرشد کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔

مولانا نظام! میں نے یہ سب کچھ تمہاری تکمیل کیلئے کیا ہے۔" حضرت بابا فریدؒ

نے فرمایا شکر ہے اس مالک حقیقی کا جس نے اپنے بندے کی دستگیری فرمائی اور اس وادی خار میں مسافر عشق کو ثابت قدم رکھا۔ بعدازاں حضرت بابا فریدؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو اپنا پیرھن خاص عطا فرمایا۔

اجودھن میں ساڑھے سات ماہ کے قیام کے بعد پیرومرشد کی اجازت سے دہلی تشریف لائے راستے میں چند قزاقوں کا حملہ ہوا لیکن پیرومرشد کی نظر کرم سے آپ کسی سانحے سے محفوظ رہے۔ دہلی پہنچ کر آپ نے مرشد کی نصیحت پر عمل کیا اور جن لوگوں سے کچھ ادھار لے رکھا تھا انہیں واپس کیا۔ کیونکہ پیرومرشد نے کسی کی دل شکنی سے منع فرمایا تھا۔ اور ساتھ ہی قرض اور ادھار سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے دہلی کے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ پھر شہر کی ہنگامہ خیزیوں سے دور غیاث پور میں ڈیرہ لگالیا۔ ان دنوں وہ ایک ویران علاقہ تھا اور دور دور تک آبادی نہ تھی۔

لیکن سلطان غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد جب اس کا بیٹا معزالدین کیقباد ہندوستان کا فرماں روا بنا تو اس نے غیاث آباد کا نقشہ ہی بدل دیا اور یہاں تفریح گاہ اور محل تعمیر کروائے۔ آپ نے یہاں سے کسی اور جگہ جانے کا ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک اجنبی شخص نے آپ کو ان الفاظ میں مخاطب کر کے آپ کے منتقلی کے ارادوں کو یکسر ختم کر دیا۔

''جس روز اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا چاند بنایا تھا اسی روز تجھے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تیری طرف اٹھیں گی۔

تمہیں خلق خدا سے بھاگ کر کسی غار یا ویرانے میں گوشہ نشین نہیں ہونا چاہئے۔ مزا تو تب ہے کہ مخلوق خدا کے درمیان رہ کر یاد اللہ میں مشغول رہا جائے۔'' بو

غیاث پور میں ابتدا میں آپ تنگ دستی کا شکار رہے۔ لیکن آپ نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا یا بادشاہ کے بھیجے ہوئے نذرانوں کو قبول کرنا گوارہ نہ کیا اور اپنے فقیرانہ حال میں ہی مست رہے۔ غذا کی کمی کے ساتھ جسمانی زیبائش کا بھی عجیب حال تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آپ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا اور وہ بھی کثرت استعمال سے بوسیدہ اور میلا ہو چکا تھا کہ اسے دھونے کیلئے صابن خریدنے کی بھی استطاعت نہیں تھی۔

دوسری بار جب حضرت نظام الدین اولیاؒ اجودھن حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں پیش ہوئے تو پیرومرشد نے آپ کو سلسلہ چشتیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ خلافت نامہ عطا کر کے تمام درویشوں کے سامنے بلند آواز میں فرمایا۔

''ہم نے خلافت کے ساتھ نظام الدین محمدؒ کو ہندوستان کی ولایت بھی دی۔''

حالانکہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ حضرت بابا فریدؒ کے محبوب ترین خلیفہ تھے مگر ہندوستان کی ولایت حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مقدر ٹھہری۔

جیسے ہی حضرت بابا فریدؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے محبوب الٰہی نے پیرومرشد کی دست بوسی کی۔ پھر اس طرح کھڑے رہے کہ آپ کا سر نیاز حضرت شیخ کی بارگاہ جلال میں جھکا ہوا تھا۔

مولانا نظام الدین! سر اٹھاؤ۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا۔

جب حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی تو ایک نعمت عظیم آپ کی منتظر تھی۔ حضرت بابا فریدؒ کبھی کبھی ایک خاص دستار باندھتے تھے۔ یہ دستار وہ تھی جو آپ کے پیرومرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو عطا کی تھی اور ان کو یہ دستار حضرت معین الدین چشتیؒ سلطان ہند نے عطا فرمائی تھی۔ اس طرح اس دستار کو پیران چشت کے

تبرکات میں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ جب محبوب الٰہیؒ نے حکم شیخ پر سر اٹھایا تو وہ متبرک دستار حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سر کی زینت بن گئی۔ پھر فرمایا نظام الدین محمد! دو رکعت نماز ادا کرو۔ جب نماز ادا کر چکے تو حضرت بابا فریدؒ نے آپ کیلئے خصوصی دعا فرمائی۔

''اے اللہ! نظام الدین محمد تجھ سے جو کچھ مانگے اسے عطا فرما دے کہ تیرے سوا کوئی دینے والا نہیں۔''

پھر جب محبوب الٰہی اجودھن سے دہلی روانہ ہونے لگے تو پیر و مرشد نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا نظام الدین محمد! اپنا یہ خلافت نامہ ہانسی میں مولانا جمال الدین اور دہلی میں قاضی منتخب الدین کو دکھا دینا۔

قاضی منتخب الدینؒ حضرت بابا فریدؒ کے عظیم المرتبت خلیفہ تھے۔ اس وقت آپ کے حکم سے ہی دہلی میں بندگان خدا میں علم ظاہری و باطنی کی دولت تقسیم کر رہے تھے۔

جبکہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ حضرت بابا فریدؒ کو اس قدر محبوب تھے کہ آپ نے بارہ سال تک صرف شیخ جمالؒ کے کہنے پر ہانسی میں قیام کیا۔

حضرت بابا فریدؒ جب بھی کسی کو خلافت نامہ عطا کرتے تو اس شخص کو تاکید فرما دیتے کہ ہانسی جا کر شیخ جمال الدینؒ سے مہر لگوا لینا۔ وگرنہ خلافت نامہ مسند قرار نہ پاتا اور حضرت بابا فریدؒ بھی صاف صاف فرما دیتے کہ جمال کے چاک کئے ہوئے کو ہم سی نہیں سکتے۔

بہر کیف محبوب الٰہی نے پیر و مرشد کی بے پناہ دعاؤں کے سائے میں اجودھن سے ہانسی پہنچ کر جب پیر و مرشد کا خلافت نامہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کو دکھایا تو شیخ جمالؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

''تمام جہانوں کے مالک کا ہزار شکر ہے کہ گوہر اس شخص کے حوالے کر دیا گیا جو

گوہر شناس ہے۔"

اسی طرح دہلی میں قاضی منتخب الدینؒ کے ہاں تشریف لے گئے اور مہر تصدیق لگوالی۔ لیکن اس دوران حضرت بابا فریدؒ کے بھائی اور محبوب الٰہی کے دوست حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے انتقال کی خبر ملی تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ کی ان کے ساتھ ایک طویل رفاقت تھی آپ ایصالِ ثواب کیلئے قبر پر گئے اور اہلِ خانہ سے تعزیت کر کے غیاث پور لوٹ آئے لیکن حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی یاد اکثر آپ کے دامن گیر رہتی۔ ان کی محبت کے آنسو اکثر آپ کی آنکھوں سے چھلک جاتے۔ کیونکہ دہلی شہر میں وہی آپ کے محسن اور دوست تھے۔ وہی غمگسار، بلکہ علم و آگہی کا ایک روشن پیکر بھی تھے جو موت کے گرد و غبار میں گم ہو گئے۔

بہر کیف وقت روز شب کا قافلہ اپنی مقررہ رفتار سے آگے بڑھتا رہا محبوب الٰہی ساری دنیا سے بے نیاز اللہ کی حمد ثنا میں مشغول رہے۔ غربت و افلاس کا مکمل غلبہ تھا۔ اور کئی کئی دن فاقوں ہی میں گزر جاتے۔

انہی دنوں دہلی کے ایوانوں میں اقتدار کی کشمکش کی ایسی جنگ شروع ہوئی جو جلال الدین خلجی کے سلطان بننے تک ختم نہ ہوئی۔ جلال الدین خلجی سلاطین ہند میں پہلا حکمران تھا جس نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے نیاز حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سلطان نے آپ کیلئے ایک بڑی جاگیر وقف کرنے کی آرزو کی لیکن محبوب الٰہی نے سلطان کی پیشکش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ فقیروں کو جاگیروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان دنوں آپؒ کے ہاں فاقوں کی نوبت پہنچ چکی تھی اور بعض مریدین سلطان کی پیشکش قبول کرنے کا مشورہ بھی دے رہے تھے۔ لیکن آپ نے شاہی قاصد کو مایوس لوٹا دیا اور سلطان کی مدد لینے سے صاف انکار کر دیا۔

محبوب الٰہی ممنوعہ ایاّم کے علاوہ ہمیشہ روزے سے رہا کرتے۔ اگر غذا میسر آجاتی تو جوُ کی روٹی سے ہی سحر اور افطار کرتے۔

ایک دن جب خانقاہ میں کھانے اور پکانے کیلئے کچھ نہیں تھا پڑوس کی ایک غریب عورت ایک سیر آٹا اپنی محنت مزدوری کی آمدنی سے خرید کر لائی اور محبوب الٰہی کو یہ آٹا تحفتاً پیش کر دیا۔ محبوب الٰہیؒ کچھ دیر سوچتے رہے پھر یہ آٹا مولانا کمال الدین یعقوبؒ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ اس آٹے کو دیگ میں ڈال کر پانی سے بھر کر پکنے کیلئے رکھ دو۔ آج افطار اسی سے کریں گے۔

چنانچہ دیگ میں آٹا ڈال کر اس میں پانی بھر کر آگ پر پکنے کیلئے رکھ دیا گیا۔ جب آگ کے شعلوں پر دیگ کا پانی ابل رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک گدڑی پوش فقیر ادھر آنکلا اور بلند آواز میں کہنے لگا فقیر بہت دنوں سے بھوکا ہے جو کچھ ہے اسے پیش کرو۔ جب حضرت نظام الدین اولیاؒ کو مجذوب کی آمد کی خبر ملی تو آپ خود پکتی ہوئی دیگ کے پاس تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھ کر مجذوب ایک بار پکار اٹھا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے میں انتظار نہیں کر سکتا۔ کھانا جس حالت میں بھی ہے مجھے کھلا دیا جائے۔

محبوب الٰہیؒ نے دیگ کے قریب جا کر دیکھا تو پانی ابل رہا تھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی انسانی جسم پر گر جاتا تو کھال جھلس کر رہ جاتی۔ اس لئے حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مجذوب سے فرمایا کھانا ابھی گرم ہے تھوڑا انتظار کر لیں ٹھنڈا ہو جائے گا تو کھا لینا۔

اس پر مجذوب پکار اٹھا۔ شیخ تم اس آگ کی بات کر رہے ہو میرے شکم میں جو آگ لگی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ بس تم دیگ اٹھاؤ اور میرے سامنے لاؤ۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ خود پکتی ہوئی دیگ اٹھوا کر مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب بھوک کی شدت سے اس قدر مضطرب تھا کہ اس نے ابلتے ہوئے پانی میں

بے جھجک اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ محبوب الٰہی اسے ایسا کرنے سے منع کرتے رہے لیکن وہ بار بار ابلتی دیگ میں ہاتھ ڈالتا پھر جو کے رقیق آٹے کو منہ میں رکھ لیتا۔ مجذوب نے یہ عمل تین بار کیا پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا جس سے مٹی کی بنی ہوئی وہ دیگ ٹوٹ کر بکھر گئی حضرت نظام الدین اولیاؒ نہایت صبر و تحمل سے درویش کی اس اضطراری کیفیت کو دیکھتے رہے مگر مولانا کمال الدین یعقوبؒ خاموش نہ رہ سکے۔

مہمان تم نے یہ کیا کیا۔ اس پانی جیسی غذا سے کچھ بندگان خدا روزہ افطار کر سکتے تھے افسوس کہ تم نے دوسروں کی بھوک کو نظر انداز کر دیا۔

مجذوب نے کہا میں نے اللہ کے حکم پر یہ کام کیا ہے۔ پھر محبوب الٰہی کے قریب آ کر نہایت محبت سے کہا'

شیخ نظام الدین! تمہیں بابا فرید گنج شکر نے نعمت باطنی بخشی۔ میں نے تمہاری فاقہ کشی کی دیگ کو توڑ دیا۔ اب تم سلطان ظاہری بھی ہو اور سلطان باطنی بھی۔ یہ کہہ کر مجذوب تیز تیز چلتا ہوا کچھ دور گیا پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

حیرت زدہ مریدوں کو دیکھ کر محبوب الٰہی نے فرمایا کہ اللہ کی قدرت لامحدود ہے اور اس کا کرم بھی۔ انسان عاجز ہے کہ وہ توفیق الٰہی کے بغیر کچھ نہیں سمجھ سکتا ہم نہیں جانتے کہ کس بھیس میں کون ہے آؤ! اللہ کا ذکر کریں کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اس لئے آپ کا ایک لقب سلطان المشائخ بھی ہے۔

مجذوب کے جانے کے بعد آپ پر تسخیر ظاہری کے دروازے کھل گئے لوگ قطار در قطار چلے آتے۔ ان میں غریب امیر سبھی شامل ہوتے تھے۔ نذرانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن آپ ممنوعہ ایام کے علاوہ ہمیشہ روزے سے رہتے اور جو کی روٹی ہی آپ کی اکثر خوراک ہوتی۔

اسی طرح ایک مرتبہ سلطان ہند کا ایک قاصد آپ کیلئے قیمتی تحائف اور سکّے لے کر خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے بادشاہ کا تحفہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا جب لانے والے نے مسلسل اصرار کیا تو آپ نے جوش میں آ کر کہا کہ کیا تم نے فقیروں کو غریب اور بے سہارا سمجھ رکھا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو اپنے بائیں جانب دیکھو۔ پھر جیسے ہی سلطان کے قاصد نے بائیں جانب دیکھا اس کی زبان گنگ ہو گئی اور آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اشرفیوں کا ایک دریا بہتا دیکھ کر وہ سلطانی قاصد شرمندہ ہو گیا اور معافی طلب کرتے ہوئے واپس لوٹ کر جانے لگا تو محبوبِ الٰہی نے اس واقعے کا کسی سے ذکر کرنے سے منع فرما دیا۔

سلطان کا ایک قابل اعتماد اور لاڈلا سپہ سالار ''امیر خسرو'' بھی محبوب الٰہی کا بہت معتقد تھا۔ وہ جب بھی سلطان سے مخاطب ہوتا۔ محبوب الٰہی کی روحانیت اور زہد و تقویٰ کا ذکر چھیڑ دیتا۔ دربار سے وابستہ کچھ اور لوگ بھی حضرت نظام الدین اولیاء سے بہت متاثر تھے وہ بھی بادشاہ کے سامنے محبوب الٰہی کی تعریفیں کرتے رہتے۔ بالآخر بادشاہ نے محبوب الٰہی سے ایک خط کے ذریعے حاضری کی اجازت چاہی۔ جب قاصد یہ خط لے کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے جواباً کہا کہ میرے گھر کے دو دروازے ہیں سلطان سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر تم ایک دروازے سے اندر داخل ہو گے تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا لیکن تم سے نہیں ملوں گا۔ کیونکہ مجھے بادشاہوں سے میل ملاپ بڑھانے کا ہرگز شوق نہیں اور نہ ہی ہم جیسے فقیروں کو یہ زیب دیتا ہے کہ دنیا داروں کیلئے اپنی آنکھیں بچھائیں۔ تمہاری دنیا الگ ہے اور ہماری دنیا الگ۔

یہ جواب پا کر بادشاہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ احتراماً خاموش ہو گیا۔ پھر ایک مرتبہ اس نے اپنے سالار خسرو کے ذریعے پروگرام بنایا کہ اچانک کسی دن بغیر بتائے وہ محبوب الٰہی کی قدم بوسی کیلئے جائیں گے۔ لیکن عین موقع پر امیر خسرو نے مرشد کی ناراضگی کے

خوف سے خفیہ آمد کی اطلاع اپنے مرشد محبوب الٰہی کو کردی۔ پھر جس دن بادشاہ نے حاضری کیلئے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے در دولت پر خفیہ طور پر حاضر ہونا تھا اس دن محبوب الٰہی دہلی کو خیر باد کہہ کر اجودھن (پاکپتن) روانہ ہو گئے۔

اس طرح حضرت نظام الدین اولیاؒ کی قدم بوسی کیلئے سلطان کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو سلطان الہند نے مجبور ہو کر حضرت محبوب الٰہی کے مرید خاص حضرت امیر خسروؒ سے رابطہ قائم کر کے کہا خسرو! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ میں نے سنا ہے کہ تم شیخ کے بہت قریب ہو اگر تم ان کے روبرو میرے سفارش کردو تو میں صرف ایک بار ان کی قدم بوسی سے سرفراز ہونا چاہتا ہوں۔

یہ مقام فکر ہے کہ جس کی بارگاہ اقتدار میں بڑے سے بڑے امیر بھی سفارش کرتے ہوئے گھبراتے تھے آج وہ خود ایک ملازم کی سفارش کا محتاج تھا۔ اس واقعے سے اگر ایک طرف حضرت نظام الدین اولیاؒ کا جبروت روحانی ظاہر ہوتا ہے تو دوسری طرف علاؤالدین خلجی سلطان الہند کی نیازمندی بھی جھلکتی ہے۔

امیر خسرو پہلے تو خاموش رہے پھر سلطان کے اصرار پر سفارش کی حامی بھر لی۔ پھر جب ایک دن حضرت نظام الدین اولیاؒ کسی بات پر مسکرا رہے تھے تو حضرت امیر خسروؒ نے موقع غنیمت جان کر سلطان کی عرضداشت پیش کردی۔ سیدی! سلطان حاضری کیلئے بہت بے قرار ہے اسے بس ایک بار شرف باریابی بخش دیجئے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ بہت دیر تک مرید خاص کی درخواست پر غور کرتے رہے پھر نہایت شفقت بھرے لہجے میں فرمایا تم خود جانتے ہو کہ میں تمہیں کتنا عزیز رکھتا ہوں مگر بادشاہوں سے ملاقات کرنا میرا مزاج نہیں آئندہ تم اس سلسلے میں محتاط رہنا۔ اور کسی فرمانروا کی سفارش نہ کرنا کہ ان لوگوں کا راستہ الگ ہے اور ہمارا الگ۔ اگر ایک بار سلطان کو

یہاں آنے کی اجازت دے دی گئی تو پھر درویشوں کی خانقوں پر سلطانوں کی آمد ایک رسم بن جائے گی میں اس رسم کو زندہ نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ سلطان کی عقیدت اور کچھ تمہاری محبت' ان دونوں چیزوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں سلطان علاؤالدین خلجی کیلئے دعا کرتا رہوں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا حلقہ درس روز بروز وسیع ہوتا جارہا تھا۔اور ہزاروں عقیدت مند صبح وشام قدم بوسی کیلئے حاضر ہوتے اس زمانے میں بھی جب آپ وعظ فرماتے تو آپ کی آواز دور دور تک پھیلے ہوئے ہزاروں عقیدت مند باآسانی سن لیتے حالانکہ اس وقت لاؤڈ سپیکر بھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی آپ کی ایک کرامت تھی۔ ایک مرتبہ چند عقیدت مند سائے میں جگہ نہ ملنے کی بنا پر دھوپ میں ہی وعظ سننے کیلئے بیٹھ گئے۔ اپنے عقیدت مندوں کو دھوپ میں بیٹھے دیکھ کر بلند آواز میں فرمایا لوگو ذرا قریب قریب ہو جاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی سائے میں بیٹھ جائیں تمہیں نہیں معلوم کہ دھوپ میں تو وہ لوگ بیٹھے ہیں لیکن جلتا میں ہوں۔ پھر ایک دن ایک سیدزادہ آپ کی فیاضی اور شہرت سے متاثر ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے روبرو گزارش کی کہ میں نے ساری زندگی محنت مزدوری کر کے گزاری ہے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اب میری تین بیٹیاں جوان ہیں ان کی شادی کرنی ہے لیکن شادی کیلئے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپ ہندوستان کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ آپ کے آستانے پر آنے والا کوئی بھی ضرورت مند خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ یہی سوچ کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اس اجنبی کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور فرمایا کہ میرے بھائی تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے کہ میں ہند کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ درویشی میں تو تاج کا تصور ہی حرام ہے اور شہنشاہ صرف اللہ کی ذات ہے میں تو اس کی عظیم الشان سلطنت

میں رہنے والا ایک ادنیٰ سا انسان ہوں۔ جسے اس نے اپنی رحمت لازوال کے سائبان میں چھپا رکھا ہے۔ نہ میں یہاں کچھ لے کر آیا تھا اور نہ اپنے ساتھ کچھ لے کر جاؤں گا جو کچھ ہے سب اسی کا ہے وہی اپنے لامحدود خزانوں میں سے جس بندے کو جتنا چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ یہ فرما کر محبوب الٰہی نے آپنے خادم خاص خواجہ اقبالؒ کو طلب فرمایا اور سرگوشی کے عالم میں فرمایا تمہارے پاس جو کچھ ہے لے آؤ۔ خانقاہ کے تمام تحائف اور نذرانے خواجہ اقبالؒ کی ہی تحویل میں رہتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئے تو بہت اداس تھے۔ سر جھکا کر پیرومرشد سے کہا آج اتفاق سے ایک تنکا بھی موجود نہیں ہے۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ اب جو بھی نذرانہ یا تحفہ آئے اسے جمع کرنے کی بجائے میرے پاس لے آنا۔

بعد میں اس اجنبی شخص کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا۔ تم پریشان نہ ہو اللہ کارساز ہے وہ کوئی نہ کوئی اہتمام کردے گا۔ یوں تین چار دن گزر گئے۔ آستانے پر کوئی نذرانہ یا تحفہ نہ آیا۔ تو کچھ دیر سکوت کے بعد آپ نے اس اجنبی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اس وقت میرے پاس تمہیں دینے کیلئے اپنے جوتوں کے سوا کچھ نہیں۔"

پرانے جوتوں کی طرف دیکھ کر اجنبی دم بخود رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بے تاج بادشاہ کے در سے پرانے جوتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اجنبی مہمان کو حیران اور پریشان دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میزبان پر لازم ہے کہ وہ مہمان کی خدمت میں اپنا بہترین اثاثہ اور سب سے قیمتی تحفہ پیش کرے۔ میرے ذاتی مال میں یہ جوتے ہی سب سے قیمتی ہیں۔ لباس اس قابل نہیں کہ تمہاری نذر کیا جاسکے۔ یہی جوتے ہیں جن کے بغیر درویش کا کاروبار حیات جاری رہ سکتا ہے۔

اجنبی کچھ دیر سوچتا رہا پھر آپ کے جوتوں کو اپنے رومال میں لپیٹ کر اجازت طلب کی اور انتہائی بے دلی کے عالم میں خانقاہ سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے

جب تھک گیا تو رات گزرانے کیلئے ایک سرائے میں ٹھہر گیا۔

دوسری جانب حضرت امیر خسروؒ سلطان علاؤالدین خلجی کے ہمراہ کسی جنگی مہم میں کامیابی کے بعد واپس آرہے تھے۔ جنگ میں شاندار فتح کے عوض بادشاہ نے حضرت امیر خسروؒ کو پانچ لاکھ نقرئی سکے بطور انعام دیئے یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ ایک ضرورت مند شخص محبوب الٰہیؒ کی بارگاہ سے ناکام ہو کر اپنے گھر کو واپس جا رہا تھا اور محبوب الٰہی کے سب سے پیارے مرید حضرت امیر خسروؒ گھوڑوں پر لدی ہوئی کثیر رقم لے کر دہلی آرہے تھے۔

حضرت امیر خسروؒ شاہی لشکر کے ساتھ جب سرائے کے قریب سے گزرے تو آپ نے اچانک سب کو رک جانے کا حکم دیا۔ مجھے میرے شیخ کی خوشبو آرہی ہے۔ بار بار ایک ہی فقرہ دوہرا کر پریشان حالت میں اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ اچانک رک جانے اور پریشانی کی حالت میں گردونواح کا جائزہ لینے کا سبب پوچھنے کی خاطر فوج کے بڑے بڑے سالار بھی گھوڑوں سے اتر کے آپ کے پاس آگئے۔

امیر آپ کیا محسوس کر رہے ہیں۔

میں اس مقام پر اپنے پیرومرشد کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں حضرت امیر خسروؒ نے شدید اضطراب کے عالم میں فرمایا۔

حضرت محبوب الٰہی تو غیاث پور میں قیام پذیر ہیں جو یہاں سے بہت دور ہے۔ شاہی سپہ سالار نے کہا۔

میں جانتا ہوں کہ ابھی غیاث پور بہت دور ہے مگر میں اس خوشبو کو کیسے نظر انداز کر دوں۔ جس نے میرے مشام جاں کو معطر کر دیا ہے۔ یہ تمام فضا میرے شیخ کی خوشبو سے معطر ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پیرومرشد یہیں کہیں جلوہ افروز ہیں یا پھر اس مقام سے گزر

رہے ہیں حضرت امیر خسرو کی تشویش مزید بڑھ رہی تھی۔ آخر کار امیر خسرو اور دوسرے فوجی افسر خوشبو کے تعاقب میں آگے بڑھتے بڑھتے ایک سرائے تک جا پہنچے۔ یہاں خوشبو کا احساس تیز تر ہو گیا رات زیادہ گزر جانے کے سبب سرائے کا دروازہ بند ہو چکا تھا مالک کو طلب کر کے سرائے کا دروازہ کھلوایا گیا۔ خوشبو کچھ اور نمایاں ہو گئی۔ امیر خسرو بے قرار ہو کر سرائے کے ایک گوشے کی طرف بڑھے یہاں ایک مسافر سویا ہوا تھا۔ خوشبو اسی کے قریب سے آ رہی تھی حضرت امیر خسروؒ نے اس خوابیدہ مسافر کو اٹھایا وہ آنکھیں ملتا ہوا ناگواری کے عالم میں اٹھا۔ حضرت امیر خسروؒ نے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس سے بوئے شیخ کیوں آ رہی ہے۔

بوئے شیخ اور میرے پاس سے۔ وہ شخص حیران و پریشان تھا نہ میں آپ سے واقف ہوں اور بوئے شیخ کا مطلب سمجھتا ہوں۔

حضرت امیر خسروؒ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں حضرت محبوب الٰہی کا مرید ہوں اور اسی ذات گرامی کے جسم کی خوشبو تیرے پاس سے آ رہی ہے۔

ہاں۔ میں شیخ نظام الدینؒ سے مل کر آ رہا ہوں اب وہ شخص کسی قدر صورتحال کو سمجھ گیا۔

کیسے ہیں میرے شیخ؟ حضرت امیر خسروؒ نے پوچھا۔

تمہارے شیخ تو اچھے ہیں مگر انہوں نے میرے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا مسافر کا لہجہ طنز آمیز تھا۔ ان کی سخاوت کے بہت چرچے سنے تھے۔ مگر جب میں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کیلئے ان کے سامنے دست طلب دراز کیا تو تمہارے شیخ نے اپنے پرانے جوتے میرے حوالے کر دیئے کہ یہی جوتے تیری حاجت روائی کریں گے۔

کہاں ہیں میرے مرشد کے جوتے! امیر خسرو نے بے قرار ہو کر کہا۔

میرے پاس موجود ہیں جو قریب ہی ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے پڑے تھے۔

اے شخص تو ان جوتوں کو فروخت کرے گا حضرت امیر خسرو کے چہرے پر عجیب چمک تھی جیسے وہ دنیا کی سب سے قیمتی چیز خرید رہے ہوں۔

ایک وہ مذاق اور ایک یہ مذاق۔ امیر تمہیں میری حالت پر رحم نہیں آتا سیدزادہ بے زار نظر آرہا تھا۔ پھر تم ان جوتوں کی قیمت دو گے۔

اس وقت میرے پاس پانچ لاکھ نقرئی سکے ہیں کیا اس کے عوض جوتے دے سکتے ہو نہایت عاجزی سے امیر خسرو نے کہا۔

یہ سن کر اجنبی پر سکتہ طاری ہو گیا۔

اس پر امیر خسرو دوبارہ بولے اگر رقم کم ہے تو میرے ساتھ دہلی چلو میں اتنی ہی رقم اور تمہیں دے دوں گا۔

اجنبی نے محبوب الٰہی کے جوتے امیر خسرو کے حوالے کرتے ہوئے کہا میرے لئے تو ایک ہزار سکے ہی کافی ہیں۔ خدا کیلئے اپنے وعدے سے نہ پھر جانا۔

سودا طے ہونے پر امیر خسرو اجنبی کو ساتھ لے کر اس جگہ پر آئے جہاں نقرئی سکے گھوڑوں پر لدے ہوئے تھے۔

امیر خسرو نے فرمایا اے اجنبی شخص یہ تمام سکے اب تمہارے ہیں۔

جناب! میں ان سکوں کو گھر کیسے اکیلا لے کر جا سکوں گا۔ اس پر امیر خسرو نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ گھوڑوں پر لدے سکے اس اجنبی کے گھر تک بحفاظت چھوڑ آئیں۔

اور خود امیر خسرو تیز رفتاری سے اس طرح دہلی کی طرف بڑھے کہ آپ کی دستار میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے جوتے لپٹے ہوئے تھے۔

پھر امیر خسروؒ حضرت محبوب الٰہی کی بارگاہ جلال میں حاضر ہوئے تو اہل مجلس نے دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھ اس طرح بلند ہیں جیسے کوئی مزدور اپنے سر پر بار گراں اٹھائے ہوئے آرہا ہو۔ ہر شخص خسرو کو دیکھ کر حیران تھا کہ آج انہیں کیا ہوگیا ہے۔ یہ دیکھ کر محبوب الٰہی کے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی۔

خسرو! تمہیں کامیابی کا سفر مبارک ہو مگر تم اپنے شیخ کیلئے کیا تحفہ لائے ہو؟

حضرت امیر خسرو گھٹنوں کے بل جھک گئے اور اپنی دستار میں لپٹے ہوئے مرشد کے جوتے فرش پر رکھ دیئے۔ شیخ کے حضور میں شیخ ہی کی نشانی لایا ہوں۔ دنیا کی کوئی اور شے اس قابل ہی نہیں تھی یہ کہہ کر امیر خسرو حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں سے لپٹ گئے۔

کتنے میں خریدی؟ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے تبسم دل نواز کے ساتھ فرمایا پانچ لاکھ نقرئی سکوں میں۔ حضرت امیر خسرو شدت وجذبات میں رونے لگے۔

خسرو! تم نے یہ سودا بہت سستے میں کرلیا ہے۔

سیدی! یہ غلام اور کیا کرتا؟ اس شخص نے اسی پر قناعت کی ورنہ اگر وہ ان جوتوں کے بدلے مجھ سے میرا تمام مال ومتاع بھی طلب کرتا تو خسرو اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں ڈھیر کردیتا۔ اس پر آپؒ نے تبسم فرمایا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے مخالفوں کے ہجوم میں زیست بسر کی۔ کبھی ''تارک سنت'' کہلائے اور کبھی ''بدعتی''، کبھی آپ کے شب وروز پر بے خبری کا الزام عائد کیا گیا اور کبھی قرآن وسنت سے عدم آگہی کی تہمت تراشی گئی۔ ''مفتیان وقت'' اور ''قاضیانِ عصر'' کے اشاروں پر حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خلاف ان لوگوں نے ہنگامہ آرائی کی جنہیں انسانیت کے دائرے میں شمار کرنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔ وہ کونسا ناشائستہ لفظ تھا جو حضرت محبوب الٰہیؒ کیلئے استعمال نہیں کیا گیا۔ دہلی کے اوباش لوگ برسر مجلس چلے آتے تھے

اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کو ان بے ہودہ کلمات کے ساتھ پکارتے تھے جن کا استعمال کسی کافر کیلئے بھی جائز نہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ ان تمام دشنام طرازیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے اور جب وہ لوگ اپنی خباثت نفسی کا مظاہرہ کر کے چلے جاتے تو آپ دست دعا بلند کر کے فرماتے۔

''اے اللہ! ان بے خبر لوگوں کو نظام الدین کے حق میں نہ پکڑنا۔ میں نے انہیں معاف کر دیا۔ تو بھی اپنی شان عفو و درگزر سے کام لے۔''

یہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ شہر دہلی بڑے بڑے عذابوں سے محفوظ رہا۔ اگر حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مخالفین اور شرپسندوں کو معاف نہ فرماتے تو اللہ کے ایک ولیؒ کی یہ دل آزاریاں ممکن ہے بہت خوفناک شکل اختیار کر لیتیں۔ اگر قارئین تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو ایسی بہت سی مثالیں سامنے آئیں گی کہ جب اولیاؒ کا مذاق اڑانے والوں کی پوری پوری بستیاں تباہ کر دی گئیں اور آسمان سے ایسا قہر نازل ہوا جو دردناک بھی تھا اور باعث عبرت بھی۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ بھی اپنی زندگی کی اس کڑی آزمائش سے گزرے اور سرورِ کونین ﷺ کی سنت کو زندہ رکھنے کیلئے آپ نے ہمیشہ معافی اور درگزر سے کام لیا۔ یہی آپ کی سب سے بڑی کرامت تھی، اگر لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک دن ایک شخص حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ کے ساتھ درویشوں اور خادموں کو دیکھا کہ نہایت غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آنے والا اس صورتحال سے بہت متاثر ہوا۔ پھر وہ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عرض کرنے لگا۔ ''اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سونا بنانا سکھا دوں تاکہ یہ معاشی تنگی اور بدحالی دور ہو جائے۔''

جواباً حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ ''رنگ آمیزی نصاریٰ (عیسائیوں) اور سونا

بنانا یہودیوں کی صفت ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک سونا بنانا زردروئی ہے (یعنی اپنے چہرے کو زرد کر لینا) نہ ہم مال کی طرف مائل ہیں اور نہ سونے کی طرف۔ نہ ہمیں دنیا کی حاجت ہے اور نہ ہم عقبیٰ (آخرت) کا سوال کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے خالق کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا مانگتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے اس مختصر سے جواب میں ایک مسلمان کیلئے پوری زندگی کا لائحہ عمل موجود رکھا۔ سونے کا رنگ بھی زرد ہوتا ہے اور ایک مومن کے چہرے کا بھی۔ یہ زردی کسی بیماری کے سبب نہیں ہوتی۔ لذیذ غذاؤں سے دوری، عیش و آرام سے کنارہ کشی، مسلسل خوف خدا اور گریہ نیم شبی، ایک مسلمان کے چہرے کو زرد بنا دیتی ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔

اور پھر اسی زرد رنگ پر مرض الموت کا رنگ غالب آنے لگا۔ آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کو عجیب مرض لاحق تھا۔ تمام طبیب تشخیص سے عاجز تھے اور ان کی حکمت حضرت نظام الدین اولیاؒ کی بیماری کے سلسلے میں ایک کار بے سود نظر آ رہی تھی۔ آپ دن میں کئی بار بے ہوش ہوتے اور پھر ہوش میں آجاتے۔ اسی دوران حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین عیادت کیلئے تشریف لائے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ میں اتنی بھی طاقت نہیں تھی کہ نیچے اتر سکتے۔ مصافحے کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے اپنی چارپائی پر بیٹھنے کیلئے کہا مگر ادب کی وجہ سے حضرت شیخؒ چارپائی پر نہ بیٹھے۔ آخر حضرت محبوب الٰہیؒ کے حکم پر کرسی لائی گئی اور حضرت شیخ رکن الدینؒ اس کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

''ابھی ہمیں آپ کی بہت ضرورت ہے۔'' حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے

درخواست کے انداز میں فرمایا۔ ''اگر آپ اپنی صحت کے بارے میں دعا فرمائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ حق تعالیٰ اسے رد نہیں کریں گے۔''

حضرت شیخ رکن الدینؒ کی محبت آمیز گفتگو سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ آبدیدہ ہو گئے اور نہایت پرسوز لہجے میں فرمانے لگے۔ ''شیخ! میں نے اپنے آقا ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے۔ سرور کونین ﷺ فرما رہے تھے کہ نظام! ہمیں تمہاری ملاقات کا بہت اشتیاق ہے۔''

حضرت نظام الدین اولیاؒ کی بات سن کر حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ اور دوسرے حاضرین رونے لگے۔ اب اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا تھا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا وقت آخر قریب ہے۔ جس شخص سے رسالت مآب ﷺ ملاقات کے خواہاں ہوں' وہ زندگی کو موت پر کیسے ترجیح دے سکتے تھے یہ تو حضرت نظام الدین اولیاؒ کا شرف خاص تھا کہ آقا نے غلام کو یاد فرمایا تھا۔ اسی حکم کو سن کر حضرت محبوب الٰہی نے دنیا سے دل اٹھا لیا تھا اور آخرت کے تصور میں مکمل طور پر غرق رہنے لگے تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنی وفات سے چالیس دن پہلے کھانا ترک کر دیا تھا اور ہر وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔

ایک عقیدت مند نے کہا۔ ''مخدومؒ! آپ نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا۔ اس طرح تو آپ کی صحت مزید کمزور ہو جائے گی۔

جواباً حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ ''جو سرور کونین ﷺ کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہو' وہ دنیاوی کھانا کیسے کھا سکتا ہے۔؟''

جمعہ کا دن تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ نے نماز ادا کی اور اسی عالم تحیر میں آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ پھر آپ پر پہلے سے زیادہ رقت طاری ہو گئی۔ بار بار زبان مبارک سے یہ مخصوص الفاظ ادا فرماتے۔

''آج جمعہ ہے اور دوست کو دوست کا وعدہ یاد ہے۔''

میں دوبارہ نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ ہر نماز کو دو مرتبہ ادا فرماتے۔

ایک دن اسی حالت میں حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے تمام اقربا' خدام اور مریدین کو جو دہلی میں موجود تھے' طلب فرمایا۔ پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنے خادم خاص خواجہ اقبالؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''تم لوگ اس بات کے گواہ رہنا کہ اگر اس نے گھر میں کوئی جنس بھی رکھی تو قیامت کے دن یہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔''

پیرومرشد کی بات سن کر خواجہ اقبالؒ رونے لگے۔ پھر لرزتے ہوئے جسم اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان کے ساتھ عرض کیا۔ ''یہ غلام' خانقاہ میں کچھ بھی باقی نہیں رہنے دے گا۔ یہاں جس قدر بھی اشیاء موجود ہیں ان سب کو آپ کے نام پر صدقہ کر دے گا۔''

پھر خواجہ اقبالؒ نے ایسا ہی کیا۔ خانقاہ میں جتنا بھی سامان تھا' ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ سوائے اناج کے جو درویشوں کی چند روز کی خوراک تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اسی وقت خواجہ اقبالؒ کو طلب کیا اور شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''تم نے اس مرداریت کو کس لئے باقی رکھا ہے؟''

خواجہ اقبالؒ نے عرض کیا۔ ''سوائے اناج کے گھر میں کچھ باقی نہیں ہے۔۔۔ اور غلے کا یہ ذخیرہ بھی اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ چند ہزار بھوکے اپنے شکم کی آگ بجھا سکیں۔''

حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ ''مخلوقِ خدا کو بلاؤ۔''

تھوڑی ہی دیر میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے خدمت گاروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''ان لوگوں سے کہو کہ انبار خانوں کے دروازے توڑ دیں۔ جس قدر غلہ موجود

ہے' بے خوف ہو کر لے جائیں اور وہاں جھاڑو پھر دیں۔''

لوگوں نے اپنے غم خوار اور مسیحا کا حکم سنا تو سب کے سب سر جھکائے کھڑے رہے۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو آپ کے بے قرار جذبوں کا اظہار کر رہے تھے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے دوبارہ فرمایا۔ ''وقت بہت کم ہے' میں چاہتا ہوں کہ آنکھ بند ہونے سے پہلے' سینے کے اس بوجھ کو کم کر دوں۔''

مسکینوں اور محتاجوں نے دوبارہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کا حکم سنا اور انبار خانوں سے تمام اناج اٹھا کر اپنے اپنے گھروں کو لے گئے۔

اس واقعے کے بعد خدام نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ ''سیدی! آپ کے بعد ہم فقیروں کا کیا ہوگا؟''

جواباً حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ ''تم لوگ پریشان کیوں ہوتے ہو؟ کیا تمہیں دینے والے کی رزاقی پر یقین نہیں رہا؟''

مریدوں اور خادموں نے شرمساری کی حالت میں سر جھکا دیئے۔ ''اس کے سوا کون دینے والا ہے؟''

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا۔ ''تم لوگ نذر و نیاز کے طور پر میرے روضے سے اس قدر پاؤ گے کہ وہ تمہارے لئے کافی ہوگا۔''

بعض خدمت گاروں نے عرض کیا۔ ''ہمارے درمیان اس آمدنی کو تقسیم کون کرے گا؟''

حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ ''وہ جس کا اس آمدنی میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔''

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے کپڑوں کا صندوق طلب کیا۔ یہ اس مرد درویش کا کل اسباب تھا جس نے نصف صدی تک ہندوستانی عوام کے دلوں پر

حکومت کی۔ جس کی بارگاہ میں سلاطین وقت مال و متاع کے انبار لے کر حاضر ہوتے تھے' آج اقلیم معرفت کا وہی تاجدار اپنا خزانہ لٹا رہا تھا۔ یہ خزانہ چند دستاروں' نماز کے مصلّوں اور معمولی کپڑوں پر مشتمل تھا۔

تمام مریدوں اور خدمت گاروں کی نظریں حضرت محبوب الٰہیؒ کے دست کرم پر مرکوز تھیں اور وہ سب کے سب اس بات کے منتظر تھے کہ بارگاہ شیخ سے کس کو کیا عطا ہوتا ہے؟

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنی ایک دستار' پیرہن خاص اور مصلے حضرت مولانا برہان الدین غریبؒ کو عطا کرتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ وہ ہندوستانی صوبے گجرات جا کر سلسلۂ چشتیہ کے کار تبلیغ کو جاری رکھیں' اسی طرح ایک پیرہن' دستار اور مصلّٰی مولانا شمس الدین یحیٰؒ کو عطا کیا۔ شیخ موصوف کا مزار اسی چبوترے پر ہے جہاں حضرت محبوب الٰہیؒ کے اکثر مریدان خاص مدفون ہیں۔

الغرض اس صندوق میں جو کچھ موجود تھا' سب تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت سید نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ بھی اس وقت موجود تھے مگر حضرت محبوب الٰہیؒ کی بارگاہ کرم سے آپ کو کوئی چیز عطا نہیں ہوئی۔ پیر و مرشد کے اس طرز عمل پر حاضرین کو سخت تعجب تھا۔ خانقاہ کے بعض خدام نے حضرت نصیر الدین محمودؒ سے اس واقعے کا ذکر بھی کیا مگر آپ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

''حضرت شیخ بہتر جانتے ہیں کہ کون کس چیز کا اہل ہے؟''

جب حضرت چراغ دہلویؒ یہ فرما رہے تھے' اس وقت ان کے چہرۂ مبارک پر شکایت کے بجائے سرشاری کا رنگ جھلک رہا تھا۔ یہ وہی منزل تھی' جب ایک مرید اپنے شیخ کی رضا کو زندگی کا حاصل سمجھ لیتا ہے اور محرومی کے عالم میں بھی یہی سمجھتا ہے کہ جیسے اس نے

سب کچھ پالیا ہو' جب حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مریدوں میں تبرکات تقسیم فرما رہے تھے تو حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ انتہائی مسرور و مطمئن نظر آ رہے تھے۔

پھر سہ شنبہ کے روز نماز عصر کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ نے حضرت چراغ دہلویؒ کو طلب کیا۔۔۔۔اور خرقہ' عصا' مصلے' تسبیح' لکڑی کا پیالہ اور جو کچھ حضرت بابا فریدؒ سے ملا تھا' وہ سب حضرت نصیر الدین محمودؒ کو عطا کرتے ہوئے فرمایا۔

''تمہیں شہر دہلی میں رہ کر لوگوں کے ظلم و جور برداشت کرنے چاہئیں کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

پھر وقت معلوم آ پہنچا جو اہل دل کیلئے قیامت سے کم نہیں تھا۔ جب مرض الموت نے شدت اختیار کی تو حضرت محبوب الٰہیؒ سے دوا پینے کی درخواست کی گئی۔ مگر آپ نے دوا پینا تو درکنار' اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا' مریدین اور خدام بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہے تھے' جب بار بار دوا پینے کی التجا کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

عشق کے مریضوں کیلئے دیدار دوست کے سوا کوئی دوا نہیں ہے۔

جب سلطان محمد تغلق کو خبر ہوئی تو اس نے اپنا شاہی طبیب اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی۔ ''مجھے آپ کی عیادت کا بہت اشتیاق ہے۔ اگر اجازت ہو تو دست بوسی کیلئے حاضر ہو جاؤں۔''

جب سلطانی طبیب خانقاہ پہنچا تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ پر غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ میں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ خدام نے عرض کیا کہ آپ نے نماز ادا کر لی ہے۔ یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ نے بستر پر لیٹے لیٹے دوبارہ نماز ادا کی۔

اچانک حضرت کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ آپ نے بلند آواز میں فرمایا۔

''حضرت شیخ عالم (حضرت بابا فریدؒ) تشریف لائے ہیں۔ مجھے تعظیم کیلئے اٹھاؤ''

حضرت شیخ کا حکم سن کر سب لوگ آگے بڑھے تاکہ آپ کو سہارا دے کر اٹھایا جائے۔ اچانک حضرت پر سکوت طاری ہو گیا اور سانس کی حرکت بھی بند ہو گئی۔ چاشت کا وقت تھا اور سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ یہ چہار شنبہ کا دن تھا۔ ربیع الآخر کی اٹھارہ تاریخ تھی اور 725ھ کا سال تھا' جب آفتاب چشتیہ غروب ہوا اور سرزمین ہند پر غموں کا گہرا اندھیرا پھیل گیا۔

اچانک اطلاع ملی کہ سلطان محمد تغلق آیا ہے اور اس کے ساتھ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ بھی تشریف لائے ہیں۔ سلطان محمد تغلق اس حالت میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے جسم مبارک کے قریب آیا کہ شدت غم سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ سلطان نے اپنے ہاتھوں سے چادر ہٹائی اور آخری بار حضرت محبوب الٰہیؒ کی زیارت کی۔ مہندر ہر دیو کی روایت ہے کہ فرمانروائے ہندوستان اس قدر رویا کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ سلطان محمد تغلق اپنے باپ سلطان غیاث الدین کی موت پر بھی اتنا نہیں رویا تھا۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی ذات گرامی سے وہ بے لوث محبت تھی جس نے والیٔ ہند کا صبر و قرار چھین لیا تھا۔

جب سلطان محمد تغلق کی طبیعت کسی قدر پرسکون ہوئی تو اس نے خدام سے پوچھا۔ حضرت شیخ کی تدفین کا انتظام کہاں ہوگا؟''

سید حسین کرمانیؒ نے آگے بڑھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ کی وصیت کا ذکر کیا اور تالاب کے اندر دفن کرنے کی تجویز' بادشاہ کے گوش گزار کر دی۔

سلطان محمد تغلق نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور اپنے وزیر احمد ایاز خواجہ کو حکم دیا کہ وہ فوراً مزدوروں کا انتظام کرے۔ حکم سلطان کی بجا آوری کیلئے احمد ایاز خواجہ اسی وقت

گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر سے سینکڑوں مزدوروں کو لے کر آیا' مزدوروں نے تھوڑی ہی دیر میں تالاب کو مٹی سے بھر دیا۔۔۔۔اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کی قبر تیار کر دی گئی۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

نماز کے بعد حاضرین نے دیکھا کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ ایک گوشے میں کھڑے رو رہے تھے۔ دوسرے درویشوں نے صبر کی تلقین کی تو آپ نے فرمایا۔

''سلطان المشائخؒ کا ہم سے بچھڑنا ایسا صدمہ نہیں جسے گردش ماہ وسال دھندلا کر دے۔ مفارقت کا یہ داغ تو بے شمار سینوں پر ہمیشہ روشن رہے گا۔ میں تو شیخ کی اس محبت کو یاد کر کے روتا ہوں کہ مجھے آخری وقت میں فراموش نہیں کیا۔ جاتے جاتے بھی اپنے اس نیاز مند کو سعادت عظیم سے سرفراز کر گئے۔''

کچھ لوگوں نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے دریافت کیا۔ ''وہ کیا سعادت تھی؟''

جواب میں حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ ''میں گذشتہ چار سال سے ملتان جانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر حضرت محبوب الٰہیؒ یہی فرماتے تھے کہ ابھی جلدی کیا ہے؟ کچھ دن بعد چلے جانا۔ میں ادب واحترام کے سبب زیادہ اصرار نہیں کر سکتا تھا مگر اتنا ضرور سوچتا تھا کہ میرے قیام پر اس قدر زور کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس دوران میں مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی مگر آج اندازہ ہوا کہ روکنے کا سبب کیا تھا؟ نمازِ جنازہ کی امامت سے تو مشرف کر دیا مگر حضرت شیخؒ نے یہ نہیں سوچا کہ ان کے بغیر ہمارے دلوں پر کیا گزرے گی؟'' حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ بہت دیر تک جنازے کے قریب کھڑے روتے رہے۔

پھر جب جنازہ اٹھا تو سلطان محمد تغلق نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی میت کو کاندھا دیا' بادشاہ وقت کو خوش کرنے کیلئے وہ لوگ بھی جنازے میں شریک ہو گئے جو زندگی بھر حضرت

نظام الدینؒ کی مخالفت کرتے رہے تھے۔

بالآخر آفتاب چشتیہ کو قبر میں اتار دیا گیا' حاسد دنیا نے سمجھا کہ سورج بجھ گیا مگر اہلِ دل نے دیکھا کہ سورج کی روشنی تا حد نظر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے کردار و عمل کی روشنی تھی اور اس روشنی کو کبھی زوال نہیں آتا۔ بے شک! قدرت کے اٹل اصول کے تحت ایک موت حضرت محبوب الٰہیؒ پر وارد ہو چکی مگر دوسری موت آپ کا مقدر نہ تھی۔

اسے ہرگز موت نہیں آتی جس کا دل عشق کی تاثیر سے زندہ ہو غور سے دیکھ کہ جہاں کے دفتر پر ہمارے زندہ جاوید ہونے کی مہر ثبت ہے۔

اولیائے کرام کے زندہ جاوید ہونے کی روشن دلیل یہ ہے کہ جب تک وہ حیات رہے' شہنشاہ وقت ان کی بارگاہ جلال میں دست بستہ سر جھکائے کھڑے رہے۔۔۔۔ اور جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے مزارات مبارکہ کے گرد اڑنے والی خاک بھی اہلِ دل کیلئے اکسیر بن گئی۔ مسلمانان پاک و ہند کے دلی جذبات تو سب پر ظاہر ہیں کہ وہ سات صدیوں سے اپنے روحانی پیشوا حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کو والہانہ خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

گنج کرم پیر سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ
(المعروف کرماں والے)

ہندوستان کے ایک ضلعی مقام فیروز پور سے کچھ ہی فاصلے پر فیروز شاہ کا ریلوے اسٹیشن واقع ہے جس کے مشرق میں ایک گاؤں کرموں والا تھا۔ اس گاؤں کے ایک سید گھرانے میں نور کی ایسی کرن پھوٹی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان کے اندھیروں کو اجالوں میں بدلنا شروع کر دیا۔ کسی بھی زمانے میں حاسدین کی کمی نہیں رہی لیکن سید سکندر علی شاہ المعروف سید علی شاہ کے گھر میں پیدا ہونے والی عظیم روحانی ہستی حضرت سید اسماعیل شاہؒ نے روحانیت کی منزلیں طے کرنے کا سفر بچپن سے ہی شروع کر دیا تھا۔ آپ ابتداء سے ہی متقی، علم دوست اور سخی واقع ہوئے تھے۔ کمسنی میں کبھی خود کو احساس محرومی کا شکار نہیں ہونے دیا مصائب و آلام سے گھبرانے کی بجائے خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔ دینی مزاج رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر آپ بچپن سے ہی نمازوں کی پابندی فرماتے۔ تین بھائیوں میں آپ منجھلے تھے آپ کے بڑے بھائی سید نور شاہ دین کے ساتھ ساتھ آپ کو خاندانی کاروبار کی جانب بھی راغب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے خاندانی کاروبار میں دلچسپی لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ دنیا کے کام دنیا والے جانیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی میرا کارساز ہے۔ میری قسمت میں

جو کچھ ہو گا مل جائے گا۔

کرموں والا گاؤں میں زیادہ تر مسلمان ہی آباد تھے۔ ہندو اور عیسائی ذات کے لوگ بھی یہاں رہائش پذیر تھے۔ دس ہزار ایکڑ رقبے پر مشتمل یہ وسیع و عریض گاؤں ہر اعتبار سے دوسرے تمام قصبوں سے منفرد اور پرکشش تھا۔ گاؤں کی کشادہ گلیاں اس کے حسن میں مزید اضافہ کرتی تھیں۔ یہاں آباد مسلمانوں میں کچھ اہل حدیث مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے اپنے لئے ایک الگ مسجد بھی بنا رکھی تھی۔

رنگ، نسل اور مذہب سے بالاتر ہو کر گاؤں کے تمام لوگ گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہؒ کی بے حد عزت کرتے اور انہیں حد درجہ احترام سے نوازتے۔ یہاں پر رہنے والے زیادہ تر لوگ زراعت سے وابستہ تھے جبکہ تجارت حسب توقع ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔

آپ کی پیدائش سے چند سال پہلے علاقے کی ایک بہت بڑی روحانی شخصیت نے اپنے عقیدت مندوں کو بتایا کہ کرموں والا میں ایک ایسا ولی کامل پیدا ہو گا جس کا شہرہ پورے ہندوستان میں ہو گا اور مسلمانوں سمیت ہر مذہب کے لوگ ان سے فیض یاب ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ کرموں والا میں پیدا ہوئے تو ہر رنگ و نسل کے لوگ آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے گویا قدرت نے انہیں ذہنی طور پر اس مقصد کیلئے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ آپ حسینی سید ہیں۔ گاؤں سے چار میل کے فاصلے پر سلطان خاں والا میں ایک پرائمری سکول تھا ابتدائی تعلیم کیلئے آپ کو وہاں داخل کروا دیا گیا۔ جبکہ دینی تعلیم میاں رحمت علی جو کرموں والا گاؤں میں ہی مقیم تھے، سے حاصل کی۔ میاں رحمت علی، حضرت مولانا شرف الدین چشتیؒ کے مرید تھے۔ مزید علوم حاصل کرنے کیلئے آپ دار العلوم نعمانیہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور میں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے بعد ازاں آپ جلال پور شریف

تشریف لے گئے۔ یہاں پیر فضل شاہ صاحب آپ کے ہم سبق رہے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس بائیس سال تھی۔

یہاں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جسے شجاعت حیدری کا ایک نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے جلال پور شریف میں ان دنوں ایک غیر مسلم نوجوان کی طاقت اور شہ زوری کے بہت چرچے تھے کلائی پکڑنے میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ جب آپ نے اس غیر مسلم نوجوان کی شہ زوری کی داستان اپنے دیندار بھائیوں کی زبانی سنی تو آپ نے اس کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں پیر حیدر شاہ صاحب نے آپ کی سرپرستی فرمائی اور سارے شہر کے سامنے کلائی پکڑنے کا مقابلہ شروع ہوگیا۔ پہلے گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہ صاحب نے غیر مسلم نوجوان کی کلائی ایسی پکڑی کہ وہ تمام تر کوشش کے باوجود بھی چھڑا نہ سکا پھر اس نے آپ کی کلائی مبارک پکڑی۔ جسے آپ نے نہایت آسانی سے چھڑا لیا۔ شجاعت حیدری کا یہ مظاہرہ دیکھ کر پیر حیدر شاہ صاحب سمیت شہر کے تمام مسلمان بہت خوش ہوئے اور آپ کو تحسین کی نظر سے دیکھنے لگے۔

بعد ازاں آپ دہلی اور سہارن پور کے دینی مدارس میں زیر تعلیم رہے اور جید علما سے حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہیں پر ایک بار آپ نے تقریری مقابلے میں حصہ لیا آپ کی تقریر سننے والے اس قدر متاثر ہوئے کہ سامعین کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے۔ بچپن سے ہی آپ میانہ روی کے قائل تھے۔ مدارس میں تعلیم کے دوران اگر کبھی کھانے کیلئے لنگر کم ملتا تو شکوہ کرنے کی بجائے آپ سوکھی ہوئی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر تناول فرما لیتے۔ یہ آپ کی قناعت پسندی کی سب سے بڑی دلیل تھی جن دنوں آپ سہارن پور میں زیر تعلیم تھے بازار کے ایک جانب آریہ سماجی پنڈت کی دکان تھی جو مسلمانوں کو دیکھ کر ان پر الٹ پلٹ سوالات کی بوچھاڑ کرتا رہتا تھا یہی وجہ تھی کہ بازار سے

گزرنے والے مسلمان طالب علم آریہ سماجی پنڈت کی دوکان سے کنارہ کش ہو کر گزرتے تھے۔ گنج کرم پر جب یہ حقیقت آشکارہ ہوئی تو آپ نے جان بوجھ کر اسی راستے کا انتخاب کیا جہاں اس پنڈت کی دوکان پڑتی تھی۔ جونہی آپ دوکان کے سامنے پہنچے تو آپ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے اپنے قدم روک لئے۔ آپ کو دیکھ کر اس پنڈت نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا لگتا ہے آپ مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے سوال کیا جس کا پنڈت جواب نہ دے سکا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پھر کبھی اس پنڈت نے کسی مسلمان طالب علم کو تنگ نہیں کیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زمانہ طالب علمی میں بھی آپ قابلیت کے اعتبار سے سب میں نمایاں تھے۔

آپ علوم ظاہری میں کمال حاصل کر چکے تو مرشد کامل کی تلاش کا شوق غالب ہوا۔ اپنے ابتدائی استاد میاں رحمت علی کے ہمراہ آپ فیروز پور شہر تشریف لے گئے جہاں ایک مشہور بزرگ مولانا شرف الدین چشتی قیام پذیر تھے جو آپ کے استاد میاں رحمت علی صاحب کے بھی مرشد تھے۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ بڑا مشہور ہوا جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"بعد عطائے خلافت آپ کے مرشد پاک خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے آپ کو فیروز پور شہر میں تبلیغ کیلئے بھیجا۔ آپ ساز بجانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ جب آپ فیروز پور شہر پہنچے تو آپ نے ساز بجایا ساز ینے کی آواز اتنی سریلی تھی کہ گردونواح کے لوگ بھی زبردستی اس جانب کھینچے چلے آئے جب ساز بجنا بند ہوا تو سرکردہ لوگوں نے آپ کو یہاں ڈیرہ جمانے کی اجازت اس شرط پر دی کہ آپ دوبارہ ساز نہیں بجائیں گے۔ آپ نے ساز نہ بجانے کا وعدہ کر لیا اور ساز حجرے کے کونے میں رکھ دیا۔ لوگ ابھی اٹھ کر تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ساز بجنے کی پھر سے آواز آنے لگی لوگوں کو بہت غصہ آیا کہ وعدہ کرنے کے

بعد بھی انہوں نے ساز بجانا شروع کر دیا ہے۔ جونہی یہ لوگ پلٹ کر اس جگہ پر پہنچے جہاں آپ تشریف فرماتھے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کونے میں پڑا ہوا ساز خود بخود بج رہا تھا اور مولانا شریف الدین پر وجد طاری تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے آپ کی مخالفت چھوڑ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس علاقے میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔''

مولانا شرف الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہ کے دل میں حق سبحانہ تعالیٰ کی بے انتہا محبت پیدا ہو گئی۔ ابھی روحانی پیاس عروج پر تھی کہ آپ کے مرشد مولانا شرف الدینؒ کا وصال ہو گیا۔ آپ کو مرشد کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔

فیروز پور چھاؤنی میں ایک مجذوب قیام پذیر تھے جو عام طور پر کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور دنیا داری سے تو بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ آپ اس مجذوب کو ملنے کیلئے فیروز پور چھاؤنی تشریف لے گئے جونہی آپ اس مجذوب کے روبرو پہنچے تو اس مجذوب کے ہاتھ میں چنے کی سبز ٹہنی تھی۔ مجذوب اس ٹہنی سے بونٹ توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔ گنج کرم کو دیکھتے ہی مجذوب نے کہا کہ ہمارے پیر شاہ صاحب تشریف لائے ہیں۔ بڑی محبت اور عزت سے بٹھایا پھر کہا شاہ جی! آپ کو بھوک بہت لگی ہوئی ہے بونٹ کھائیے۔ یہ کہہ کر سبز چنے کی ٹہنی انہوں نے آپ کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ نے بھی مجذوب کی طرح ٹہنی سے بونٹ توڑ کر کھانے شروع کر دیئے۔ جب ٹہنی پر لگے ہوئے بونٹ ختم ہو گئے تو مجذوب نے کہا معلوم ہوتا ہے ابھی آپ کی بھوک باقی ہے چنانچہ آپ کے ہاتھ سے چنے کی خالی ٹہنی لے کر اپنے ہاتھوں میں مسل دی۔ جونہی یہ ٹہنی مجذوب کے ہاتھوں سے آزاد ہوئی خالی شاخوں پر دوبارہ بونٹ لگے نظر آئے۔ مجذوب نے وہ ٹہنی پھر آپ کی جانب بڑھائی آپ نے پھر وہ سارے بونٹ کھا لئے مجذوب نے پھر فرمایا شاہ جی ابھی آپ کی بھوک کچھ باقی

ہے۔ یہ کہہ کر تیسری مرتبہ چنے کی ان شاخوں کو اپنے ہاتھوں میں مسلا دیا۔ وہ شاخیں پھر پھل سے لد گئیں چوتھی مرتبہ اس پر دو لکیریں (+) افقی اور عمودی کھینچ دیں جو بظاہر جمع کے نشان کی طرح تھیں اور فرمایا کہ آپ شرق پور شریف حضرت میاں شیر محمدؒ کی خدمت میں جائیں وہ وقت کے قطب ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کا حصہ وہاں پر ہے میرا سلام عرض کرنے کے بعد یہ ٹھیکری ان کی خدمت میں پیش کر دیجئے گا۔ ٹھیکری حاصل کرنے کے بعد آپ نے سوچا کہ شرق پور جانے کی اطلاع گھر دیتا جاؤں۔ یہ خیال ابھی دل میں ہی تھا کہ مجذوب نے کہا شاہ جی اب گھر نہ جائیں بلکہ یہاں سے سیدھے شرق پور جائیں اور میاں صاحب کی خدمت میں حاضری دیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ بذریعہ ریل گاڑی رائے ونڈ کیلئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے مولن وال پتن پر کشتی کے ذریعے دریائے راوی عبور کیا۔ دریا عبور کرنے کے بعد جب آپ شرق پور تشریف لے جا رہے تھے تو جنگل اور جھاڑیوں میں چلتے ہوئے آپ کی جوتی ٹوٹ گئی۔ جسے آپ نے ایک جھاڑی میں پھینک دیا یہاں سے شرق پور شریف کا سفر ابھی تین میل باقی تھا جب آپ اکیلے ہی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھے اچانک ایک جگہ پر ایک نورانی صورت والے بزرگ سے ملاقات ہو گئی۔ بزرگ نے شاہ صاحب کے لقب سے مخاطب کرتے ہوئے آپ سے منزل کے بارے میں پوچھا۔ آپ حیران تھے کہ انہیں میرے سید ہونے کا علم کیسے ہوا حالانکہ ان سے یہ پہلی ملاقات تھی آپ نے تجسس بھرے لہجے میں فرمایا کہ میں شرق پور شریف حضرت میاں شیر محمد صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے جا رہا ہوں۔ اجنبی بزرگ نے فرمایا آپ ننگے پاؤں کیوں ہیں آپ نے عرض کی راستے میں میری جوتی ناکارہ ہو گئی تھی جسے میں نے پھینک دیا ہے یہ جواب سن کر اجنبی بزرگ نے اپنے پاس سے ایک جوتی نکالی۔ جوتی کا ایک پاؤں اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر (داہنا ہاتھ نیچے کی طرف اور بایاں ایڑی کی

طرف) زمین پر رکھا اور فرمایا کہ اپنا دایاں پاؤں جھاڑ کر یہ پہن لو۔آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح بائیں پاؤں میں بھی دوسری جوتی پہنا دی۔آپ جوتی پہن کر اجنبی بزرگ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ایک جگہ اجنبی بزرگ نے آپ سے کہا کہ آپ سید ہیں' اہل علم ہیں' حافظ قرآن ہیں۔میاں شیر محمدؒ صاحب تو ذات کے آرائیں ہیں اور اتنے صاحب علم بھی نہیں۔ وہاں تو دوکانداری ہے آپ وہاں کیا لینے جارہے ہیں اجنبی بزرگ کی زبان سے نکلنے والے یہ الفاظ سنتے ہی آپ نے ان کی دی ہوئی جوتی اتار کر انہیں واپس کر دی اور کہا آپ اپنی جوتی لے لیں مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن آپ مجھے میاں صاحبؒ کی خدمت میں جانے سے نہ روکیں اور ایسے نازیبا الفاظ بھی ان کی شان میں مت کہیں آپ کی زبان سے ادا کیئے گئے الفاظ سن کر اجنبی بزرگ نے فرمایا کہ اچھا آپ جوتی نہ اتاریں اور میرے ساتھ چلے آئیں۔ جب چلتے چلتے آپ شرقپور شریف پہنچے تو اجنبی بزرگ آپ کو ایک مسجد میں لے گئے۔آپ کو وہاں بٹھا کر خود ملحقہ گھر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد اجنبی بزرگ نے ٹھنڈا اور لذیذ شربت آپ کو پینے کیلئے پیش کیا۔اسی اثنا میں اجنبی بزرگ نے فرمایا شاہ جی میں تتا پانی (چائے) نہیں پیتا۔آپ بھی نہ پیا کریں کچھ ہی دیر بعد کھانا لے آئے دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔نماز ظہر اور عصر کی نمازوں کی امامت اجنبی بزرگ نے فرمائی۔اس دوران آپ بالکل خاموش مسجد میں بیٹھے رہے اور کسی سے ذکر بھی نہ کیا کہ آپ یہاں حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ سے ملنے آئے ہیں نماز مغرب بھی آپ نے انہی کی اقتدا میں ادا فرمائی جس کے بعد اجنبی بزرگ بالاخانہ میں چلے گئے۔ بعدازاں ایک ایک کر کے تمام حاضرین بھی بالاخانہ میں جانے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد آپ کو بھی بالاخانے میں بلوایا گیا۔ جب آپ بالاخانے میں پہنچے تو آپ یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گم ہو گئے کہ وہی اجنبی بزرگ جو آپ کو جنگل میں ملے تھے ایک چھوٹی سی چارپائی پر دوزانو تشریف فرما ہیں۔ ناڑ کی ٹوپی پر دستار باندھ رکھی

ہے پیرہن سفید سادہ ہے یہ دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ رونے لگے۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے آپ کو چارپائی پر بٹھایا اور فرمایا کہ رونے کی ضرورت نہیں یہ بتاؤ یہاں کیسے آئے ہو۔ آپ نے مجذوب کی عطا کردہ ٹھیکری دے کر ان کا سلام بھی پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمدؒ نے فرمایا سلام کا جواب تو میں نے اسی وقت دے دیا تھا۔ آپ تو ایک قطب وقت کی بہت بڑی سفارش لائے ہیں میں آپ کو کیا دوں۔ اعلیٰ حضرت میاں صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ آپ کی طرف بحکم ربی کنوئیں کے پانی کی آڑ کھول دی ہے۔ پھر فرمایا کہ نہیں پانی کا کھالا دیا ہے پھر فرمایا کہ نہیں رزق کی نہر کھول دی ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اعلیٰ حضرت میاں صاحبؒ گویا ہوئے شاہ صاحب آپ اپنے گاؤں میں جمعہ پڑھایا کریں۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت تک آپ نے کبھی جمعہ نہیں پڑھایا تھا۔ اعلیٰ حضرت میاں صاحب کے فرمانے پر دل میں خیال آیا کہ دور نزدیک سے جو لوگ جمعہ پڑھنے کرموں والا پہنچیں گے ان کے قیام طعام کا انتظام بھی تو کرنا ہوگا۔ ابھی یہ خیال آپ کے دل میں ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا شاہ جی! مہمان اپنی قسمت ساتھ لاتے ہیں آپ فکرمند نہ ہوں۔ پھر دریافت فرمایا شاہ صاحب آپ کس جگہ سے آئے ہیں۔ آپ نے عرض کی حضور کرموں والا ضلع فیروز پور سے آیا ہوں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ شاہ صاحب کرموں والا نہیں کرماں والا کہیے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کو کرموں والا کی بجائے اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے مطابق کرماں والا کہہ کر ہی پکارا۔

اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق جمعہ بھی آپ نے پڑھانا تھا۔ اسی سوچ میں گم آپ اپنے گاؤں کے قریب 'ون کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ ایک اجنبی شخص اشیائے خوردونوش سے بھرے ہوئے چھ گدے لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ میاں

شیر محمدؒ نے بھیجے ہیں۔ ان میں ضرورت کی ہر وہ چیز موجود تھی جو لنگر کیلئے ضروری تھی۔ چنانچہ جمعہ کے دن ہی آپ نے زائرین کیلئے لنگر کا آغاز کر دیا۔ یہ لنگر آپ کے پردہ فرمانے کے بعد آج بھی آپ کے آستانے' حضرت کرماں والا میں جاری وساری ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز عصر کی امامت فرما رہے تھے کہ دوران نماز' اعلیٰ حضرت میاں شیر محمدؒ کا بار بار خیال دل میں پیدا ہونے لگا اور ساتھ ہی ساتھ ملن کی تڑپ بھی شدت اختیار کرنے لگی۔ نماز سے فراغت پاتے ہی آپ نے شرق پور شریف کیلئے رخت سفر باندھا۔ رائے ونڈ تک بذریعہ ریل سفر کیا۔ جب آپ رائے ونڈ پہنچے تو رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا۔ مقامی لوگ اپنے اپنے گھروں میں اور مسافر پناہ گاہوں میں پناہ لے چکے تھے۔ لیکن روحانی منزلوں کے متلاشی رات کے اس پہر بھی پر خطر راستوں میں اکیلے ہی گامزن تھے۔ موسم معتدل تھا نہ سردی تھی اور نہ گرمی! رائے ونڈ سے آپ پیدل ہی دریائے راوی موہلن وال کی طرف چل پڑے لیکن رات کے اندھیرے میں راستے سے بھٹک گئے اور اس جگہ کا صحیح تعین نہ ہو سکا جہاں سے دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کرنا تھا۔ ماحول پر مکمل سکوت طاری تھا۔ اچانک سرکنڈوں میں کسی حرکت کا احساس ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا راہگیر ہوگا چلو اس سے راستہ پوچھ لیں گے۔ مگر وہ مہیب قسم کا بھیڑیا تھا۔ آپ بالکل خالی ہاتھ تھے اپنی حفاظت کیلئے کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ بھیڑیئے نے انگڑائی لی تو آپ کے دل میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی اسی اثنا میں آپ کو نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ یاد آ گئی کہ اللہ کے ولی کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہ خیال بھی آپ کے دل میں آیا کہ اتنے مجاہدوں اور ریاضت کے بعد اگر مقبول بارگاہ رب کریم نہیں ہوا تو ایسی زندگی کی ضرورت بھی کیا ہے۔ یہ سوچ کر آپ ازخود بھیڑیئے کی طرف بڑھے۔ بھیڑیا بھی قریب سے قریب تر آتا گیا۔ جب آپ دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہ

رہاتو بھیڑیا آپ کے پاؤں میں ادباً جھک گیا اور پاؤں کو ادباً سونگھ کر دریا کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑا۔ آپ نے بھیڑیئے کی اس حرکت سے خوف کھانے کی بجائے بھیڑیئے کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ کیونکہ بھیڑیا چلتا ہوا بار بار پیچھے آپ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ آپ کو تعاقب میں آنے کیلئے اشارتاً کہہ رہا تھا کچھ ہی دیر بعد ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا آنکھوں کے سامنے تھا۔ آسمان پر چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ جس کی چاندنی نما روشنی میں دریا کا پانی خوف اور دلکشی کا منفرد منظر پیش کر رہا تھا۔ یہاں عشق اور عقل کا جھگڑا ہونے لگا۔ عشق کہہ رہا تھا کہ بے خطر دریا میں کودا جائے جبکہ عقل ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا میں کود کر خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے باز رکھنے کی ترغیب دے رہی تھی۔ بہرکیف دریا کے کنارے پر پہنچتے ہی بھیڑیا غائب ہو گیا اور آپ بے خطر اعلیٰ حضرت میاںؒ صاحب کے حضور حاضر ہونے کیلئے دریا میں کود گئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دریا میں پانی کسی بھی جگہ آپ کو لنگوٹ سے اوپر محسوس نہیں ہوا۔

نماز فجر کے وقت آپ شرق پور شریف اعلیٰ حضرتؒ کے حضور پہنچے اور باوضو ہو کر مسجد میں دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ کپڑے بھیگے ہوئے تھے اسی اثنا میں اعلیٰ حضرت تشریف لائے اور فرمایا کرماں والا سے شاہ صاحب آئے ہیں آپ نے کہا بندہ حاضر ہے حضور! اس وقت اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں شربت کی ایک بوتل تھی جس سے ایک گلاس بھر کے آپ کو پینے کیلئے دیا۔ جب آپ شربت پی چکے تو دوسرا گلاس بھر کے دیا۔ جب یہ بھی ختم ہو گیا تو شربت سے بھرا تیسرا گلاس دیا۔ آپ کے بقول یہ شربت اتنا لذیذ اور خوش ذائقہ تھا کہ زندگی میں پہلے کبھی نہ پیا تھا۔ سارا دن آپ اسی مسجد میں قیام پذیر رہے۔ نماز مغرب کے بعد اعلیٰ حضرت نے الگ بٹھایا اور فرمایا کہ رب کریم کے ننانوے ناموں میں تمام برکتیں ہیں کسی کے پاس نہ جائیں نہ کوئی عورت آپ کے پاس آئے۔ خواہ نوے سال کی عمر ہی

کیوں نہ ہو۔ (حضور سرور کونین ﷺ کے بال مبارک تو لمبے تھے) (بابا شاہ علی شیر خداؒ کے بال حجامت شدہ تھے۔آپ کے بال بھی ایسے ہی ہیں) اعلیٰ حضرت نے مزید فرمایا کہ لوگوں کو اللہ اللہ بتادیا کرو۔یہی بیعت تھی یہی ارشاد تلقین اور خرقہ خلافت تھا۔

شرق پور شریف سے واپسی اور عطائے خلافت کے بعد دور نزدیک آپ کے چرچے ہونے لگے بے ساختہ لوگ آپ کی جانب کھنچے آنے لگے۔ فیروز پور اور گرد ونواح کا کوئی شخص جب بھی لطف وکرم کیلئے شرق پور شریف اعلیٰ حضرتؒ کے حضور جاتا تو آپ اس شخص کو یہ کہہ کر آپ کی طرف بھیج دیتے کہ یہ علاقہ حضرت سید اسماعیل شاہ صاحب المعروف کرماں والوں کا ہے ان کے پاس جائیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو طبیبانہ حکمت بھی نواز رکھا تھا۔کسی مریض کے بیماری بتانے سے پہلے ہی اس کا علاج بتا دیتے اور مریض ٹھیک بھی ہو جاتا۔آپ جسمانی شفا کے ساتھ ساتھ روحانی تسکین کا بھی اہتمام فرماتے۔ اپنے آبائی گاؤں کرموں والا میں آپ 1946ء تک قیام پذیر رہے۔ یہ گاؤں ریلوے اسٹیشن فیروز شاہ سے شمال کی جانب 3 میل کے فاصلے پر واقع ہے گاؤں تک پختہ سڑک نہیں تھی۔گاؤں تک پہنچنے کیلئے تمام سفر ریت پر پیدل ہی کرنا پڑتا تھا۔راستے میں ایک چھوٹا سا کنواں تھا۔جس کا پانی مسافروں کیلئے آب حیات سے کم نہ تھا۔ یہ کنواں اور اس سے ملحقہ چھوٹی سی مسجد آپ نے ہی تعمیر کروائی تھی۔ یہاں آپ کے ہاتھ سے لگا ہوا بیری کا درخت بھی تھا جو آنے والوں کی بھوک مٹانے کیلئے بیر اور دھوپ سے بچانے کیلئے سایہ فراہم کرتا تھا۔اسی دوران فرید کوٹ کے مہاراجہ نے اپنے ہاں تشریف آوری کے بدلے ریلوے اسٹیشن سے گاؤں تک پختہ سڑک کی تعمیر کا وعدہ بھی کیا لیکن آپ نے مہاراجہ کے ہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔مہاراجہ اس بنا پر آپ سے عقیدت رکھتا کہ اس کی والدہ آشوب چشم کی بیماری سے آپ کی دعا سے روبصحت ہوئی تھیں۔قیام پاکستان سے ایک سال قبل ہی

آپ کرموں والا گاؤں کو خیر باد کہہ کر فیروز پور شہر کے قریب ایک گاؤں موضع گوڈر والا میں قیام پذیر ہو گئے قیام پاکستان کے بعد آپ نے خاندان سمیت ہجرت کا فیصلہ کیا۔

بیل گاڑی کے ذریعے آپ اہل خانہ سمیت براستہ گنڈا سنگھ والا روانہ ہوئے راستے میں بیل گاڑی کا پہیہ ٹوٹ گیا۔ اس پر آزادی کے مخالف مشتعل سکھوں نے قافلے پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر کسی جانی نقصان کے آپ بخیر و خوبی سرزمین پاکستان پہنچ گئے۔ قصور شہر پہنچ کر کوٹ غلام محمد میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہاں سے آپ بصیر پور کے راستے کوئنکے گاؤں پہنچے۔ تجویز ہوا کہ موضع ''راؤ کے'' میں قیام کیا جائے مگر آپ نے یہ کہہ کر یہاں قیام کا فیصلہ مسترد کر دیا کہ یہاں سے کفر کی بو آتی ہے۔ بعد ازاں آپ عارف والا کے نزدیک چک نمبر E-B/57 میں رہائش پذیر ہو گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد اس گاؤں کو خیر باد کہہ کر آپ اہل خانہ سمیت عرس بابا فرید گنج شکرؒ پر پاک پتن تشریف لے گئے اور عید گاہ میں ڈیرہ لگا لیا۔ یہاں آپ کا قیام سوا سال رہا۔ آپ نے عید گاہ کی توسیع فرمائی۔ چار دیواری تعمیر کروائی، درخت لگوائے اتنی وسیع و عریض عید گاہ شاید ہی کسی شہر میں ہو۔

چونکہ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمدؒ نے آپ کو جمعہ پڑھانے کی تلقین فرمائی تھی اس لئے آپ نے جب عید گاہ پاکپتن میں نمازِ جمعہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو بابا فرید گنج شکرؒ آپ کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا آپ یہاں نماز جمعہ نہ پڑھائیں۔ چنانچہ آپ نے یہاں جمعہ نہ پڑھایا بلکہ انہی دنوں اعلیٰ حضرت میاں شیر محمدؒ کا عرس مبارک تھا آپ پاکپتن کو خیر باد کہہ کر شرق پور شریف تشریف لے گئے۔

اسی دوران کسی عقیدت مند نے جب آپ سے مستقل قیام کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی جگہ ہمارا مستقل قیام ہو گا جو قبلہ رخ ہو قریب ہی نہر

بہتی ہو سڑک قریب سے گزرتی ہو ریلوے سٹیشن بھی نزدیک ہی ہوتا کہ عقیدت مندوں کو آنے جانے میں دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ابھی مستقل جگہ کا حقیقت میں تعین نہیں ہوا تھا کہ آپ شرق پور شریف سے اوکاڑہ تشریف لے آئے اور یہاں ایک عقیدت مند شمس الدین پھاٹک والے کے ہاں قیام پذیر ہوئے جونہی آپ شمس الدین کے ریلوے کوارٹر میں جلوہ افروز ہوئے غریب عقیدت مند شمس الدین کے گھر میں بھی بہار آ گئی۔دور نزدیک سے عقیدت مندوں نے ادھر کا رخ کر لیا اوکاڑہ شہر کے لوگ بھی آپ کے بارے میں سن کر قدم بوسی کیلئے آنے لگے۔چھوٹے سے ریلوے کوارٹر میں آنے والے زائرین کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا لیکن شمس الدین کی قسمت پر بہت سے عقیدت مند ناز بھی کرنے لگے۔ کیونکہ ہر عقیدت مند کی خواہش تھی کہ آپؒ ان کے ہاں قیام پذیر ہوں۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر پکا چک کے نام سے ایک گاؤں ہے وہاں ایک وسیع عریض متروکہ حویلی خالی پڑی ہے اب بفضلہ تعالیٰ وہاں جانے کا ارادہ ہے۔

اس حویلی کی طرزِ تعمیر ہندوانہ نہیں بلکہ اسلامی ہے۔گلیاں بھی شمالاً جنوباً ہیں حویلی کا رخ بھی قبلہ کی جانب ہے۔کچھ ہی فاصلے پر نہر بھی بہتی ہے اور سڑک بھی قریب سے گزرتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ حویلی بطور خاص ہمارے لئے ہی بنائی گئی تھی۔

اس ارشاد کے چند ہی دنوں بعد وہ حویلی آپ کو الاٹ کر دی گئی۔یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ پکا چک گاؤں اس سے پہلے رام نگر کے نام سے مشہور تھا جسے گنگا رام نے آباد کیا تھا۔گنگا رام کی حتی المقدور کوشش تھی کہ اس گاؤں کے مکینوں کو ریلوے اسٹیشن کی سہولت میسر آ جائے لیکن اوکاڑہ شہر سے صرف چار میل کے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے گنگا رام کی ان کوششوں کو پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

آپ کے پکا چک میں تشریف لانے سے پہلے ہندوؤں اور سکھوں کے خالی کئے ہوئے گھروں میں ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مرزائیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ انہوں نے آپ کی یہاں منتقلی کی شدید مخالفت کی اور اپنے اثر ورسوخ سے آپ کے نام ہونے والی حویلی کی الاٹمنٹ بھی منسوخ کروادی۔لیکن بعدازاں وزیر مال فضل الٰہی نے یہ الاٹمنٹ بحال کر کے مرزائیوں کی تمام سازشوں کا خاتمہ کردیا۔مرزائیوں کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود آپ نے ان کو اپنے حسن اخلاق سے اپنا گرویدہ بنالیا بالآخر تمام مرزائی آپ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔

آپ کا ایک عقیدت مند ان دنوں پاکستان ریلوے میں اسسٹنٹ ٹریفک آفیسر کے عہدہ پر فائز تھا۔آپ نے اس سے فرمایا کہ یہاں ریلوے اسٹیشن کھولنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔اس نے عرض کی آزمائشی ریلوے اسٹیشن کا اجرا تو میں خود بھی کرسکتا ہوں۔ مستقل اسٹیشن کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ اس اسٹیشن سے ریلوے کو پانچ سات سوروپے ماہوار کی آمدنی بھی ہو۔اس پر آپ نے فرمایا کہ اسٹیشن کے قیام کے سلسلے میں کوشش کریں انشاء اللہ اس سے زیادہ آمدنی ہوگی۔آپ کی مناسبت سے اس ریلوے اسٹیشن کا نام ''حضرت کرماں والا'' رکھا گیا اور یہ ریلوے اسٹیشن 15 راکتوبر 1950ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ابتدا میں یہاں لاہور سے اوکاڑہ آنے اوکاڑہ سے لاہور جانے والی دوٹرینیں رکا کرتی تھیں گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہ بخاریؒ نے بنفس نفیس کئی مرتبہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ بذریعہ ٹرین سفر کیا۔

آپ کی خواہش پر 1951ء میں یہاں ڈاکخانہ بھی کھل گیا۔اسی دوران اکثر اوقات آپ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمدؒ کے ہاں شرق پور تشریف لے جایا کرتے تھے۔لاہور میں بھاٹی دروازہ میں عقیدت مند ماسٹر پیر بخش صاحب کے ہاں بھی قیام فرماتے۔پرانی

منڈی میں کریم بخش، محمد شفیع بھی ان خوش نصیبوں میں شامل تھے جن کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا۔

داتا گنج بخش ہجویریؒ اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزارات پر بھی آپ باقاعدگی سے حاضری دیتے۔

ابتدا میں پانچوں نمازیں آپ حویلی میں پڑھاتے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد لب سڑک چھپروالی جگہ پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی۔ وقت، ضرورت اور حالات کے مطابق جسے کشادہ کیا جاتا رہا۔

اولیائے کرام جب اپنے مقام کی منزلیں مکمل کر لیتے ہیں تو روح کی طاقت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ مقبولین بارگاہ الٰہی کو گوناگوں امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے جن میں جسمانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔ آخری چند سالوں میں پیشاب کی بیماری نے آپ کے صبر کا امتحان لینا چاہا۔ کچھ عرصہ آپ میو ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ کے کمرہ نمبر 17 میں زیر علاج رہے۔ لاہور میں دوبارہ علاج کیلئے آپ کا قیام مولوی محمد امین صاحب شرقپوری کے ہاں رہا جو ان دنوں گلبرگ میں قیام پذیر تھے۔ بیماری کی حالت میں ڈاکٹروں نے روزہ قضا کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے روزہ قضا نہ کیا۔ ایک دن یونہی اپنے ایک عقیدت مند حافظ نذیر احمد صاحب سے آپ نے فرمایا ایک صندوق تیار کرو تابوت جیسا، صندوق سات فٹ لمبا۔ تین فٹ چوڑا، چار فٹ اونچا ہو، نچلا تختہ سوا انچ موٹا ہو، نیچے قبضے لگا کر تابوت کی شکل بنے۔

''حضرت کرماں والا'' میں آپ کے قیام کو 15 سال ہو چکے تھے۔ آخری دنوں پیشاب کے مرض نے شدت اختیار کر لی۔ چنانچہ 27 رمضان المبارک 1385ھ 20ر جنوری 1966ء بروز جمعرات بوقت تین بج کر پینتالیس منٹ پر گنج کرم حضرت سید

اسماعیل شاہ بخاریؒ دنیا سے پردہ فرما گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

بے شک ہم سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ دنیا میں آنے والے ہر ذی شعور کو ایک نہ ایک دن موت کا مزا تو چکھنا ہے موت ایک گنہگار کیلئے تو سزا ہے لیکن نیک سیرت انسانوں کے موت قرب الٰہی کا ایک سبب ہے جب اولیائے کرام اس زندانِ دنیا سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ان کی روحانی طاقت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا ایسی مبارک ہستیوں کو مردہ تصور کر کے ان کے روحانی فیضان سے محروم ہو جانا بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

دیار کی لکڑی سے آپ کی ہدایات کے مطابق تابوت تیار کیا گیا۔ آبِ زم زم سے بھیگا ہوا کفن تیار کیا گیا جو آپ کے فرزند صاحبزادہ محمد علی شاہ صاحب سجادہ نشین مکہ شریف سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ غسل مبارک رات ساڑھے گیارہ بجے دیا گیا۔ غسل مبارک کے بعد آپ کی میت شریف عطریات چھڑکنے کے بعد آپ کے کمرہ میں رکھ دی گئی۔ رخ انور سے کپڑا اٹھا دیا گیا تاکہ مشتاقین زیارت آخری بار دیدار کر سکیں۔ تمام رات قرآن خوانی ہوتی رہی۔ لوگ زیارت سے مشرف ہوتے رہے حد نگاہ تک عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ کراچی سے پشاور تک کے لوگ طویل سفر طے کر کے ولی کامل گنج کرم حضرت سید اسماعیل شاہ بخاریؒ آخرت میں شرکت کیلئے پہنچ چکے تھے۔ ہر شخص آپ کی جدائی کے صدمے سے نڈھال تھا۔ ہچکیوں اور آہوں کی گونج نے فضا کو مغموم اور اداس کر دیا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

نمازِ جمعہ کے بعد نماز جنازہ صاحبزادہ سید محمد علی شاہ صاحب نے پڑھائی۔ جس میں لاکھوں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ روضہ مبارک کیلئے جگہ مسجد کے بائیں جانب

منتخب کی گئی اس جگہ کے قریب ہی ایک مضبوط لکڑی زمین ایستادہ تھی۔آپؒ نے اپنی رحلت سے پہلے اس لکڑی کے ساتھ بجلی کا تار اور بلب لگوا دیا تھا اور روشنی کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اس جگہ پر کئی چھوٹے بڑے درخت تھے۔جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب یہ تمام درخت جڑوں سے اکھاڑ کر دیئے گئے اور زمین ہموار کر دی گئی۔صرف ایک بڑ کا درخت باقی رہنے دیا گیا۔تاکہ قدرتی سایہ رہے قبر مبارک کی جگہ پر پختہ اینٹوں سے چوکھنڈی تیار کی گئی۔لکڑی کا صندوق تیار کر کے اس کے اندر چاروں طرف روئی رکھ کر کفن سے بچا ہوا کپڑا روئی کے اوپر پیوست کر دیا گیا۔صندوق کو قبر کے اندر لانے کیلئے اس کے اندر ریت بچھا دی گئی۔یہ صندوق چوکھنڈی کے اندر اتارا گیا۔بعد نمازِ جنازہ آپ کی چارپائی قبر مبارک کے پاس لائی گئی قبلہ مرشدی کے جسم مبارک کو صاحبزادہ سید محمد علی شاہ صاحبؒ اور مولانا غلام علی اوکاڑیؒ نے صندوق میں اتارا پھر صندوق کا منہ بند کر دیا گیا۔چوکھنڈی پر بالے رکھ کر پختہ اینٹوں کی چھت ڈال دی گئی۔پھر ارد گرد مٹی اور ریت ڈال کر آفتاب رشد و ہدایت کو خاک کے پردہ میں نہاں کر دیا گیا۔آپ کے وجود مبارک کی برکت سے زمین کا یہ قطعہ رشک جنت بن گیا۔

چیدہ چیدہ کرامات

ایک روز آپ شاہی مسجد لاہور میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص گھبرایا ہوا جا رہا تھا۔حضرت نے خادم سے کہا اس سے دریافت کرو۔کیا تکلیف ہے پتہ چلا کہ اس کا بھائی دو برس سے مفقود الخبر ہے۔حضرت نے اس کو بلا کر فرمایا۔مسجد کے بڑے دروازے پر دیکھو۔ اس نے وہاں دیکھا تو اس کا بھائی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔پھر دونوں بغل گیر ہو گئے۔

سمہ سٹہ ریلوے اسٹیشن کے ایک ملازم کا لڑکا دیوانہ تھا۔زنجیروں سے باندھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔یہ تو ٹھیک ہے اور پھر

لڑکے کو فرمایا کیوں بیلیا! تو ٹھیک ایں ناں۔ لڑکے نے کہا جی ہاں' فرمایا دیکھ لو اب یہ خود بھی کہتا ہے۔ اس دن سے اس کا دیوانہ پن جاتا رہا۔

چودھری غلام رسول نے بیان کیا کہ میں حقہ کی عادت چھوڑ چکا تھا۔ مگر پانچ چھ سال کے بعد یہ عادت پھر عود کر آئی۔ پھیپھڑے خراب ہو گئے اور علاج سے کوئی آفاقہ نہ ہوا ڈاکٹر ریاض حسین شاہ ماہر امراض ٹی بی (تپدق) نے تشخیص کے بعد کہا کہ ٹی بی کی بیماری آخری سٹیج پر ہے۔ پھر حضرتؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے ''لسی'' پلائی اور فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ رب کریم خیر کر دے گا۔'' خیر ہو جائے گی۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بغیر علاج معالجہ کے رب کریم نے صحت عطا فرما دی۔

حاجی خورشید احمد نے آپؒ کی کراماتوں کے بارے میں کہا کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ ان کے کارخانہ واقع پاک پتن شریف میں تشریف لائے۔ ایک شخص جو گنٹھیا کا مریض تھا حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شفایابی کیلئے عرض کی۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا۔ ''تم نے کوئی گناہ کیا ہے۔'' اس نے کہا کہ ایک زمیندار نے گائے دی تھی۔ اسی زمیندار کے کھیتوں سے چوری چوری چارہ لا کر اس گائے کو ڈالتا رہا اور اس کا دودھ پیتا رہا۔'' اقبال گناہ پر حضرت قبلہ خوش ہوئے اور اسے فرمایا۔ اٹھو۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ رکوع میں جاؤ۔ وہ رکوع میں چلا گیا۔ پھر فرمایا دوزانو بیٹھ جاؤ جو چل پھر نہیں سکتا تھا۔ آسانی سے دوزانوں بیٹھ گیا اور اسی وقت تندرست ہو کر چلا گیا۔

حضرت قبلہؒ نے اپنے گاؤں ''کرماں والا'' میں کہہ رکھا تھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر مستورات کو گانے بجانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ ایک دفعہ ایک زمیندار کی نواسی نے اپنے ایک عزیز کی شادی میں گانا بجانا شروع کر دیا جب کافی اودھم مچی اور وہ منع کرنے کے باوجود باز نہ آئی تو اس کے پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ زور زور سے چلانے لگی۔ چنانچہ گھر

والوں نے چودھری فخر الدین کی معرفت حضرت قبلہ سے معافی کیلئے درخواست کی۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر وہ لڑکی گانے سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ رحم کر دے گا۔ چنانچہ اس لڑکی نے توبہ کی اور اس کی تکلیف دور ہو گئی۔

مولانا محمد عمر اچھروی مناظرِ اعظم بیان کرتے ہیں کہ وہ زمانہ کم سنی میں حضرت کرمانوالہؒ کی خدمت میں قبلہ والدِ محترم کے ساتھ کرمانوالہ شریف حاضرِ خدمت ہوئے اور والد صاحب (مناظرِ اعظم محمد عمر صاحب) نے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں دعا کیلئے عرض کی، فرمایا مولوی جی! بچہ حافظ بھی ہو گا اور مولوی بھی، غیر حاضری کی عادت ختم ہو جائے گی۔ حضرت قبلہؒ نے کھانے کیلئے بوندی مٹھائی دی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (ان دنوں سلطان باہو صاحب مسجد جامع چوبرجی میں خطیب ہیں۔ آپ اتنے شیریں بیان واعظ ہیں کہ لوگ دور دور سے ان کا وعظ سننے کیلئے آتے ہیں)۔

ان کی ہی موجودگی میں ایک بابا حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنے سے قبل اپنی حقی اور دو عورتیں باہر درخت کے نیچے چھوڑ آیا۔ حضرت سرکارؒ نے فرمایا۔ ''بابا حقی تے تسبہ کتھے ای۔'' عرض کیا حضور نہ حقہ پیتا ہوں اور نہ تسبہ ہے، حضرت صاحبؒ نے ایک درویش کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو۔ درویش نے واپس آکر اصل حالات بتائے۔ غلط بیانی پر بابے کی خوب پٹائی ہوئی۔ حضرتؒ نے فرمایا، بابا اس عمر کو پہنچ چکا ہے اور عورت کی محبت دل میں ابھی تک جوان ہے کہ دو دو لئے پھرتا ہے اور مجھ سے دعا کراتا ہے۔

مولانا نور محمد لکھتے ہیں کہ میں 1929ء میں منڈاہر کلاں تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور میں رہائش پذیر تھا۔ یہ گاؤں سکھوں کا تھا۔ چند گھر کمہاروں کے تھے۔ ان میں ایک حاجی اسماعیل صاحب بھی تھے۔ انہوں نے نماز کی خاطر چھپر ڈال کر چبوترہ بنایا تو سردار کیسر سنگھ نے روک دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہم نے وہاں پختہ مسجد بنانے کا ارادہ کر لیا تو سکھوں نے

تھانہ مکتسر میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مضافات کے مسلمانوں نے کافی مدد کی مقدمہ شروع ہو گیا۔ حاجی صاحب حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیونکہ ان کے مرید بھی تھے۔ آپ نے ایک روپیہ دیا اور فرمایا کہ تم بے فکر ہو جاؤ۔ خداوند کریم مدد کرے گا۔ حاجی صاحب نے یہ روپیہ بحفاظت جیب میں رکھا۔ اگلے روز صبح مقدمے کی تاریخ تھی۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ فام سانڈ ان کے پیچھے لگ گیا ہے اور پیچھا نہیں چھوڑتا کہ اچانک حضرت صاحبؒ نمودار ہوئے اور سانڈ کو للکار کر بھگا دیا۔ حاجی صاحب خواب سے بیدار ہوئے۔ عدالت میں گئے کیسر سنگھ مقدمہ ہار گیا۔ اس طرح مسجد پختہ تعمیر کر لی گئی۔

حکیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب قبلہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اولاد کیلئے دعا کی التجا کی۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا رب کریم خود بڑا حکیم ہے۔ پھر سورۃ نصر پڑھی۔ "اذا جاء نصر الله.... انه كان توابا. اور فرمایا کہ حکیم جی رب کریم دو لڑکے عطا فرمائے گا۔ پہلے کا نام فتح اللہ اور دوسرے کا نام نصر اللہ رکھنا میں نے جب صحت یابی اور دو لڑکوں کی بشارت اپنی بیوی کو سنائی تو اس کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ایک تو نامراد پھوڑے سے خلاصی دوسرے اولادِ نرینہ کی خوشخبری۔ میری بیوی نے کہا کہ ایسے وقت میں جب قبلہ شاہ صاحب رحمت کے خزانے لٹا رہے تھے کچھ اور مانگ لیتے۔

میں نے کہا کہ مجھے شرم آئی کہ میں زیادہ حرص کا اظہار کروں اور حریص کہلاؤں۔

ایک پاؤلی آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا حضور غریب اور عیال دار ہوں۔ میری لڑکی گنجی ہے۔ علاج معالجہ کی طاقت نہیں دعا فرمائیں۔ سرکار نے فرمایا کہ جاؤ اور ہماری طرف سے اپنی بچی کے سر پر اپنا ہاتھ پھیر دینا۔ رب کریم خیر کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ حضرت صاحبؒ کے ہاتھ کا تصور کر کے جب پاؤلی نے

لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا تو گنج دور ہو گیا۔

ایک بیلی حج بیت اللہ شریف کیلئے روانہ ہونے سے پہلے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پہنچا اور اجازت چاہی۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ جب تم مدینہ منورہ جاؤ تو مسجد نبویؐ میں فلاں جگہ بیٹھنا۔ اس نے تعمیلِ ارشاد میں وہ جگہ تلاش کی اور وہاں بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اسے اونگھ آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم کی حاضری میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے کچھ کھانے کو عطا فرمایا۔ وہ شے اس نے کھالی۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس کی لذت محسوس کر رہا تھا۔

ایک دفعہ ایک عقیدت مند اپنی بیوی، بہو اور بھتیجی کو لے کر قبلہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا حضور لڑکے کی شادی کو کئی سال ہو گئے۔ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ بکرے کا سینگ سوختنی کر کے پیس کر کھلایا کریں۔ رب کریم خیر کرے گا۔ پھر عقیدت مند نے عرض کیا میری بچی کو شوگر کی تکلیف ہے، فرمایا اسے بھی یہی دوائی کھلا دیا کرو۔ پھر عرض کیا کہ بھتیجی کو بواسیر کی مرض ہے۔ فرمایا کہ پنبہ دانہ، نخود سیاہ۔ گڑ کی گولیاں بنا کر کھلائیں، چنانچہ آپؒ کے ارشاد کے مطابق سب کو صحت ہو گئی۔

عبدالرزاق نامی ایک طالب علم قرآن مجید کے بیس سپارے حفظ کر چکا تھا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ پھرتے پھراتے کرمونوالہ شریف پہنچ گیا۔ آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا کہ سورۃ الرحمٰن کی آیت ''یمعشر الجن.... الا بسلطٰن'' پڑھو۔ حضرت صاحب پڑھتے گئے اور وہ دہراتا گیا۔ تین مرتبہ پڑھنے کے بعد اس کی غیر حالت خود بخود درست ہو گئی۔ اسے نہلایا گیا، حجامت بنوائی گئی اور نئے کپڑے پہنائے گئے، اور وہ غریب طالب علم تندرست ہو کر واپس چلا گیا۔

آپؒ کے ایک مرید پاکپتن شریف میں بیمار پڑ گئے اوپر نیچے گرم سرد اشیاء کھانے

سے معدہ میں شدت کا درد پیدا ہوا۔ ڈاکٹر بے بس تھے۔ موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ ذرا اونگھ آئی تو مزید قبلہ حضرت صاحبؒ کو تشریف فرما دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دو۔ کوئی دوا ہرگز استعمال نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے ارشادِ گرامی کی تعمیل کی تو رب کریم نے انہیں صحت عطا فرما دی۔ حالانکہ ڈاکٹر جواب دے چکے تھے۔

ملک سردار محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری نماز ہمیشہ قضا ہو جاتی تھی۔ 1957ء میں قبلہ حضرت صاحبؒ حضرت کیلیانوالہ شریف جاتے ہوئے محمد شفیع صاحب کے مکان واقع شیش محل روڈ میں ٹھہرے۔ مَیں بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ 11/30 کا وقت تھا۔ حضرت قبلہؒ نے دیکھ کر فرمایا بابو جی کلمہ کتنی دفعہ فرض ہے۔ عرض کیا کہ ایک مرتبہ' پھر فرمایا نماز' عرض کیا کہ دن میں پانچ مرتبہ' پھر فرمایا کتنی مرتبہ' عرض کیا پانچ مرتبہ۔ مگر دل پھر بھی مائل نہ ہوا۔ چند منٹ کے بعد فرمایا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ کیا کھاؤں عرض کیا کہ دواء المسک اپنے خادم کو بلایا کہ فلاں شیشی اٹھا لاؤ۔ چنانچہ خادم وہ شیشی لے آیا۔ شیشی کھول کر آپ نے دواء المسک مجھے کھلا دی۔ پھر آپ نے خود نوش فرمائی۔ اس واقعہ کے بعد میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اب حالت یہ ہے کہ جونہی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ طبیعت میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اور نماز ادا کرنے کے بعد ہی سکون نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد مجھے سگریٹ پان سے بھی نفرت پیدا ہو گئی کچھ عرصہ بعد پھر طبیعت راغب ہو گئی۔ ایک دن بخار 106 درجہ تک ہو گیا۔ مَیں نے حضرتؒ صاحب کو پکارا اور عرض کیا کہ اب سگریٹ نہیں پیوں گا۔ چنانچہ بخار اترنا شروع ہو گیا اور مَیں بغیر دوا کے تندرست ہو گیا۔ اس کے بعد آج تک سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

یہی ملک صاحب بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت میاںؒ صاحب شرقپوری کا عرس مبارک تھا۔ حضرت کرمانوالہ تشریف فرما تھے۔ عصر کی نماز پڑھ چکے تو ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اعلیٰ

حضرت کے مزار مبارک کی طرف سے آئی۔قبلہ شاہ صاحب نے خوشی کی ایک خاص کیفیت میں ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ بیلیو تم سب بخشے گئے۔ میں نے خیال کیا کہ مجھ جیسا گنہگار کیسے بخشا جاسکتا ہے۔اس وقت حضرت کی خدمت میں چار پانچ سو عقیدت مند ہوں گے۔ حضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا بابو جی ولی اللہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ازلی دوزخی بھی جنتی ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ سینے میں ابوجہل کا دل نہ ہو آپ نے اس کے بعد حضرت سیدالطائفہ جنید بغدادیؒ کا واقعہ سنایا۔ کہ ایک شخص جب ان کی مجلس میں سے اٹھ کر جانے لگا تو کسی نے کہا کہ وہ شقی چلا گیا۔ (یہ آدمی عوام میں شقی کے نام سے پکارا جاتا تھا) غیب سے آواز آئی کہ اب اسے شقی مت کہو جو حضرت جنیدؒ کی محفل میں ایک ساعت بھی بیٹھ گیا۔ وہ شقی نہیں رہ سکتا۔

حافظ محمد سلیم بیان کرتے ہیں کہ مَیں حصولِ علم کیلئے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں جب پہلی مرتبہ حاضر ہوا تو شام کا وقت تھا۔ حضرت قبلہؒ اندر تشریف لے جا چکے تھے درویشوں نے مجھے اندر جانے سے روکا اور مَیں باہر ہی بیٹھ رہا۔ رات کو ایک درویش آیا اور اس نے میرا نام لے کر پکارا میں اٹھا اور اس کے ساتھ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑی محبت اور شفقت سے پیش آئے ایک دفعہ حضرت قبلہؒ نے مجھے رمضان المبارک میں چک نمبر 1 نزد رینالہ خورد نمازِ تراویح پڑھانے کیلئے بھیجا۔ سر پر خود پگڑی باندھی اور حاجی فرزند علی کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اس وقت میری عمر 19 سال کی تھی سارا مہینہ نماز تراویح نہایت اطمینان سے پڑھائی۔ کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوئی۔

یہی حافظ محمد سلیم مزید بیان کرتے ہیں کہ بوجہ کثرت مشاغل نوافل سے غفلت ہونے لگی مگر قبلہ حضرت صاحب اکثر فرماتے۔ ''مولوی جی کچھ کرنا چاہیے'' غفلت اچھی بات نہیں ہے۔ مگر مَیں متوجہ نہ ہوا اور بدستور غافل ہی رہا۔ سردی کا موسم تھا ایک رات

خواب میں حضرت قبلہؒ تشریف لائے۔ جوتوں سے خوب مرمت فرمائی اور فرمایا کہ تہجد کی نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ جب بیدار ہوا تو بدن مار پیٹ کی وجہ سے درد کر رہا تھا۔ اس رات سے نمازِ تہجد قضا نہیں ہوئی۔

حکیم محمد دین نے بیان کیا کہ ایک دن مَیں حاضر خدمت تھا کہ ایک آٹھ نو سال عمر کا ایک لڑکا حضرت قبلہؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ فرما رہے تھے۔ ''خاموش بیلیا خاموش۔'' وہ لڑکا ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ بابا مجھے لایا ہے۔ جب وہ اور اس کی والدہ حضرت قبلہؒ کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تو مَیں ان کے پیچھے گیا اور ان سے اصل معاملہ دریافت کیا اس لڑکے کی والدہ نے بتایا کہ ''میرا یہ لڑکا ڈیڑھ سال سے گم تھا۔ کوئی پٹھان اسے اغوا کر کے لے گیا تھا مَیں عام طور پر حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھی اور بچے کی واپسی کیلئے عرض کرتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ جامائی آج شام تیرا لڑکا گھر پہنچ جائے گا۔ مَیں نے تمام دن انتظار کیا مگر مراد پوری نہ ہوئی۔ جب دن غروب ہونے کو آیا خیال کیا کہ بزرگوں نے مجھے ٹال دیا ہے۔ اس وقت میں کسی کام سے باہر گئی تو لڑکے کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اس سے پہلے واقعات یہ لڑکا خود بیان کرے گا اس لڑکے نے بتایا کہ مجھے پٹھانوں نے ایک ہوٹل والے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مَیں ہوٹل میں برتن صاف کیا کرتا تھا۔ آج یہ بابا جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ میرے پاس پہنچا میں اس وقت ایک الگ کمرے میں برتن صاف کر رہا تھا۔ اس بزرگ نے آتے ہی مجھ سے کہا کہ بیٹا تمہاری ماں میرے پاس بہت مرتبہ آئی ہے وہ تمہاری جدائی میں ہر وقت روتی رہتی ہے۔ اگر تم اس کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں پہنچا دوں۔ میں یہ بات سن کر رو پڑا اور روتے روتے جواب دیا کہ مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دو۔ بابا جی نے کہا کہ اپنی آنکھیں بند کرو۔ پھر کہا کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر کے پاس کھڑا تھا۔ اللہ اکبر۔

حکیم خوشی محمد نے کہا کہ میری اصل رہائش فیروز شاہ ضلع فیروز پور ہندوستان میں تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہم چک دوتار متصل مراد چشتی تحصیل پاک پتن میں آباد ہو گئے۔ ہمارا کنبہ اہل حدیث مسلک کا تھا۔ مَیں نے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں 1916ء میں آنا جانا شروع کیا۔ بالآخر 1921ء میں حضرت قبلہؒ کی غلامی اختیار کر لی۔ مَیں نے ایک مرتبہ کرمونوالہ شریف میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ آپ کی نظرِ مبارک مجھ پر کچھ ایسی پڑی کہ مَیں تین سال تک عالم مستی میں رہا۔ کچھ ہوش نہ تھا۔ لوگوں سے الگ رہتا۔ اس دوران میرا بھائی ہدایت اللہ مجھ پر زبان تشنیع دراز کرتا کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یا تم نے مکر بنا رکھا ہے۔ مَیں صرف یہ کہتا کہ مجھے علم نہیں۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مغرب کے وقت ہدایت اللہ بھی میرے ساتھ حضرت صاحب کی مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا۔ حضرت قبلہؒ کی نظر اس پر پڑی تو اسے وجد ہو گیا۔ ایک دن کہنے لگا کہ مَیں جب تک حضرت قبلہؒ کی بیعت نہیں کر لیتا مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ مَیں نے اسے مشورہ دیا کہ آج صبح ہی کرمونوالہ شریف چلے جاؤ۔ جب وہ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ رات سے قسمیں کھا رہے ہو کہ کھانا پینا حرام ہے۔ یہ کہہ کر ایک درویش کو لنگر سے روٹی لانے کیلئے فرمایا۔ درویش روٹی لے کر آیا تو آپ نے دال کی رکابی میں اپنی انگلی مبارک پھیر دی اور دال ہدایت اللہ کو کھلا دی۔ ہدایت اللہ کا بیان ہے کہ اس دال میں ایسی لذت تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد ہدایت اللہ کو حضرت قبلہؒ نے اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیا۔

یہی خوشی محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بھی حضرت قبلہؒ کی مرید تھی اور آپ کی مدحت میں اپنے ہی موزوں کئے ہوئے اشعار پڑھتی رہتی تھی۔ حضرت قبلہ بھی میری والدہ پر از حد مہربان تھے۔ آپ کی کرامت سے انہیں گھر کے اخراجات کیلئے خزانہ

غیب سے دورد پے روزانہ مل جاتے تھے۔

چوہدری محمد انور بٹر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قبلہ حضرت صاحب کو اکثر بخار رہتا تھا اور آپ محمد امین شرقپوری کی کوٹھی واقع گلبرگ میں قیام فرماتے تھے۔ مَیں ہر روز صبح شام حاضرِ خدمت ہوتا رہتا تھا۔ تاکہ ملاقات کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔ 2رستمبر 1965ء کی بات ہے کہ مَیں حاضر خدمت تھا۔ آپ نے واہگہ بارڈر پر جانے کا پروگرام بنایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کمزور ہیں۔ صحت وتندرست نہیں۔ بارڈر پر نہ جایئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں جانا اشد ضروری ہے' مَیں نے کہا کہ یہیں بیٹھ کر توجہ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ویسے تو میں ادھر ہی منہ کر کے ہی لیٹتا رہتا ہوں' مگر اب وہاں بنفسِ نفیس جانا ضروری ہوگیا ہے۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور بارڈر پر سارا دن بخار کی حالت میں ہی بڑے زور زور سے اللہ اکبر اور یاعلی کے نعرے لگاتے رہے۔ سارا دن نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ شام کو جب آپ واپس تشریف لائے تو مَیں بھی پہنچ گیا اور محمد شفیع کیلیانوالہ نے مجھے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ میں نے حضرتؒ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو بخار کی حالت میں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا مگر قبلہ حضرتؒ صاحب خاموش رہے۔ دوسری صبح گھونڈی بارڈر پر چارپائی ڈال کر ایسے ہی نعرے لگاتے رہے۔ شام کو مَیں نے پھر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو کل مجھے قصور بارڈر پر بھی جانا ہے۔ چنانچہ تیسرے دن آپ گنڈا سنگھ والا بارڈر پر چارپائی پر بیٹھ کر نعرے لگاتے رہے۔ آپ شام کے وقت واپس آئے تو مَیں نے عرض کیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں' آپ نے فرمایا تم خاموش رہو۔ مَیں بارڈر پختہ کر رہا ہوں۔ میرے لئے ایسا کرنا بہت ضروری تھا۔ اس کے بعد آپ واپس حضرت کرمانوالہ تشریف لے آئے۔ 6رستمبر 1965ء کو ہندوستان افواج نے چپکے سے پاکستانی علاقہ پر انہی تین جگہوں سے حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ بارڈر پہلے ہی پختہ ہو

چکا تھا۔ اس لئے تمام تر کوشش کے باوجود ہندوستانی فوجیں آگے نہ بڑھ سکیں اور اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

مولوی محمد خلیل اختر صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جلیل شاہ صاحب واں رادھارام والے مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ پیر صاحب نے حضرت قبلہؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج سخت گرمی ہے۔ خشک سالی بھی ہے۔ آپ ایسے بزرگانِ دین کے ہوتے ہوئے بھی بندگانِ خدا پریشان ہوں تو آپ کے وجودِ مسعود کا کیا فائدہ۔ (یہ پیر صاحب حضرت قبلہ سے بے تکلفی سے بات کر لیتے تھے) حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ پیر جی رب کریم کے فضل وکرم کو کب دیر لگتی ہے۔ جب چاہے بارش فرمادے۔ حالانکہ بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ اسی اثنا میں دفعتاً ہوا چلی۔ ابر آیا' چند گھنٹوں میں بارش شروع ہوگئی اور موسم خوشگوار ہو گیا۔ خشک سالی بھی کافی حد تک دور ہوگئی۔ سبحان اللہ۔

صاحب کشف وکرامات
حضرت سید شبیر احمد شاہ گیلانی رحمتہ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ ایسے نفوس قدسیہ سے بھری پڑی ہے جن کی کوششوں سے ہزاروں افراد کو جادۂ حق پر استقامت نصیب ہوئی۔ خلق کی اصلاح اور سیرت کا کٹھن کام جو ہر دور میں ایک چیلنج رہا ہے، ان بزرگانِ دین نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ان نفوس قدسیہ کی چند فیض بار صحبتیں اذہان کی کیفیات کو جلا بخشتی ہیں۔ اسی اصحاب نظر مقدس جماعت کے ایک رکن سید شبیر احمد شاہ گیلانیؒ ہیں۔ آپؒ نے 1928ء میں پیر سید محمد حسین شاہ گیلانیؒ چشتی نظام آبادی کے گھر میں آنکھ کھولی۔ گھر کے ماحول میں خوفِ خدا، اتباع سنت اور زہد و پرہیز گاری رچی بسی ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول سید شبیر شاہ کی طبیعت پر اس طرح اثر انداز ہوا کہ عہد طفولیت سے ہی لہولعب اور مشاغل دنیا سے متنفر ہو گئے۔ والدین کے زہد وتقویٰ نے سید صاحب کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تعلیم مولانا غلام جیلانیؒ محدث ہزاروی سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث میں دارالعلوم مظہر الاسلام بریلی کے عظیم اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس دور میں آپؒ کے اساتذہ میں حضرت محدث اعظم مولانا سردار احمد اور سید الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ شامل تھے۔ آپؒ کی اس اعلیٰ علمی قابلیت کا آپؒ کے اساتذہ بھی

اعتراف کرتے تھے۔

دورانِ تعلیم ہی آپؒ نے ہندوستان کے تمام مشہور آستانوں اور مزارات پر حاضری دی بالخصوص اجمیر شریف اور سرہند شریف جیسے آستانوں سے کافی عرصہ تک فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ کے معمولات میں روزانہ ایک ختم قرآن شامل ہوتا تھا۔ انہوں نے بے شمار اولیاء اللہ کی محبت حاصل کی' ذوق حق آپ کو سندھ کے ریگستانوں اور راجستھان کے بیابانوں اور کشمیر کے جنگلوں میں کشاں کشاں لئے پھرا۔

جہاں عشق الٰہی آپ کی شبانہ عبادت سے عیاں تھا' وہاں عشق حبیب ﷺ میں آپ کی آنکھیں ہمیشہ نمناک رہتی تھیں۔ صرف سترہ 17 سال کی عمر میں جہاں آپ کو علم دین کی تکمیل کی سند اور دستارِ فضیلت عطا ہوئی بلکہ کئی بزرگوں نے ازراہ عنایت خرقہ ہائے خدمت سے بھی سرفراز فرمایا مگر عجز وانکساری کے اس عظیم پیکر نے زندگی بھر غرور یا تکبر نہ کیا۔ جب تعلیمی فراغت کے بعد گھر تشریف لائے تو تحریک آزادی پاکستان زوروں پر تھی۔ آپؒ نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور کل ہند بنارس سنی کانفرنس (جس نے تحریک آزادی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا) استقبالیہ وانتظامیہ کے رکن بن گئے۔ شیخ الاسلام حضرت قبلہ خواجہ قمرالدین سیالویؒ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف کی خدمت میں رہے۔ آپ کئی بار نہ صرف ہندوؤں کے تشدد کے شکار ہوئے بلکہ انتہائی قریبی لوگوں کی مخالفت کا بھی آپ کو سامنا رہا۔ دشمنوں کے بے پناہ وار سہنے کے باوجود خداترسی اس قدر غالب تھی کہ قیام پاکستان کے فوراً جب ہندو لے جانے والی ایک ٹرین کو نظام آباد روک کر چند نوجوان مسلمانوں نے مہاجرین پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے کیلئے حملہ کیا تو حضرت انہیں یہ کہہ کر روک رہے تھے کہ ظلم دشمنوں پر بھی روا نہیں۔ پاکستان بننے کے بعد آپؒ نے مستقل چلہ کشی اختیار کی اور دریائے چناب ایک کنارے کو اپنا مسکن بنایا۔ کئی گھنٹوں تک مسلسل پانی میں

کھڑے ہوکر وردووظائف میں مشغول رہتے۔

پاکستان بننے کے بعد شیخ الحدیث بریلی شریف حضرت مولانا سردار احمد صاحب جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت ان کے ہزاروں شاگرد اور خادم پاکستان میں پہلے سے موجود تھے تاہم حضرت کی نگاہ انتخاب نے شاہ صاحب کو ہی سرفراز فرمایا۔ آپ ہندوستان سے شاہ صاحب کے گھر تشریف لائے۔ شاہ صاحب نے آپ کو دوست سمجھ کر ہر قسم کی جانی و مالی معاونت کی پیشکش کی تو شیخ الحدیثؒ نے نہایت غمناک ہوکر آپ کو دیکھا اور گلوگیر آواز میں فرمایا کہ بے پناہ ظلم و جبر اور لاکھوں مصیبتیں اٹھانے اور ہر چیز کے لٹ جانے پر مجھے کوئی افسوس نہیں لیکن اگر مجھے کوئی صدمہ ہے تو صرف اپنی متاع عظیم کا جو عالم کا زیور اور ذخیرہ آخرت ہوتی ہے۔ یعنی اپنے کتب خانے کے چھن جانے کا غم ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اپنے کتب خانہ میں ان کے اپنے آباؤاجداد کی نادر قلمی کتابوں کے علاوہ کئی عرب ممالک سے منگوائی ہوئی نایاب کتابیں بھی شامل تھیں، جو انہوں نے شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں پیش کر دیں، جنہیں آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ شاہ صاحب خود یہ کتابیں حضرت کے ساتھ لے کر وزیر آباد سے ملحقہ گاؤں ساروکی گئے جہاں شیخ الحدیثؒ نے قیام فرمایا تھا۔ بعدازاں شیخ الحدیثؒ نے شاہ صاحب کو بلا کر لافانی کتابیں یہ کہہ کر واپس کرنا چاہیں کہ الحمدللہ اب میرے پاس کتابوں کا اپنا ذخیرہ ہوگیا ہے تو شاہ صاحب رونے لگے کہ حضرت میں نے جو سعادت حاصل کی تھی، اس سے مجھے محروم نہ فرمائیں۔

1950ء میں جب سیلاب نے ملک کے طول وعرض میں بے پناہ تباہی پھیلائی تو آپؒ نے متاثرین کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جذبہ جہاد چونکہ آپ کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لئے آپ نے اس تنظیم کے تحت نوجوانوں کو عسکری تربیت دینا شروع کی۔ (آپ خود عسکری تربیت کے سند یافتہ تھے) اس کے بعد ملک میں تحریک ختم نبوت

شروع ہوئی تو آپ کا نام صوبائی قیادت میں نمایاں تھا۔ ضلع گوجرانوالہ میں بالخصوص اس تحریک کو جس انداز سے چلایا' وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کی شعلہ نوا تقریروں اور شب و روز محنت نے تحریک میں جان پیدا کر دی تھی۔ مگر تحریک کے نتائج نے آپ کو سخت دل برداشتہ کیا اور آپؒ نے اپنی توجہ پھر منازل سلوک طے کرنے پر مبذول کر لی اور اپنے والد ماجد کی اجازت سے اس دور کی عظیم روحانی اور علمی شخصیت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالویؒ کی خدمت میں چلے گئے۔

حضرت شیخؒ نے پہچان لیا کہ آنے والا یہ سید زادہ جہاں نسبتی اعتبار سے غوث الاعظمؒ کی اولاد سے ہے' وہاں بے پناہ روحانی استعداد کا مالک ہے۔ آپ نے انہیں اپنے مدرسہ کا مفتی اور شیخ الحدیث اور عظیم ترین کتب خانہ کا نگران اعلیٰ ہی نہیں بلکہ اپنا خصوصی معاون بھی مقرر فرمایا۔ اس دوران جہاں شاہ صاحب خود درس حدیث و قرآن دیتے رہے وہاں اپنے تسکین ذوق کی خاطر ساری ساری رات حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مزار پر وظائف میں مشغول رہتے جبکہ سارا دن شیخ الاسلام کی نظر ولایت سے مستفیض ہوتے رہتے۔ آستانہ عالیہ کے ادب و احترام کے بارے میں حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ میں تین سال کے اس مسلسل قیام میں سیال شریف کی حدود میں جوتا نہیں پہنا۔ سیال شریف کی حدود میں پیشاب نہیں کیا اور میرے خدا کی یہ مجھ پر عظیم عنایت رہی ہے کہ ایک دن بھی حضرت شیخ الاسلام کی محبت میں بے وضو نہیں رہا اور سوائے عیدین کے اس دوران ایک دن بھی بے روزہ نہیں رہا۔ وہاں رہتے ہوئے آپ نے شیخ الاسلام کی ان کرامات کا ایک دفتر بھی لکھا جو آپؒ نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ حضرت کے حکم سے پھر آپ تبلیغ دین کیلئے ہیڈ رسول تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ انجینئرنگ کالج ہیڈ رسول میں بطور انسٹرکٹر اسلامیات تعینات رہے۔ رسول کالج میں اسلامیات کے نصاب کی کتاب کی تالیف بھی

فرمائی۔

چونکہ آپ کا مزاج انتہائی روحانی تھا' لہٰذا اعلیٰ منازل کے حصول کا شوق آپ کو کشاں کشاں پھراتا ہوا حضرت کرمانوالہؒ لے گیا اس وقت اعلیٰ حضرت گنج کرم پیر سید اسماعیل شاہؒ کرمانوالہ کا آفتاب ولایت پوری آب و تاب کے ساتھ دمک رہا تھا۔ آپؒ نے پہلی ہی نظر میں تیر محبت سے ایسا شکار کیا کہ آپ شاہؒ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے مرشد کامل نے بھی بے پناہ نظر کرم فرمائی اور اس گوہر نامدار کو در شہسوار بنا دیا۔ شیخ کامل کی عقیدت اور محبت کی ایسی مثال کہیں نہ ملے گی۔ آپ صرف اطوار و کردار میں اپنے مرشد کامل کا عملی نمونہ نہ تھے بلکہ شکل و صورت میں بھی ان سے مشابہہ تھے۔ موسم گرما میں جب کالج کی تعطیلات ہوتیں اور گرمی اپنے جوبن پر ہوتی تو یہ مرد حق پرست ننگے پاؤں روزہ رکھ کر پیدل ہیڈ رسول سے حضرت کرمانوالہ پہنچتے۔ حضرت کرمانوالہ فرماتے کہ ہمارے پیر جی بڑے درویش ہیں۔ شکل و صورت جہاں بے پناہ جاذب نظر تھی وہاں نگاہوں میں بھی بڑا جلال تھا کہ بڑے سے بڑا بھی آپ سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا۔ تبلیغ دین میں آپ کا انداز انتہائی جداگانہ تھا۔ تفرقہ بازی یا بے جا تشدد و نام کو نہ تھا۔ انداز گفتگو اور طریقہ تبلیغ اس قدر دلآویز تھا کہ آپ کے عقائد سے بے پناہ اختلاف رکھنے والے بھی یہ تسلیم کرتے کہ آپ کے اندر علم کا سمندر موجزن ہے۔ تحقیقی گہرائیوں سے ایسے نکات پیدا کرتے کہ سننے والے لوگ دنگ رہ جاتے۔ شخصی اعتبار سے ان میں بے پناہ سادگی تھی کہ پہلی نظر میں کوئی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ آپ چند الفاظ بھی پڑھے ہوں گے۔ جس موضوع پر گفتگو فرماتے لوگوں کی بے پناہ تسکین فرماتے تھے۔ فلسفہ' نفسیات' صرف ونحو' منطق علوم حدیث' تفسیر قرآن' علم مناظرہ' تاریخ' ریاضی' علم نجوم وطب علوم جز میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اعتماد کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی حوالہ پیش کرتے وقت شاید کا لفظ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اللہ

کریم نے مجھے علوم ظاہری سے مالا مال فرمایا ہے۔ الحمدللہ میں صرف کالے حروف ہی نہیں پڑھا' میرے شیخ نے مجھے چند سفید حروف بھی پڑھائے ہیں۔

ایک بار اپنے والد صاحب کے بارے میں تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ میں پاکستان بننے سے پہلے خاکسار تحریک میں اسے دین سمجھ کر شامل ہو گیا۔ والد ماجد کے منع کرنے کے باوجود کل ہند خاکسار تحریک کنونشن بمبئی میں اپنے ضلع گوجرانوالہ کی نمائندگی کیلئے ان کی دعوت پر تیار ہو گیا اور بستر گھر سے تین دن قبل ہی کہیں اور منتقل کر لیا تاکہ عین وقت پر والد صاحب مجھے منع نہ کریں۔ روانگی سے عین ایک رات پہلے مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ باپ کا کہنا کیوں نہیں مانتا؟ صبح ہوتے ہی بستر اٹھا کر پھر واپس چلا گیا۔ غریب پروری تو آپ کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ زندگی بھر اپنی تمام صلاحیتوں کو بے روزگاروں کو روزگار دلانے میں صرف کیا۔ تقریر کا انداز اس قدر رقت انگیز تھا کہ کبھی گا کر کوئی شعر یا عبارت نہ پڑھی۔ الفاظ میں وہ جادوئی اثر تھا کہ لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر آپ کی تقریر سنتے جب آپ آخر و دعوانا کا کلمہ بولتے تو محسوس ہوتا جیسے ابر کرم تھم گیا ہو۔ نصیحت کا انداز تو قسمت کو بدل دینے والا تھا۔ آپ کی تربیت سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی بدل گئی۔

1966ء میں آپ کے والد ماجد نے آپ کو خلافت عطا کی اور لوگوں کو بیعت کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی زندگی میں ایک بڑا انقلاب آ گیا۔ دنیا کی تمام تر مصروفیات ختم کر دیں اور یادِ حق میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ دن رات تزکیہ نفس اور رشد و ہدایت کا نصاب ہی معمول بن گیا۔ یوں تو آپ کی صحبت میں چند لمحے گزارنے والے لوگ خشیت الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو جاتے' یہاں تک کہ کالج کی ملازمت کے دوران لاابالی عمر کے بے شمار طلباء ان کی تقریروں سے منازل سلوک کے راہی بن گئے تھے۔ مگر والد

ماجد کی خلافت کے بعد آپ کی فیض رسانی عروج کو پہنچ گئی۔ دنیاوی حاجات اور حصول شفا کیلئے آستانہ عالیہ پر حاضری دینے والوں کو اتباع سنت کا درس اس انداز سے دیتے کہ جسمانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ روح کے امراض کی شفاء کاملہ کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ یہ انداز تو آپ کے مرشد کامل کا عطا کردہ تھا کہ ہر آنے والے مصیبت زدہ سے انتہائی شفقت فرماتے اور کہتے کہ اپنے گناہ کا اقرار کرلو تو اللہ کریم نہ صرف تمہاری مصیبتیں دور فرما دیں گے بلکہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دیں گے۔ ایسے کئی واقعات شاہد ہیں کہ جو شخص اقرار خطا کر لیتا بغیر کسی علاج کے حضرت کے آستانہ سے مکمل صحت یاب ہو کر گھر جاتا۔

ترویج علم دین آپ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ آپؒ نے تمام اسلامی سربراہان مملکت کو اس بارے میں خطوط لکھے کہ امت مسلمہ کا ایک مشترکہ ذریعہ ابلاغ 'ریڈیو یا ٹیلی ویژن کا کم از کم ایک سٹیشن ایسا ہونا چاہئے جہاں سے ہر وقت قرآن و حدیث کی تبلیغ اور حقانیت اسلام کا درس دنیا کی تمام زبانوں میں ہوتا رہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ حکومت جس قدر روپیہ عدالتوں' پولیس' جیل اور قیدیوں پر خرچ کرتی ہے' اس کا عشر عشیر بھی اگر مجرموں کی دینی اور اخلاقی تربیت پر صرف کرے تو معاشرہ میں جرائم ختم ہو سکتے ہیں قلب کی صفائی کا درس جس قدر آپؒ نے دیا وہ آپ ہی ذات کا حصہ ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کسی دنیادار کی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہ دو بلکہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ اگر وہ نیکی کرے تو تمہیں بھی اجر دیا جائے گا لیکن وہ گناہ کرے تو تمہیں بھی اس کو پسند کرنے پر برابر گناہ ہوگا۔ یوں آپؒ کی بے شمار کرامات زبان و زد عام ہیں۔ مگر ایک کرامت آج بھی دیکھی جا سکتی ہے آپؒ بھمبر آزاد کشمیر کے ایک گاؤں تشریف لے گئے تو اہل دیہہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس حصول آب کا ذریعہ فقط یہ کنواں ہے۔ اس کا پانی ختم ہو گیا ہے اور مہینوں کے بعد

تھوڑا بہت پانی زمین میں جمع ہوتا ہے وہ بھی خراب ہو کر سخت بدذائقہ ہو جاتا ہے۔اس لئے ہم اس گاؤں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔گاؤں والوں کی موجودگی میں آپ نے چند مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کیا اور فرمانے لگے کہ اللہ میاں نے اس کنویں کا پانی بھی بڑھا دیا ہے اور اس کا ذائقہ بھی بدل دیا ہے۔واقعی چند لمحوں بعد نہ صرف کنواں پانی سے بھر گیا بلکہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ ہو گیا۔اب گاؤں والوں نے اس کنویں میں ٹیوب ویل لگا رکھا ہے۔

1975ء میں آپؒ نے آستانہ عالیہ پر جامعہ اسلامیہ کے نام سے دارالعلوم قائم کیا اور ابتدائی طور پر حفظ قرآن کا شعبہ شروع کیا۔جہاں بچوں کی ذہنی تربیت کا بطور خاص اہتمام فرمایا۔ اس دوران آپ کو ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہو گیا۔شدید علالت کے دوران بھی تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کی شمع روشن رکھی اور بے شمار لوگوں کو دولت دین سے فیضیاب کیا۔

حضرت صاحبؒ نے وصال سے پورے چار ماہ قبل دنیا سے اپنی روانگی کی خبر دے دی جس کے اپنے ہی نہیں بیگانے بھی گواہ ہیں۔4/مارچ 1981ء کو اپنے بڑے فرزند ارجمند سید محمد ضیاء الاسلام گیلانی جو کہ دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہیں اور حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ نے جنہیں 1974ء میں حضرت سید محمد حسین شاہ صاحبؒ کے چہلم کے موقع پر اپنی طرف سے خلافت عطا فرمائی کو سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ایک ماہ کی بیماری کے بعد اپنی پیش گوئی کے عین مطابق 5/اپریل 1981ء بروز اتوار اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ سجادہ نشین حضرت کرمانوالہؒ نے پڑھائی اور آپؒ کو نارووالی شریف (متصل گجرات) اپنے والد گرامی کے مزار پر انور کے قریب دفن کیا گیا۔آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید محمد چراغ علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

(والٹن ۔ لاہور)

سید محمد چراغ علی شاہؒ سادات کے معزز گھرانے میں 1877ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید حسن علی شاہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے صاحب مجاز بزرگ تھے ان دنوں آپ کا گھرانہ انبالہ کے قصبہ بستی ولی داد خاں میں آباد تھا۔ لیکن والد ملازمت کے سلسلے میں انبالہ میں مقیم تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ فتح بی بی بڑی ہی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھی۔ ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتیں۔ ان دنوں انبالہ میں ایک نامور بزرگ حضرت مخدوم سائیں توکل علی شاہؒ کے پاس لے کر گئے اور ان سے سرپرستی اور برکت کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت توکل علی شاہؒ نے نہ صرف آپ کو گھٹی عطا کی بلکہ خصوصی دعاؤں سے بھی نوازا۔ آپ کا نام "چراغ علی" بھی انہی کا تجویز کردہ ہے۔

آپؒ کا شجرہ کئی وسیلوں سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ تک جا پہنچتا ہے ابھی آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی کہ آپ کی شفیق والدہ کا انتقال ہو گیا۔ شفقت مادر سے محرومی آپ کیلئے بہت بڑا صدمہ تھی۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید امام علی شاہؒ جن کی عمر ابھی تین سال تھی۔ اتنی چھوٹی عمر میں ماں کی جدائی دونوں بھائیوں کیلئے آفت سے کم نہ تھی۔ بیوی کی وفات کے بعد آپ کے والد ضلع گورداسپور کے قصبے "بھیٹ" میں منتقل ہو گئے

جہاں آپ کے اجداد کا بسیرا تھا۔ یہاں منتقل ہوئے ابھی تین سال ہی گزرے تھے کہ آپ کے والد سید حسن علی شاہ صاحب بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اس طرح دونوں بھائی بے سہارا ہو گئے موضع بھیٹ میں افغان قوم کی ایک نیک سیرت اور بلند اخلاق خاتون آپ کے ہمسایہ میں رہتی تھی انہوں نے آپ سمیت دونوں یتیم بچوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اپنے بچوں سے زیادہ توجہ آپ پر مرکوز کر دی۔ لیکن قدرت کا امتحان ابھی جاری تھا۔ جلد ہی وہ نیک سیرت خاتون بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اب یہ وقتی سہارا بھی چھن گیا۔

ان پے در پے صدموں کے بعد آپ آٹھ سال کی عمر میں اپنے چھوٹے بھائی سید امام علی شاہ کو لے کر پیدل ہی اپنے ننھیال بٹالہ شریف ضلع گورداسپور چلے گئے۔ یہاں عزیزوں کی سرد مہری دیکھ کر اپنے نانا کے مرید چودھری غلام محمد اور نور دین نمبر دار کے پاس ضلع گجرات کے گاؤں چاڑ تشریف لے گئے۔ چند سال آپ دونوں بھائی یہاں قیام پذیر رہے عقیدت مندوں نے آپ کی بہت خدمت کی۔ سن شعور کو پہنچے تو معتقدین سے اجازت لے کر اپنے والد کے عم زاد بھائی سید باغ علی شاہؒ کے پرزور اصرار پر ان کے ہاں مراڑہ شریف سیالکوٹ آ گئے۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کو اپنی فرزندی میں لے لیا۔ سید باغ علی شاہؒ بھی سلسلہ قادریہ کے صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ اگرچہ آپ کی جوانی ایک دیہاتی نوجوان کی سی تھی لیکن عادات واطوار میں آپ دوسرے نوجوانوں سے بہت مختلف تھے۔ کم گو اور تنہائی پسند تھے زیادہ وقت یادِ الٰہی اور فکر و مراقبہ میں گزارتے۔

سترہ سال کی عمر میں آپ کے تایا سید باغ علی شاہؒ نے اپنی بڑی صاحبزادی سے آپ کا نکاح کر دیا۔ ازدواجی زندگی کے ابھی چند ہی سال گزرے تھے کہ آپ کی شریک حیات بھی داغ مفارقت دے گئیں۔

نیک سیرت بیوی کی اچانک جدائی نے فکر و ذہن کو خاصا متاثر کیا۔ اس صدمے

نے آپؒ کے اندر سوز گداز پیدا کر دیا۔طبیعت صوفیانہ کلام پڑھنے اور سننے کی طرف راغب ہوگئی۔آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔اکثر اوقات آپؒ مراڑہ شریف کے باہر حضرت بابا بخاری بادشاہؒ کے مزار اقدس پر تشریف لے جاتے اور وہاں سورہ یوسف کی مشہور تفسیر سوز و گداز سے پڑھتے کہ سننے والوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی۔ایک دن آپ حسب معمول کتاب پڑھ رہے تھے کہ نوشاہی سلسلہ کے ایک بزرگ سائیں شیر علیؒ کا ادھر سے گزر ہوا جونہی ان کی نگاہ آپ پر پڑی تو انہوں نے فرمایا اے نوجوان اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ تمہاری تخلیق کا کچھ اور ہی مقصد ہے تم اس طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے یہ کہہ کر وہ بزرگ تو چل دیئے مگر آپ کی طبیعت مضطرب ہوگئی اور بار بار بزرگ کی کہی ہوئی بات ذہن میں دھرانے لگی۔آپ کی زندگی میں انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا جس نے آپ کا رخ ہی بدل دیا۔علم دین کے حصول اور عرفان حق کی طلب ہر وقت تڑپانے لگی۔

آپؒ کے ساز قلب پر سائیں شیر علیؒ کے مضراب حقیقت نے ایسی ضرب لگائی تھی جس نے آتش شوق کو مزید ہوا دی اور بے قراری اس حد تک بڑھی کہ گوہر مقصود اور در مطلوب، جس کا پہلا زینہ علم شریعت ہے، کے حصول کیلئے لاہور جانے کا مصمم ارادہ کیا اور اکیلے ہی مراڑہ شریف سے لاہور پیدل روانہ ہو گئے۔ابھی ظفروال کے قریب ہی پہنچے تھے کہ صوفی محمد اسمٰعیل جندرانوی سے ملاقات ہوگئی۔انہوں نے آپؒ سے پوچھا کیا ارادہ ہے اور کہاں جا رہے ہو آپ نے لاہور جانے کا مقصد بتایا تو صوفی فرمانے لگے کیا ہی اچھا ہو اگر لاہور جانے سے پہلے کسی اللہ والے سے دعا کروالیں تاکہ تمہیں باآسانی منزل مل جائے۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ میں بھی کسی مرد خدا کی تلاش میں ہوں۔انہی دنوں سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوریؒ قریبی گاؤں موضع چھچھوکھوہ تحصیل نارووال میں تشریف لائے ہوئے تھے۔چنانچہ آپ بھی صوفی صاحب کے ساتھ ہو لئے جب سرکار لاثانیؒ کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو آپؒ پہلے ہی سے منتظر تھے سرکار لا ثانی نے جوہر قابل دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ آنے کی وجہ پوچھی آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے دعا کیلئے درخواست کی قبلہ لا ثانیؒ مسکرا کر اپنے خادم سائیں مہر شاہؒ سے فرمانے لگے چراغ میں بتی اور تیل تو موجودہ ہے اب صرف شعلہ کی ضرورت ہے جو چراغ کو روشن کردے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد شفیع کا نعم البدل بھیج دیا ہے۔ انہی دنوں جن کا وصال ہوا تھا مولانا محمد شفیعؒ آپ کے محبوب خلیفہ تھے۔ جن کے انتقال کا آپؒ کو بے حد صدمہ ہوا تھا۔

پھر سرکار لا ثانیؒ نے آپ کو چند روز کیلئے علی پور چلنے کیلئے کہا۔ اگلے ہی روز قطب وقت سرکار لا ثانیؒ کی نگاہ کرم اپنا کام کر چکی تھی تیسرے روز بیعت کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ میں داخل فرمایا۔ آپ نے جلد ہی منازل سلوک طے کر کے مرشد پاک کی نگاہ کرم میں درجہ کمال حاصل کر لیا۔

بیعت کے کچھ عرصہ بعد آپ چند دنوں کیلئے علی پور سے مراڑہ شریف تشریف لائے اور اپنی تمام جائیداد زیورات' نقدی اور مویشی اپنے مرشد سرکار لا ثانیؒ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ پھر حاضر ہو کر عرض کی اے میرے سردار میں اور میری سب متاع آپ کیلئے ہے براہِ کرام اسے شرف قبولیت بخشیں۔ مرشد کامل نے مرید کا جب یہ حال دیکھا تو فیضان کا بادل برس پڑا۔ تین مرتبہ زور سے زمین پر قدم مارتے ہوئے آپ نے فرمایا قبول' قبول' قبول۔ پھر دیر تک دعا فرمائی اور حکم دیا کہ شاہ صاحب کا مال بھی میرا ہی مال ہے اب اسے ہماری طرف سے شاہ صاحب کو لٹا دو اور دیکھو آج کے بعد مجھ میں اور شاہ صاحب میں کوئی فرق نہ سمجھا جائے۔

آپ کم و بیش 13 سال تک اپنے مرشد کامل کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہے قبلہ لا ثانیؒ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے جبکہ آپ بھی مرشد کی محبت میں فنا ہو چکے تھے۔

مرشد نے آپ کو امامت کے فرائض بھی سپرد کر دیئے ایک مہینہ اتنی بارشیں ہوئیں کہ لنگر پکانے کیلئے سوکھی لکڑیاں ناپید ہوگئیں۔ آپ اپنے گاؤں مراڑہ شریف آئے اور گھر کی چھت کی لکڑیوں کو اکھاڑ کر بیل گاڑی کے ذریعے علی پور شریف لے آئے۔ جب مرشد نے لنگر تیار ہونے کے بعد دریافت کیا کہ گیلی لکڑیوں سے لنگر کیسے تیار ہوا تو دیگر مریدین نے تمام ماجرا کہہ سنایا یہ سن کر مرشد پاک نے آپ کو گلے لگالیا۔ اس قدر شفقت فرمائی کہ برسوں کا سفر لمحوں میں طے ہوگیا۔

جب آپ سرکار لاثانیؒ کی خدمت میں ظاہری باطنی طور سے تکمیلی مراحل طے کر چکے تو سرکار لاثانیؒ نے آپ کو باذن الٰہی سلاسل اربعہ نقشبندیہ مجددیہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں میں خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور تبلیغ و ارشاد کیلئے کشمیر کے دور دراز علاقوں میں جانے کا حکم دیا۔ اس دوران علی پور شریف کا کوئی بھی شخص مل جاتا تو آپؒ ان کی دل و جان سے خدمت بجالاتے۔ اس کی وجہ پیر جانے سے والہانہ محبت تھی۔ سرکار لاثانیؒ آپ کے بارے میں اکثر فرماتے تھے کہ چراغ علی شاہؒ میری مراد اور میرے حبیب ہیں۔

14/اگست 1947ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا اس وقت آپ تبلیغ و ارشاد کے سلسلہ میں بستی کالا افغاناں کے علاقہ میں موجود تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ہندو اور سکھ مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ رمضان المبارک کی 24 تاریخ کو آپ نے واپس مراڑہ شریف پاکستان آنے کا ارادہ فرمایا چند احباب اور خدام آپ کے ہمراہ تھے۔ جب آپ روانہ ہونے لگے تو ساتھیوں نے عرض کی حضور پل ڈیرہ نانک کے راستہ نہ جائیں کیونکہ وہاں کا سکھ تھانیدار مسلمانوں کا جانی دشمن ہے لہٰذا پتن کے راستے چلتے ہیں وہاں کشتی پر بیٹھ کر دریائے راوی عبور کرلیں گے۔

رائے سن کر آپ خاموش رہے پھر ساتھیوں کے مشورے کے مطابق پتن کی راہ اختیار کی۔ شدت کی دھوپ اور اگست کی گرمی' حبس اپنے جوبن پر تھا۔ پیدل سفر کی وجہ سے بھوک اور پیاس میں مزید تلخی اور شدت پیدا ہوئی۔ جس سے ساتھیوں کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ ایک ساتھی نے بے تکلفی سے کہا حضور گرمی کی شدت برداشت سے باہر ہوتی جا رہی ہے خدشہ ہے کہ کہیں روزہ توڑنا ہی نہ پڑ جائے۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ سیاہ بادلوں کی گھٹا نمودار ہوئی اور زوردار بارش برسنے لگی۔ جس سے سارا علاقہ جل تھل ہو گیا اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور گرمی کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ آپؒ نے اس ساتھی سے مخاطب ہو کر فرمایا حافظ صاحب اب تو روزہ نہیں توڑنا پڑے گا۔ ابھی پتن ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا کہ تین سو سکھوں کا ایک جتھہ تلواریں' نیزے ہاتھوں میں لئے خونخوار نظروں سے آپ کے منتظر تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے دیکھا تو گھبرا گئے۔ لیکن آپ ذرا بھی فکرمند نہ ہوئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو وہیں پر رکنے کا کہہ کر خود تن تنہا آگے بڑھے اور سکھوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ گورونانک کے ماننے والو کیا تمہارا یہ فعل گرو کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ جس درندگی کا تم مظاہرہ کر رہے ہو کیا گرو یہی تعلیم تم کو دے کر گئے تھے۔ کیا سکھ مذہب اسی درندگی کا نام ہے۔

آپؒ کی آواز میں ایک خاص رعب اور جلال تھا۔ تمام سکھوں پر نہ صرف سکتہ طاری ہو گیا بلکہ احساس ندامت سے ان کی گردنیں جھک گئیں اور وہ آپ کو الوداع کہنے کیلئے پیچھے پیچھے ادباً چل پڑے۔ دریائے راوی عبور کرنے کے بعد آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کیوں میاں تم موت کے خوف سے پل ڈیرہ نانک کو چھوڑ کر ادھر آئے تھے موت نے ادھر بھی تمہیں آلیا لیکن اللہ نے ہم سب پر کرم کیا۔

موضع ''بھیٹ'' ضلع گورداسپور آپؒ کا آبائی گاؤں تھا۔ وہاں آپ کے دیگر

عزیزوں کے ساتھ ساتھ تین صاحبزادے بھی تھے جنہیں کشت وخون کا دریا پار کر کے پاکستان آنا تھا۔ راستے میں قافلوں کو تہہ تیغ کرنے کی خبریں عام تھیں۔ متوقع بھارتی سرزمین سے بحفاظت پاکستان واپسی کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے تمام خدام اور عقیدت مند تفکرات میں گھرے ہوئے تھے بلکہ کچھ نے موضع ''بھیٹ'' جا کر صاحبزادوں کو بحفاظت لانے کی اجازت بھی مانگی لیکن آپ نے صبر کرنے کا مشورہ دیا۔ ایک عقیدت مند نے تہجد کے وقت دو رکعت نفل سیدنا غوث پاکؒ کی بارگاہ عالیہ میں پڑھنے شروع کیے ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی کہ آپ سید چراغ علیؒ دبے پاؤں تشریف لائے اور فرمانے لگے اتنی محنت کی ضرورت کی نہیں۔ اللہ نگہبان ہے میرے لئے خوشخبری ہے کہ صرف آل واولاد ہی نہیں میرے تمام ارادت مند بخیر و عافیت رہیں گے اور بحفاظت پاکستان پہنچ جائیں گے بعد میں ایسا ہی ہوا۔

مئی 1954ء کو آپؒ مراڑہ شریف سے والٹن ٹریننگ سکول لاہور کینٹ کے بالمقابل اپنی 1930ء میں تعمیر کردہ مسجد میں تشریف لائے۔ کئی ہفتے قیام فرمایا یہ جگہ انسانی آبادی سے بہت دور تھی چاروں طرف کھیت تھے۔ آپ نے یہاں قیام کے دوران ملحقہ زمین خریدی اور رہائش کیلئے کچھ تعمیرات کیں۔ بعدازاں آپ مراڑہ شریف سے موسم سرما میں رہائش کیلئے یہاں تشریف لائے اور چند ماہ قیام کے بعد واپس چلے جاتے۔ یہ سلسلہ 1964ء تک جاری رہا۔ 1965ء کی پاک بھارت کے بعد آپ نے مستقل والٹن لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ عقیدت مندوں کے جواب میں آپ نے فرمایا میں خود یہاں نہیں آیا بلکہ حضرت خواجگان نقشبندؒ اور حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کے بار بار اصرار پر آیا ہوں اور وہ سب میرے یہاں رہنے پر راضی ہیں۔ آپ کے کئی عقیدت مندوں نے خواب میں یہاں ایک خوبصورت باغ دیکھا جس کی خوشبو اور مہک

سے عالم معطر ہو رہا تھا کچھ نے یہاں سے نور کی کرنیں پھوٹتی دیکھیں۔

1966ء میں جب والٹن میں سرکار رلا ثانیؒ کا عرس 16 شعبان اعظم کو منایا جا رہا تھا۔ چلتے ہوئے اچانک آپ کا پاؤں پھسل گیا۔ جس سے زمین پر گرتے گرتے بچے، لیکن آپ کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر زخم آئے۔ وصال مبارک تک یہ زخم ٹھیک نہ ہوئے لیکن آپ نے کبھی اپنے درد کا برملا اظہار نہ کیا۔ بلکہ آپ کی زبان ہمیشہ یادِ الٰہی میں ہی مشغول رہی۔

آخری دنوں میں مراقبہ اسم ذات میں اس قدر محویت ہوگئی کہ استغراق نہایت کو پہنچ گئے۔ جونہی نماز کا وقت ہوتا آپ کی خدمت میں عرض کر دی جاتی آپ کروٹ کے بل چارپائی پر تیار ہو جاتے اور جو بھی اس وقت امامت کا اہل ہوتا اس کی امامت میں نماز باجماعت ادا فرماتے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آپ کی حالت زیادہ بگڑ گئی معالج نے اشاروں کنایوں میں بتا دیا کہ آپؒ کا آخری وقت آپہنچا ہے۔ آپ کو جہاں دفن کرنا ہے وہاں لے جائیں۔ جس پر تمام معتقدین سخت گھبرائے صاحبزادہ صاحب نماز سے فارغ ہو کر سجدہ میں گر گئے اور طویل دعا کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد خوشی خوشی تیزی سے باہر آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ابھی زندگی کے چند سال باقی ہیں۔ حقیقت میں ڈاکٹروں کی رائے برعکس آپ کی طبیعت سنبھل گئی اور چند سال تک مزید حیات رہے۔

بالآخر 4 راپریل 1969ء 16 محرم الحرام 1389ء کو بروز جمعہ جب نماز جمعہ کے بعد مسجد میں سلام پڑھا جا رہا تھا۔ آپؒ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی آپ نے جوش کے ساتھ اللہ اللہ کہا اور رواعی اجل کو لبیک کہہ کر واصل بحق ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپؒ نے بانوے 92 سال کی عمر پائی۔ تیسرے دن 6 اپریل 1969ء بروز اتوار نماز عصر کے بعد آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور والٹن سکول کی گراؤنڈ میں لا کر رکھ دیا گیا۔

آپ کی نمازِ جنازہ تین مرتبہ ادا فرمائی گئی۔

پہلی مرتبہ شیخ المشائخ پیر فضل عثمان مجددی کابلی' دوسری نمازِ جنازہ صاحبزادہ سید محمد اسلم شاہ علی پور شریف اور تیسری صاحبزادہ سید گلزار الحسن شاہ صاحبؒ نے پڑھائی۔

7/اپریل سوموار کی شب نماز تہجد کے وقت آستانہ عالیہ کے صحن میں ہزاروں عقیدت مندوں کی اشکبار آنکھوں کی موجودگی میں دفن کر دیا گیا۔ آج بھی آپؒ کا مزار مبارک پیر کالونی والٹن ٹریننگ سکول کے بالمقابل مرجع خلائق ہے۔ مخلوق خدا کیلئے روحانی فیض آج بھی اسی طرح جاری ہے۔

آپؒ نے تین شادیاں کیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد کی نعمت سے نوازا پہلی شادی سیدہ طالع بی بی بنت سید باغ علی شاہ صاحبؒ سے ابتدائے شباب میں ہوئی۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو کم سنی میں ہی فوت ہوگئی۔

دوسری شادی حضرت امر شریعت حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوریؒ کے توسط سے سیدہ گوہر بی بی سکنہ ضلع امرتسر سے ہوئی ان کے بطن سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جبکہ تیسری شادی سیدہ سردار بی بی بنت سید باغ علی شاہ سے ہوئی۔ تیسری بیوی آپ کی پہلی بیوی کی چھوٹی بہن تھی۔ ان کے بطن سے بھی دس بچے پیدا ہوئے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔

آپؒ کے وصال مبارک کے بعد جب سجادہ نشین کے تقرر کا مرحلہ آیا تو تمام بھائیوں نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی صاحبزادہ سید محمد انیس المجتبیٰ ضیاء الحسن شاہ صاحب کو سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ جو اپنے والد بزرگوار کی طرح نیک متقی اور پرہیز گار ہیں۔ اپنے والد کی جلائی ہوئی ایمان اور نیکی کی شمع کو اب تک روشن کیے ہوئے ہیں۔

کرامات

1944ء میں پہلی مرتبہ آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے ارض مقدس بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے ان دنوں بحری سفر خاصا دشوار اور غیر محفوظ ہوتا تھا۔ سفر کے چند روز بعد ہی جہاز شدید سمندری طوفان میں گھر گیا۔ حتیٰ کہ جہاز کی غرقابی یقینی ہو گئی جہاز کے کپتان نے شدید خطرہ دیکھ کر مسافروں کو اپنی حفاظت کیلئے پیشگی خبردار کر دیا۔ اس اعلان سے عازمین حج میں سراسیمگی پھیل گئی ہر شخص کو اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی کھلا سمندر، ساحل سے دوری، اسباب کی کمی، امداد سے محرومی ان تمام خیالات نے مسافروں کو شدید اعصابی کشمکش میں مبتلا کر دیا اور ہدایت کی گئی کہ تیسرا سائرن بجتے ہی پناہ گاہوں میں چلے جائیں اور وہاں سے کھلے سمندر میں کود جائیں کیونکہ جہاز کسی بھی وقت ٹوٹ کر غرق ہو سکتا ہے جب دوسرا سائرن بجا تو جہاز کا انگریز کپتان عجلت میں جہاز میں سوار تمام عازمین کے انخلا کا جائزہ لینے کیلئے نکلا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر سخت تعجب کا شکار ہوا کہ آپ تمام خطرات سے بے خبر اور بے نیاز ذکر و عبادت میں مصروف ہیں۔ گویا آپ کو جہاز کی غرقابی کی کوئی فکر نہیں۔ جہاز کا کپتان کچھ دیر آپ کو عبادت میں مشغول دیکھتا رہا۔ جب اس نے جہاز کی غرقابی کا اثر نہ دیکھا تو اس نے کہا جناب جہاز ڈوب رہا ہے آخری سائرن بجنے والا ہے تمام مسافر حفاظتی تدابیر اختیار کر چکے ہیں مگر آپ بے نیازی سے عبادت میں مشغول ہیں۔ کپتان کی باتیں سن کر آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں میرے رب کریم کے فضل و کرم سے یہ جہاز بالکل محفوظ رہے گا۔ انگریز کپتان آپ کی اس بات پر بہت حیران ہوا۔ لیکن چند ہی منٹوں بعد جہاز سمندری گرداب سے نکل گیا اور اس کے ڈوبنے کے امکانات ختم ہو گئے۔ جونہی جہاز میں یہ اعلان ہوا تو انگریز کپتان سمیت تمام عازمین حج آپ کے گرویدہ ہو گئے۔

مسجد نبوی میں ایک اجنبی شخص آپ کیلئے ہمیشہ مصلے بچھائے رکھتا۔ جب آپ نے اس سے اس عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے صرف یہ کہا کہ یہ من جانب اللہ ہے۔

سفر حج کے دوران عبادت میں آپ کا انہماک شدید ہو گیا ہمہ وقت ذکر و فکر میں ایسے مشغول ہوئے کہ کھانے پینے تک کی پرواہ بھی نہ رہی جس کی وجہ سے آپ خاصے کمزور ہو گئے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد جب آپ وطن واپس پہنچے تو دو افراد نے آپ کو پکڑ کر جہاز سے اتارا۔

یہ منظر دیکھ کر خدام کو تشویش ہوئی تو فرمایا۔ میاں گھبرانے کی ضرورت نہیں راہ سکون اسی مجاہدہ کا نام ہے صفائے باطنی اور سرور مشاہدہ اس کے بغیر کیسے ممکن ہے۔

حرمین شریفین میں قیام کے دوران ہمہ وقت باوضو رہتے پانی کا ایک گھونٹ اور کھجور کا ایک دانا کھا لیتے تا کہ بول براز کی حاجت نہ ہو۔ اہل حرم کا خصوصی ادب کرتے اور فرماتے یہ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں اس پاک سرزمین کے باسی ہیں اور ہماری سرکار کے ہم وطن ہیں۔ یہاں کا ذرّہ ذرّہ محترم ہے۔ اس خطے سے محبت ایمان کی حقیقی تلاوت ہے۔

دوسری مرتبہ 1952ء میں آپ حج بیت اللہ کیلئے ارض مقدس تشریف لے گئے دونوں مرتبہ آپ کو حج اکبر نصیب ہوا۔

ایک مرتبہ آپ تشریف فرما تھے غلاموں اور عقیدت مندوں کا ہجوم تھا ایک شخص گرد آلود کپڑوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی خیریت دریافت فرمائی تو وہ رونے لگا آپ کے مزید استفسار پر اس نے بتایا کہ چند ماہ قبل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میری ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی جبکہ دوسری کی بینائی بھی کمزور ہو رہی تھی۔ آپ نے بینائی کی بحالی کیلئے گیارہ بتاشے دم کر دیئے اور ہدایت فرمائی تھی کہ روزانہ ایک بتاشہ کھانا میں نے یہ

عمل صرف دو دن ہی کیا تھا کہ مجھے وسوسوں نے گھیر لیا اور میں سوچنے لگا کہ بینائی کبھی بتاشوں سے بھی واپس آئی ہے۔ لہٰذا میں نے باقی بتاشے نہ کھائے۔ حتیٰ کہ میری بینائی روز بروز کم ہوتی گئی۔ اب میں تلاوت قرآن پاک بھی نہیں پڑھ سکتا۔ جس کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔

دو روز قبل نماز تہجد ادا کر کے بیٹھا ہی تھا کہ غنودگی کی حالت میں سرکار مدینہ ﷺ تشریف لائے میں نے اپنا سر حضور ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا اور عرض کیا کہ حضور میں اندھا ہو گیا ہوں مہربانی فرمایئے آپؐ نے حکم دیا میرے چراغ علی شاہ صاحب نے جو بتاشے تمہیں دیئے تھے وہ تم نے کیوں استعمال نہیں کئے میں نے اپنی کوتاہی پر ندامت کا اظہار کر کے معافی طلب کی رحمت عالم ﷺ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ اگر اپنی آنکھوں کا نور واپس لینا چاہتے ہو تو چراغ علی شاہ کے پاس جاؤ۔

یہ بات کہہ کر وہ شخص زار و قطار رونے لگا۔ جب آپ نے اپنے بارے میں رحمت دو جہاں ﷺ کا فرمان سنا تو طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور اس خوش نصیب کو گلے لگا لیا۔ بتاشے دوبارہ دم کر کے دیئے جس سے وہ شخص دنوں میں ٹھیک ہو گیا۔

حضرت عبدالغفور رحمتہ اللہ علیہ
المعروف باباجی سرکارؒ دریا شریف والے

حضرت عبدالغفورؒ المعروف باباجی سرکار ولی کامل اور عالم باعمل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد گرامی قبلہ باباجی ایک بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کے پاس دور دراز علاقوں سے لوگ علم حاصل کرنے کیلئے آتے اور حصول تعلیم کی پیاس بجھا کر لوٹ جاتے۔ آپؒ کا بچپن بہت ہی پاکیزہ ماحول میں گزرا۔

یوں تو اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے کافروں سے لڑنے کا نام جہاد ہے اور نفس اور شیطان سے لڑنے کا نام مجاہدہ ہے اسی لئے نفس کے خلاف جہاد کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا ہے۔

بزرگانِ دین کے نزدیک جہاد ایک وقتی جنگ ہے یہ جنگ ہار جیت میں تبدیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن نفس کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔ چونکہ نفس اور شیطان ہر انسان کے اندر واقع ہے اس لئے بیرونی جنگ سے اندرونی جنگ زیادہ مشکل ہے۔ اسی لئے بزرگانِ دین اسے بڑا جہاد قرار دیتے ہیں باباجی سرکارؒ نے اپنی ساری زندگی نفس اور شیطان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے گزاری۔ آپؒ تعلیم حاصل کرنے کیلئے ایک گاؤں شکر درہ شریف لے جاتے تھے۔ یہ

گاؤں آپؒ کے گھر سے سولہ میل کی مسافت پر تھا۔ آپ روزانہ وہاں پیدل ہی تشریف لے جاتے اور شام کو واپس آ جاتے۔ ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن بھی شکر درہ شریف سے ہی کیا۔ آپؒ قرآن پاک کی اس قدر خوش الحانی سے تلاوت فرماتے کہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی پرواز کرتے کرتے رک جاتے۔ مچھلیاں پانی سے باہر آ جاتیں اور یوں محسوس ہوتا کہ دیواریں بھی وجد کر رہی ہوں۔ دور دراز علاقوں سے لوگ صرف آپ سے قرآن پاک کی تلاوت سننے کیلئے جوق در جوق آتے۔ آپؒ کے گرد جب لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تو ہر شخص تک آپؒ کی آواز بالکل صاف پہنچتی اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہر شخص کو با آسانی سمجھ آتے۔ لوگ اسے بھی آپؒ کی کرامات قرار دیتے ہیں۔

قرآن پاک حفظ اور ناظرہ کرنے کے بعد آپ دیگر علوم پڑھنے کیلئے کامرہ شریف، اکھوڑی، رام پور اور دہلی بھی تشریف لے گئے۔ یہ بات آپؒ کی عادت کا حصہ تھی کہ جب زمین پر کاغذ کا کوئی ایسا ٹکڑا پڑا ملتا جس پر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا نام لکھا ہوتا تو آپ فوراً جھک کے اٹھا لیتے اور فرماتے کہ جس کاغذ پر اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ وہ کاغذ جب زمین پر گرتا ہے تو فرشتے اس کے نیچے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اللہ کا ولی اسے دیکھتا ہے تو فوراً اٹھا لیتا ہے۔

طالب علمی کے دور میں ایک مرتبہ آپ اپنے ماموں شمس العلماء قاضی جیلانیؒ کے ہاں رامپور گئے ہوئے تھے۔ رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کیلئے مقامی معززین نے اصرار کیا تو ماموں نے آپؒ کی ڈیوٹی لگا دی۔ ختم قرآن کے دن معززینؒ نے قرآن سنانے پر آپؒ کو دو سو روپے نقد انعام کے طور پر دیئے۔ آپ نے یہ کہہ کر وہ رقم واپس کر دی کہ میں قرآن پڑھنے اور سنانے کا معاوضہ نہیں لیتا۔ اس پر لوگ حیران ہوئے اور آپؒ کے ماموں کے پاس جا کر سارا ماجرا سنایا۔ جب ماموں نے بھی پیسے لینے پر اصرار کیا تو

آپؒ رونے لگے اور عرض کی کہ مجھے اس کیلئے مجبور نہ کیا جائے۔ آپ کی ولایت کا اظہار اس طرح بھی ہوتا ہے کہ آپ نے ساری زندگی مسجد کی تعمیر اور مدرسہ کو چلانے کیلئے کسی سے کچھ بھی نہیں مانگا۔ ایک مرتبہ جب چند حاسد اور شیطان لوگوں نے آپ پر نعوذ باللہ بددیانتی کی تہمت لگانے کی جسارت کی تو آپؒ نے نماز جمعہ کے وقت بلند آواز میں لوگوں سے فرمایا کہ جس شخص نے مدرسے یا مسجد کی تعمیر کیلئے مجھے چندہ دیا ہے وہ کھڑا ہو کر واپس لے لے آپ کے چہرے پر جلال نمایاں تھا۔ دو تین مرتبہ کہنے کے باوجود کوئی ایک شخص بھی اٹھ کر کھڑا نہ ہوا اس طرح حاسدین کے منصوبے پر پانی پھر گیا۔ جب بھی عقیدت مند یا مخیّر حضرات آپ کو نقد یا جائیداد کی صورت میں کچھ دینے لگتے تو آپؒ کسی بھی صورت میں نذرانہ لینے سے انکار کر دیتے اور فرماتے کہ یہ نہ سمجھا کرو کہ اتنا بڑا لنگر کیسے چل رہا ہے مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کیسے ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی اپنے غائب کے خزانے سے اس کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

اس زمانے میں بھی آپ نے مسجد تین منزلہ اس خیال سے بنوائی کہ گاؤں کا کوئی مکان اللہ کے گھر سے اونچا نہ ہو۔ اتنی بڑی مسجد کی تعمیر کا سہرا کسی انجینئر یا تعمیراتی مشیر کے سر نہیں تھا بلکہ آپ مستریوں کو جو حکم دیتے وہ کرتے جاتے۔

آپؒ اکثر فرمایا کرتے کہ "توکل کا سبق اگر یاد کر لیا تو اللہ تعالیٰ مجھے مرغوں کی طرح روزی دے گا۔"

آپؒ کا لنگر تہجد کی نماز سے شروع ہو کر رات گیارہ بجے تک جاری رہتا اور ہزاروں لوگ روزانہ لنگر سے پیٹ کی آگ بجھاتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کتا شیطان کو دیکھتا ہے تو بھونکنے لگتا ہے اور مرغ جب فرشتوں کو دیکھتا ہے تو بانگ دیتا ہے۔ لنگر خانے کے باہر ہر وقت ایک کتا بیٹھا نظر آتا

تھا لیکن اسے کسی نے بھونکتے ہوئے نہیں دیکھا گویا آپؒ کے آستانے پر کبھی شیطان وارد نہیں ہوا جبکہ فرشتوں کو دیکھنے والا مرغا دن میں کئی مرتبہ بانگ دیتا تھا۔ گویا آپؒ کی برکتوں سے آستانہ عالیہ دربار شریف میں شیطانوں کا داخلہ قطعی منع تھا۔

آپؒ بہت مہمان نواز تھے اور ہر روز لانگری سے پوچھتے کتنے مہمان آئے ہیں اور لانگری کو خصوصی ہدایت فرماتے کہ آنے والے ہر مہمان کی بہترین خدمت کی جائے۔ ان کے آرام کا بھی خاص خیال رکھا جائے۔

آپؒ اکثر مانکی شریف' تشریف لے جاتے اور بڑی سرکار سے فیض یاب ہوتے کئی مرتبہ نماز تراویح کی امامت بھی فرماتے اگر سامع بھی ہوتے تو کم سے کم پانچ پارے سنتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ نماز تراویح میں بیس پارے پڑھ دیئے گئے۔ آپؒ کی برکتوں سے کسی کو بھی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا احساس نہ ہوتا۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود قرآن کھڑے ہو کر سنتے۔ ایسی محافل سے لطف اٹھانے کیلئے قرب و جوار کے گاؤں سے لوگ بڑے ذوق شوق سے دریا شریف کا رخ کرتے ہر ستائیسویں کی رات کو شبینہ کا اہتمام کرتے ساری رات اللہ کا ذکر فکر جاری رہتا۔ ماہِ رمضان کے آنے کی بے حد خوشی اور جانے کا بیحد غم ہوتا ماہ رمضان کے دوران آستانے پر سحری اور افطاری کا خصوصی اہتمام کیا جاتا۔

طالب علمی کے دور سے ہی نفس امارہ کو نفس مطمنہ بنانے کیلئے آپؒ نے چلہ کشی شروع کر دی تھی۔ جب عقیدت مند نفس امارہ کو مارنے کا آپ سے نسخہ دریافت فرماتے تو آپؒ فرماتے نفس امارہ کو قابو کرنے کے تین ہتھیار ہیں۔ خاموشی کا خنجر' بھوک کی تلوار اور شب بیداری کا نیزہ' اگر یہ تینوں ہتھیار کسی شخص کے پاس ہوں تو نفس کو مارنے کیلئے کوئی مشکل نہیں ہو سکتی ورنہ نفس کو قابو کرنا بہت مشکل ہے۔

آپؒ کا معمول مبارک یہ تھا کہ صبح گیارہ بجے وضو توڑتے پھر تازہ وضو فرما کر

آپؒ صلوٰۃ فجی پڑھتے۔اس کے بعد وظائف پڑھتے۔وظائف کی تکمیل تک زوال کا وقت ہو جاتا پھر آپؒ نماز زوال پڑھ کر کھانا تناول فرماتے اور آپ کا دائمی معمول یہ تھا کہ آپ روٹی کے چار حصے کر کے صرف تیسرا یا چوتھا حصہ تناول فرماتے۔پہلی عمر میں کئی ماہ روزے رکھتے مونگ کی دال جس میں گھی بالکل کم ہوتا وہ تناول فرماتے۔اگر سالن میں گھی زیادہ ہوتا تو منع فرماتے کھانا کھانے کے بعد پھر وظائف میں مشغول ہو جاتے۔جب فارغ ہوتے تو ظہر کی سنتیں ادا کرتے پھر ظہر کی جماعت خود کراتے۔ختم خواجگان پڑھتے۔فارغ ہو کر مہمان حضرات میں بیٹھتے۔مہمان حضرات سے فارغ ہو کر کتب کا مطالعہ فرماتے۔انتقال سے دو تین سال پہلے عصر کی نماز سے پہلے آدھا گھنٹہ آرام فرماتے یہ معمول آخری ایام تک جاری رہا ورنہ پہلے مہمانوں سے فارغ ہو کر تسبیح و نوافل میں مشغول رہتے پھر عصر کی سنتیں پڑھنے کے بعد نماز عصر ادا فرماتے۔ختم خواجگان سے فارغ ہو کر کچھ وقت مہمانوں میں گزارتے معمول کے مطابق کھانا تناول فرما کر وظائف میں مشغول ہو جاتے۔

پھر آپؒ نمازِ عشاء پڑھتے' نماز کے بعد کوئی ایسے مہمان ہوتے جنہیں مجبوری سے جانا ہوتا آپ ان سے ملاقات فرماتے اور تمام رات شب بیداری فرماتے۔

اڑھائی بجے تک آرام کرنے کے بعد نیا وضو بنا کر تہجد کی نماز ادا فرما کر تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔اسی دوران آپ سبز چائے کا ایک کپ نوش فرماتے۔جب صبح کی اذان ہو جاتی تو آپؒ مسجد شریف کی دیکھ بھال کیلئے تینوں منزلوں کا چکر لگاتے پھر نیچے اتر کر سنتیں ادا فرما کر پھر جماعت خود کرتے۔

آپؒ کو بواسیر اور معدہ جگر کا مرض لاحق تھا لیکن آپ نے ان امراض کا مردانہ وار مقابلہ کیا حکیموں اور ڈاکٹروں سے علاج نہیں کروایا۔جب کوئی عقیدت مند علاج کے بارے میں مجبور کرتا تو آپ حدیث مبارک سنا دیتے۔"کہ قیامت کے روز ستر ہزار انسان

بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے وہ کون لوگ ہوں گے۔آپ ﷺ نے ان کی تین علامتیں بیان فرمائیں بیماری کے وقت وہ دوائی نہیں کراتے۔مشکل کے وقت تعویذ نہیں کراتے اور نہ ہی فال نکلواتے ہیں۔وہ صرف اللہ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔

صوفیا کا مقولہ ہے کہ پرہیز گار لوگ اکثر بیماری میں مبتلا رہتے ہیں۔اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

نمازِ عصر کے بعد آپؒ کے پاؤں مبارک پر اکثر ورم رہتا آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔چہرے کا رنگ تبدیل ہو جاتا۔کئی مرتبہ عقیدت مند کرامت کے بارے میں آپ سے دریافت کرتے تو جواباً آپؒ فرماتے ''دین پر مضبوطی سے قائم رہنا کرامت سے اونچا مقام ہے۔استقامت سے ہی کرامت حاصل ہوتی ہے۔

جب ولی کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ولی وہ ہوتا ہے جو مستحبات کی بھی اتنی پابندی کرے جتنا عام لوگوں کو فرائض کی پابندی کا حکم ہے۔ایک حدیث مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے سے ہی ولی بنتا ہے اور پھر جب انسان اللہ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے تو اللہ اس کی آنکھیں' کان اور ہاتھ بن جاتا ہے۔جس سے وہ دیکھتا' سنتا اور پکڑتا ہے۔پاکیزگی کو آپؒ اس قدر پسند فرماتے کہ مسجد میں ایک کنواں تھا جہاں سے گاؤں کی عورتیں بچوں سمیت پانی لینے آیا کرتی تھیں۔آپؒ اس کنویں کے پانی سے وضو اور غسل نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپ کے بقول عورتیں پرہیز اور احتیاط نہیں کرتیں۔اس لئے وضو' غسل اور آپ کے کپڑے دھونے کیلئے گاؤں کے قریب ہی بہتی نہر سے بطور خاص پانی لایا جاتا۔

چھچھ شریف میں پہلے صرف دو ہی حافظ قرآن ہوا کرتے تھے۔ان میں سے

ایک آپؒ تھے لیکن بعد میں آپ کی برکتوں اور کاوشوں سے گاؤں کے بیشتر لوگ حافظ قرآن بن گئے۔ یہ آپ کی تربیت اور صحبت کا ہی اثر تھا کہ آپؒ سے پڑھنے والے طلبہ کو لوگ فرشتوں سے تشبیہ دیتے۔ آپ میرہ شریف' چھور شریف اکثر جاتے۔ یہیں سے آپ کو قطب بننے کی نوید ملی۔ گولڑہ شریف بھی باقاعدگی سے حاضری دیتے۔ لیکن اپنے پیر خانے مانکی شریف سواری کے بغیر ہی پیدل جاتے۔ اس طرح اپنے پیر خانے سے آپ کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک رات آپؒ نے خواب دیکھا کہ ایک روحانی صورت والے بزرگ آپ کے قریب آئے اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریشمی کپڑا آپ کے گلے میں ڈال دیا۔ صبح جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے کالوکلاں سے ایک سید غلام شاہ صاحب کو بلا بھیجا جو پیر حضرت غلام قاسم موہڑیؒ کے خلیفہ تھے۔ انؒ سے خواب کا قصہ بیان فرمایا انہوں نے بزرگ کی شکل شبہات کے بارے میں پوچھا پھر کچھ دیر مراقبے میں رہ کر بولے کہ کندیاں ریلوے لائن پر ایک اسٹیشن کروڑ بھی آتا ہے۔ خواب والا حلیہ انہی بزرگوں کا ہے۔ پھر بولے گلے میں کپڑا ڈالنے کا مقصد مرید کرنا تھا۔ چنانچہ آپ ایک معتمد کے ہمراہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

جب اسٹیشن کروڑ پر اترے تو راستے کا علم بالکل نہ تھا۔ انہی دنوں دریائے سندھ میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ آپ کی منزل گنج شریف اسٹیشن سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر تھی اور یہ سارا فاصلہ گہرے سیلابی پانی سے گزر کر ہی طے کرنا تھا۔

ایک جگہ پانی اتنا گہرا تھا کہ پاؤں اکھڑ گئے۔ پھر کچھ دیر بعد پاؤں ایک ٹیلے پر لگ گئے۔ اس طرح سات آٹھ میل کا سفر پانچ چھ گھنٹے میں طے پایا یہیں پر آپ نے بیعت کی اور جب تک زندہ رہے اپنے پیر خانے پر باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔

پیر خانے کا احترام اس قدر دل میں تھا کہ وہاں کے بچے کا بھی ادب اور احترام کرتے پھر آپؒ کی طبیعت ناساز رہنے لگی لیکن آپ نے بیماری کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا اور فرض نماز کے ساتھ ساتھ نماز تراویح بھی ادا فرماتے رہے۔ 9 جمادی آلاخر 1397 ھجری کو نماز چاشت کے وقت آپ نے اپنی جان آفریں کے حوالے کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق آپؒ کو حجرہ شریف میں ہی ہزاروں عقیدت مندوں کی موجودگی میں دفن کر دیا گیا۔ یوں نور الٰہی کا ایک آفتاب اپنی کرنوں سے کائنات اور اس میں بسنے والے انسانوں کو منور کر کے غروب ہو گیا۔

مجدد العصر
حضرت سید پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ یکم رمضان المبارک 1275ھ بمطابق 14/اپریل 1859ء بروز سوموار بمقام گولڑہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی ولادت سے چند روز پیشتر ایک عمر رسیدہ مجذوب خانقاہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور عنقریب پیدا ہونے والے مقبول خدا کی زیارت کا بار بار ذکر فرماتے تھے۔ جب آپ تولد ہوئے' تو یہ مجذوب حرم سرائے کی ڈیوڑھی میں پہنچے اور آپ کو باہر منگوا کر ہاتھ پاؤں چومے اور رخصت ہو گئے۔

جب آپ نے ہوش سنبھالی تو آپ کو خانقاہ کے درس میں قرآن کریم پڑھنے کیلئے مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ عمر اتنی کم تھی کہ خادم اٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لے آتا۔ آپؒ اتنے ذہین تھے کہ کمسنی کے باوجود بھی قرآن مجید کا سبق آپؒ زبانی یاد کر کے روزانہ سنایا کرتے تھے۔ جب ناظرہ قرآن مجید ختم ہوا تو اس وقت قرآن کے تمام سپارے آپ کو حفظ ہو چکے تھے۔ عربی' فارسی اور صرف ونحو کی تعلیم کیلئے بڑے پیر صاحب (سید پیر فضل دین شاہ صاحبؒ جو آپ کے والد گرامیؒ کے ماموں تھے) نے ہزارہ کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا۔ گولڑہ شریف سے نحو پڑھ کر اس کمسنی کی حالت میں موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال جا کر فاضل اجل مولانا محمد شفیع قریشی کے درس میں داخل ہو گئے۔ آپؒ نے دو

اڑھائی سال میں رسائل منطق قطبی تک اور نحو اور اصول کے درمیانی اسباق کی تعلیم حاصل کی۔ سرگودھا کی تحصیل شاہ پور کے گاؤں انگہ میں بھی آپؒ مولوی سلطان محمود کے زیر تعلیم رہے۔ آپ اس قدر قناعت پسند اور سخی تھے کہ جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا آپ اسے نادار طلباء میں تقسیم فرما دیتے اور خود عموماً روزے سے رہتے۔ تقریباً اڑھائی سال انگہ گاؤں میں مولوی سلطان محمود کے ہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف فلسفہ' معقول' ریاضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیر میں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئی تھیں۔ چنانچہ پندرہ سال کی عمر میں آپ علم کی مزید پیاس بجھانے کیلئے ہندوستان روانہ ہو گئے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن محدث کانپوری کے پاس پہنچے تو وہ سفر حج کیلئے تیار بیٹھے تھے فرمایا ''ان آٹھ دنوں میں دو چار سبق پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہوگا؟'' آپؒ نے وہاں سے علی گڑھ کا رخ کیا اور مولانا لطف اللہ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ مولانا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی۔ اس وقت مولانا کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار کی جاتی۔ علی گڑھ میں آپ نے تقریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی۔ مولانا لطف اللہؒ نے آپ کو قرآن مجید' کتب احادیث صحاح ستہ اور بعض خصوصی احادیث کی سندات عطا فرمائیں۔

1878ء میں وطن واپس پہنچتے ہی سیدنا پیر مہر علی شاہ ہمہ تن تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں وہ تمام اوصاف جمع فرما دیئے تھے جو کسی اعلیٰ مرتبہ معلم میں ہونے چاہئیں۔ انہی ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے ننھیال میں سید چراغ علی شاہؒ کی دختر نیک اختر سے بمقام حسن ابدال ہوئی۔

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کے خانوادہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ پہلے سے موجود

تھا۔ آپؒ کے والد گرامی کے ماموں حضرت سید پیر فضل دین شاہؒ سلسلہ قادریہ کی مسند ارشاد پر متمکن تھے۔ پیر فضل دین شاہ صاحبؒ ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ حل مشکلات اور افادہ ظاہری و باطنی کیلئے دور و نزدیک سے آنے والے لوگوں کا آپ کی خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ سلسلہ قادریہ میں حضرت سید پیر فضل دین شاہؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ انگہ میں حصول تعلیم کے دوران اپنے استاد حافظ سلطان محمودؒ کے ہمراہ آپ کو کئی بار حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ حضرت خواجہؒ بھی آپؒ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر واپس پہنچے تو سیدنا پیر مہر علی شاہؒ سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت خواجہ سیالویؒ نے حضرت کے علمی اور عرفانی کمالات کے پیش نظر اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے ہی آپؒ کو تمام اشغال و وظائف کی اجازت عامہ اور بیعت و ارشاد کا منصب عطا فرما دیا تھا۔ خواجہ سیالویؒ کے وصال کے بعد آپ مرشد کی جدائی میں اداس رہنے لگے۔ نماز ادا کرتے وقت یا وظائف پڑھتے وقت یا باتیں کرتے وقت رونے لگتے۔ آپ کئی کئی مہینے متواتر غائب رہتے۔ اولاً یہ سلسلہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں تک محدود رہا، پھر ہندوستان کی طرف رخ کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ راوی کے کنارے جہاں ان دنوں گھنا جنگل ہوا کرتا تھا، آپ کا قیام رہتا۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام ہوتا۔ تمام وقت ذکر فکر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ سنہری مسجد کے نیچے ستاروں، ربابوں اور سارنگیوں کی ایک دکان تھی۔ شہر میں آتے تو کبھی

کبھی وہاں ضرور بیٹھ جاتے۔ شیخ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے فتوحات مکیہ مصنفہ حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ جستجو پر معلوم ہوا کہ لاہور میں اس کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ خواجہ کریم بخش سوداگر چرم کے پاس موجود ہے۔ ان کی یہ شرط تھی کہ اگر کوئی صاحب اس کتاب کا صرف ایک صفحہ درست پڑھ کر مطلب بیان کر دیں تو وہ روزانہ چند گھنٹے میرے مکان پر آ کر اس کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے کئی صفحات مع مطلب پڑھ کر سنائے‘ جس پر وہ اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب آپ کے حوالے کر دی۔ مکمل طور پر مطالعہ فرما کر آپ نے وہ کتاب واپس لوٹا دی۔

1897ء میں اچانک ایک روز حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

''عرب شریف میں قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپؒ نے اسی جگہ رہائش اختیار کرنے کا سوچا مگر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس کا سدباب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو علمائے عصر کے عقائد محفوظ نہ رہیں گے اور وہ فتنہ زور پکڑ لے گا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھا۔

فاتح قادیانیت سید پیر مہر علی شاہؒ اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان مناظرہ و مباہلہ کی مختصر روداد درج ذیل ہیں:

1890ء تا 1900ء: حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کے نام ایک مطبوعہ دعوت نامہ بھیجا گیا جس میں مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ''میں مسیح موعود ہوں احیائے دین اور عروج اسلام کیلئے مامور من اللہ ہوں'' آپ نے جواباً فرمایا کہ ''میں تو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا‘ اپنی توجہ حسب سابق مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں مگر مرزا نے حیات مسیح کے انکار اور اپنے مسیح موعود ہونے پر اصرار جاری رکھا۔ لہٰذا پیر صاحب نے ایک کتاب بعنوان ''شمس

الهدایۃ فی اثبات حیات المسیح'' تالیف فرمائی۔

22/جولائی 1900: اشتہار کے ذریعہ مرزا غلام احمد قادیانی ن سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کو عربی زبان میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔

25/جولائی 1900: حضرت پیر صاحبؒ کی طرف سے جواب دعوت بذریعہ اشتہار مرزا قادیانی کو بھیجا گیا کہ ''مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسروچشم منظور ہے۔ تاہم مدعی مسیحیت و مہدیت و رسالت' لسانی تقریر سے حاضرین جلسہ کے سامنے اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت پہنچا دیں۔ مرزا صاحب نے تقریری مباحثہ کی شرط قبول نہ کی اور کہا ''اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب آجائیں۔''

21' 22 اگست 1900ء: ایک مخلص حکیم سلطان محمود سکنہ راولپنڈی نے حضرت قبلہ پیر صاحبؒ کی طرف سے یہ اعلان شائع کیا کہ پیر صاحب 25 اگست 1900ء کو مرزا صاحب کی طے کردہ شرائط کے مطابق تحریری مقابلہ کیلئے لاہور تشریف فرما ہوں گے۔ اعلان کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ انہوں نے قادیان بھی بھجوادی۔

24/اگست 1900ء: گولڑہ شریف سے لاہور کیلئے بغرض مناظرہ و مباہلہ پیر صاحبؒ روانہ ہو گئے اور گولڑہ شریف سے مرزا صاحب کو اطلاع بذریعہ تار بھیجی۔ پھر لالہ موسیٰ جنکشن سے دوبارہ اطلاع دی گئی۔ آپ کے قیام کا انتظام مع رفقاء برکت علی محمڈن ہال اور اس کی ملحقہ عمارات بیرون موچی دروازہ لاہور میں کیا گیا تھا۔ علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط واپس نہیں لینی چاہئے۔ پیر صاحب نے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء مشائخ اسلام کی اس برگزیدہ محفل میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیث شریف (یہ وہ قوم ہے جس کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرور ہو کر مرزا صاحب راہِ راست پر آجائیں۔ اس معرکہ میں تمام اسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور تمام مکاتب فکر کے جید علماء نے قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر

صاحبؒ گولڑہ شریف کومتفقہ طور پر اپنا قائد تسلیم کیا۔

25‘26 اگست 1900ء: علماء اسلام اور عوام شاہی مسجد میں جمع ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے جھوٹے بہانے کرتے ہوئے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے اور مرزا صاحب ضرور آئیں گے مگر مرزا صاحب کو نہ آنا تھا‘ نہ آئے۔

27/اگست 1900ء: مرزا صاحب کے نہ آنے پر 27 اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تمام اسلامی فرقوں کے علماء نے باری باری ختم نبوت کی تفسیر بیان کی اور عقیدہ ختم نبوت کو قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت کیا۔

24/اگست تا 29 اگست 1900ء: حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ نے 24 اگست تا 29 اگست 1900ء لاہور شہر میں قیام فرمایا اور اس موقع پر آپ نے ایک بات فرمائی تھی جس کا پرچا بزم در بزم مدت تک رہا۔ آپ نے فرمایا ”جناب نبی کریمؐ کی امت میں ایسے خادم دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر لکھ دے“ ظاہر ہے اس کا اشارہ اپنی جانب تھا۔ اسی قیام کے دوران مرزائیوں کے ایک وفد نے پیر صاحب سے کہا ”ایک نابینا اور اپاہج کیلئے مرزا صاحب دعا کریں‘ جس کی دعا قبول ہو گی وہ سچا سمجھا جائے گا۔“ پیر صاحبؒ نے جواباً فرمایا ”مرزا صاحب سے کہیں کہ وہ آئیں‘ اگر مردے بھی زندہ کرنے پڑیں تو وہ بھی قبول ہے۔“ چنانچہ بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”نبی کریمؐ کے جمال با کمال سے میرا دل ایسا قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ اگر اس سے بڑا دعویٰ بھی کرتا تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور سچا ثابت کرتے۔“

حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ کی تصانیف کا ذکر ایک ضخیم کتاب کا مقتضی ہے۔ یہاں صرف آپ کی کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

1- تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (1315ھ مطابق 1897ء)

2- شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح (1317ء مطابق 1900ء)

3- سیف چشتیائی (1319ء مطابق 1902ء)

4- اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ بغیر اللہ (1322ھ مطابق 5-1904ء)

5- الفتوحات الصمدیہ (1325ھ مطابق 8-1907ء)

6- تصفیہ مابین سنی وشیعہ

7- فتاویٰ مہریہ

8- ہدیۃ الرسول ﷺ

ابتداء میں پیر صاحبؒ کی حالت صحو کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی معروضات سن کر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ مصاحب خاص مولوی محبوب عالم عرض کرتے کہ "حضور فلاں صاحب حاضر ہیں۔ ان کے مقصد کیلئے دعا فرمائیں" اور یہ کہہ کر خود دعا مانگ کر بلند آواز سے آمین کہتے ہیں اور حضرت بھی آمین فرمادیتے۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ صاحب حاجت کچھ عرض کرتا تو آپ اسی جملے کو دہرا دیتے اور اس کی حاجت پوری ہوجاتی۔ 29 صفر 1356ھ مطابق 11 مئی 1937ء کو شہباز اوج روحانیت نے اسم ذات شریف اللہ ایک دفعہ ہی آہستہ مگر ایسی طویل اور عمیق آواز میں زبان شوق اور قلب عرفان سے ادا فرمایا کہ اس کی گونج آپ کے دماغ عالی سے لے کر قدم مبارک کے ناخنوں تک سارے بدن اطہر میں رگ وریشہ اور سینہ مجلی کی وسیع گھاٹیوں میں پھیل گئی۔ چہرہ مبارک کیف وصال سے مجسم نیاز نظر آتا تھا۔ پھر دوبارہ متوسلین کو الوداعی تلقین میں اسی طرح اس ذات شریف کا اعادہ فرما کر قبلہ رو ہوگئے۔

دوسرے دن یکم ربیع الاوّل 1356ء مطابق 12 مئی 1937ء آٹھ بجے شام آپؒ کا جسم اطہر مسجد کے جنوبی باغ میں مدفون کیا گیا۔

حضرت پیر کرم علی شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا شمار امت کے عظیم محسنوں میں ہوتا ہے۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے فروغ کے سلسلے میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ اپنے تقویٰ اور عشق رسول ﷺ کے فیض سے لاکھوں مسلمانوں کی عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ ان کا تعلق ایک بلند پایہ دینی و روحانی گھرانے سے تھا۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی سہروردیؒ سے ملتا ہے۔ آپؒ یکم جولائی 1918ء کو بھیرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت پیر محمد شاہ غازیؒ جد امجد حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ صاحب سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ممتاز بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کے قائم کردہ دارالعلوم محمدی غوثیہ بھیرہ شریف میں جید علماء سے تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث کیلئے علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی کی خدمات میں حاضر ہوئے اور بڑی محنت اور توجہ سے اکتساب فیض کیا۔ یہاں تک کہ دستار فضیلت حاصل کرتے وقت استاد مکرم نے ان الفاظ کے ساتھ اطمینان کا اظہار فرمایا کہ ''میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی وہ میں نے موزوں شخص تک پہنچا دی ہے'' ان کے والد قرآن اور قرآنی تعلیمات کے فروغ سے گہری رغبت رکھتے تھے۔ مزید تعلیم کیلئے انہیں عالم اسلام کی عظیم اور قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ الازہر مصر بھیجا گیا کہ حصول علم کے بعد بہتر طور پر دین کی خدمت کرسکیں چنانچہ

مصر میں انتہائی شوق اور دلچسپی سے تعلیم حاصل کی اور اپنی خداداد ذہانت اور ادب سے اپنے محترم اساتذہ کو متاثر کیا۔ ان کی خصوصی توجہ حاصل کر لی۔ جامعہ کے آخری امتحان میں پوری یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور اسلامک لاء میں ایم اے (آنرز) کی سند حاصل کر کے وطن لوٹے۔

عہد طفولیت میں ہی انہوں نے حضرت شیخ المشائخ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیت کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ مصر سے واپسی پر حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے ان کی تربیت مکمل کر کے خرقہ خلافت سے نوازا۔

حضرت خواجہ صاحب کو ان سے خصوصی لگاؤ تھا ایک مرتبہ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''محمد کرم شاہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ بلکہ پیر سیال کے روضے کا مینار ہے'' حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے جامعہ الازہر سے واپسی پر ملکی حالات کا جائزہ لیا اور بہتر یہی خیال کیا کہ اپنے والد ماجد کے قائم کردہ دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ کی جائے۔ چنانچہ دارالعلوم میں قدیم و جدید علوم کا امتزاج کرتے ہوئے ایسا نصاب تعلیم ترتیب دیا جس کی تکمیل کے بعد طالب علم معاشرے کے ہر طبقے کے سامنے دینی تعلیمات بحسن و خوبی پیش کر سکتا ہے۔ انہوں نے دارالعلوم کے معیار کو بلند کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات میں دارالعلوم کے طلبہ نمایاں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ نیز دارالعلوم کے معیار کو جامعہ الازہر میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے دو درجن سے زائد شاخیں اندرون و بیرون ملک کام کر رہی ہیں۔

پیر صاحب نے مسلمان بچیوں کیلئے بھی دینی درسگاہیں قائم کیں جہاں میٹرک

ے کے بعد چار سالہ کورس کروایا جاتا ہے اور اس دوران ایف اے اور فاضل عربی کے امتحانات دلوائے جاتے ہیں۔ ان اداروں میں پردے سمیت شریعت کی تمام پابندیوں پر کاربند رہنا لازمی ہے۔ غوثیہ گرلز کالج کے نام سے یہ ادارے بھیرہ شریف، منڈی بہاؤالدین، سرگودھا اور دیگر مقامات پر کامیابی سے چل رہے ہیں۔ مدارس کے قیام کے ساتھ ساتھ قرآنی فکر کو عام کرنے کیلئے ضیاء القرآن کے نام سے پانچ جلدوں پر تفسیر اردو زبان میں تحریر فرمائی ہے۔

یہ تفسیر علماء وطلبا کیلئے علمی تحقیقات وفنی نکات کا خزینہ ہے۔ وکلاء اور قانون دانوں کیلئے بیش بہا سرمایہ جدید سیاسی و معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل اور اہل دل کیلئے درد و سوز کا ارمغان ہے۔ تفسیر میں پیر صاحب نے قرآن پاک کے اہم ترین پہلو یعنی ''ہدایت'' کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اور امت کی اصلاح کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کے علاوہ مقام الوہیت اور مقام رسالت کی وضاحت نہایت احتیاط سے فرمائی ہے اور قرآن کی روشنی میں شان مصطفیٰ کو کھل کر بیان فرمایا ہے۔ حضرت پیر صاحب نے سیرت کے عظیم الشان موضوع پر تحقیقی کتاب ضیاء النبی تحریر فرما کر صاحب نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ اطاعت رسول ﷺ میں گزارا اور محبت و اطاعت رسول کو ہی تمام مسائل کا حل تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ضیاء النبی تحریر کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ حضور ﷺ کے فضائل و کمالات کو اس انداز سے بیان کیا جائے کہ انسان کی عظمت کا قائل ہو کر آپ سے اتنی محبت کرنے لگے کہ اطاعت پر خود کو مجبور پائے۔ چنانچہ انہوں نے سات ضخیم جلدوں میں محبوب خدا کے اوصاف و کمالات کو خوبصورت انداز میں تاریخی واقعات کے تناظر میں بیان فرمایا ہے مگر کوئی بات بھی بغیر تحقیق نہیں لکھی بلکہ سیرت کے موضوع پر تمام قدیم اور مستند کتب ان کے سامنے رہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ قاری کا رشتہ تاجدار ختم نبوت سے پختہ کر دیتا ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ شریعت بینچ کے جج کی حیثیت سے جو فیصلے تحریر فرمائے وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ان فیصلوں کے ذریعے ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی بجائے مثبت پیش رفت ہوئی۔حق شفعہ، رجم، شناختی کارڈ پر تصویر اور انعامی بانڈز کے مسائل پر انہوں نے جو فیصلے فرمائے وہ پاکستانی عدلیہ کیلئے مشعل راہ ہیں۔حضرت پیر کرم علی شاہ، بلاشبہ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور دنیا نے ان کے علمی مقام کو تسلیم مگر اصل کمال اور لوگوں میں محبوبیت کا سبب ان کا عشق رسول تھا۔اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود ان کا عجز وانکسار لوگوں کو گرویدہ کر لیتا تھا۔

شیخ القرآن
حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت ابوالفضل شیخ القرآن و شیخ الحدیث، مفکر اسلام حضرت مولانا الحاج غلام علیؒ اوکاڑوی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی زندگی دین اسلام کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ پوری زندگی خوفِ خدا اور عشق رسول ﷺ کا درس دیتے رہے۔ قرآن کریم کے نور کو لوگوں کے دلوں میں بسایا اور ان کے دلوں کو عشق رسول ﷺ کے نور سے منور کیا۔ صرف پاکستان میں ہی نہیں، بلکہ بیرونِ ممالک میں بھی آپ نے دینی علوم اور فکر قرآن سے لوگوں کو روشناس کروایا۔

آپ 11 رجون 1920ء بروز جمعۃ المبارک (ماہِ رمضان 1338 ہجری) کو ضلع گجرات کے ایک گاؤں، موضع ببانیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ نہایت ہی دین دار تھا۔ ابتدائی تعلیم مڈل تک موضع جوڑہ کرنانہ سکول میں اور ابتدائی دینی تعلیم کیلئے درس چھوٹے میاں لاہور میں داخلہ لیا۔ جالندھر شہر میں مدرسہ جامعہ رحیمیہ کریمیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں پر آپ نے حضرت مولانا عبدالجلیل ہزارویؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا۔ استاد محترم عشاء کی نماز کے بعد محلہ عالی شہر جالندھر میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ آپ ان کے ساتھ درس قرآن سننے کیلئے روز جایا کرتے۔ یوں اللہ نے فہم قرآن کی وہ استعداد

عطا فرمائی کہ علمائے اہلسنت نے آپ کو شیخ القرآن کا لقب عطا کیا۔

1939ء میں آپ نے حزب الاحناف لاہور میں دورۂ حدیث مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد سے مکمل کیا اور سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دو برس تک ہوشیار پور کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1949ء تک آپ کا قیام موضع گوہڑی ہی میں رہا' پھر اوکاڑہ تشریف لے آئے اور ستلج کاٹن ملز کی جامع مسجد اے کالونی میں خطابت کے فرائض سرانجام دینا شروع کئے جو تاحیات جاری رہے۔ 1954ء میں اوکاڑہ شہر کے لوگوں کے بھرپور تعاون سے جامعہ حنفیہ دارالعلوم اشرف المدارس کا سنگِ بنیاد رکھا اور خود کو قرآن سنت کی تعلیم کیلئے وقف کر دیا۔ دارالعلوم اشرف المدارس دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف پاکستان' بلکہ پورے عالم اسلام میں مشہور ہو گیا۔ اس وقت دارالعلوم کی عظیم الشان عمارت بہت حد تک تعمیر ہو چکی تھی اور کچھ زیر تعمیر ہے۔ آپ نے عقیدت مندوں کی فرمائش پر بچیوں کو بھی تعلیم دینا شروع کر دی۔ دارالعلوم اشرف المدارس سے ہزاروں لڑکیاں قاریہ و حافظ قرآن کی اسناد حاصل کر چکی ہیں۔ جامعہ حنفیہ دارالعلوم اشرف المدارس میں آپ قرآن و حدیث کی تعلیم خود دیتے رہے۔ آپ نے تقریباً 35 سال تک مسلسل حدیث پاک کا درس دیا۔ آپ ہر سال رمضان المبارک کے دوران مختلف شہروں میں بھی قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ آپ سے ہزاروں علمائے کرام نے تفسیر بھی پڑھی۔

آپؒ کے مشہور شاگردوں میں خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ آف کراچی' خطیب پاکستان صاحبزادہ سید محمد محفوظ الحق شاہ بوریوالا' علامہ سید محمد عبدالخالق شاہ بوریوالا' پیر طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا محمد عنایت احمد لاہور' شیخ الحدیث مفتی احمد یار اوکاڑہ' مولانا مفتی بشیر احمد اوکاڑہ' مولانا مفتی غلام یاسین اشرفی اوکاڑہ' صاحبزادہ پیر سید

غضنفر علی شاہ کرمانوالہ' مولانا محمد رمضان خاکی ٹاؤن شپ لاہور' مولانا عبدالرحمانی' مولانا شاہ محمد شائق منڈی یزمان' مولانا محمد یار پاک پتن' مولانا قاری نثار احمد دوبئی' قاری جعفر بلال انگلینڈ' مولانا محمد حنیف خاکی یوکے' حافظ محمد اشرف جلالی آف کاموکی' مولانا سید غلام محی الدین وغیرہ شامل ہیں۔ تین شاگرد ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے پہلے شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ان میں پروفیسر سلیم باغی' سید منور علی' سید منظور علی شامل ہیں۔

آپ نے 1947ء میں سیاست کا آغاز کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ نے ضلع گجرات منڈی بہاؤالدین کے علاقہ میں تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور انتخابات میں مسلم لیگی امیدوار کی بھرپور حمایت کی۔ ملتان میں جمعیت علمائے پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہوا تو اس اجلاس میں بھی آپ نے بھرپور شرکت فرمائی اور جمعیت کو پاکستان منظم کرنے اور چلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1956ء کے آئین کیلئے جمعیت پاکستان جب 22 نکات کی تیاری میں مصروف تھی تو مولانا اوکاڑوی حضرت مولانا ابوالحسنات کے دستِ راست تھے۔ کشمیر کی پہلی جنگِ آزادی میں حضرت مولانا ابوالحسنات کے دوش بدوش مظلومان کشمیر کی اعانت کیلئے کمربستہ رہے۔ ایوب خان کے عائلی قوانین پر جب منبر و محراب گنگ ہو گئے تو آپ ہی کی تحریک پر مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد نے ان کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا۔

جمعیت علمائے پاکستان جب حصوں میں تقسیم ہوئی تو مولانا اوکاڑوی نے شارع بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی کے ساتھ 1970ء میں حزب الاحناف کے تمام گروپوں کا بھرپور اجلاس بلایا' جس کے نتیجہ میں جمعیت کے تمام گروپ ختم ہو کر مجلس عمل کے قالب میں ڈھل گئے اور مجلس عمل کے روحِ رواں مولانا اوکاڑوی ٹھہرے۔ 1970ء میں آپ کی دعوت پر ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) میں عظیم الشان سنی کانفرنس نے سوادِ اعظم اہلسنت کو

میدان انتخاب میں اتارا اور شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کی قیادت میں پوری سنی قوم ایک قوت بن کر ابھری۔ اس دوران جمعیت پاکستان نے مولانا اوکاڑوی کو بلا مقابلہ صوبہ پنجاب کا صدر منتخب کیا اور وہ دو مرتبہ مسلسل اس عہدے پر فائز رہے۔

1993ء میں تمام اپوزیشن جماعتوں پر مشتمل متحدہ جمہوری محاذ عمل میں آیا تو اعلیٰ حضرت اس کے صوبائی صدر منتخب ہو گئے۔ 1974ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ میں اپنی جماعت کی نمائندگی کی۔ پورے ملک میں تحریک منظم کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس تحریک کے دوران آپ کی قیادت میں اوکاڑہ شہر کی تاریخ میں کئی روز مسلسل ہڑتال رہی اور آپ کو پس دیوار زنداں جانا پڑا اور جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ 1970-77ء کے انتخابات میں آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے اور قومی اتحاد کی طرف سے حصہ لیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران پورے پنجاب میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ 1979ء میں رائیونڈ میں عظیم الشان کل پاکستان میلادِ مصطفیٰ کانفرنس اور برمنگھم (انگلینڈ) میں انٹرنیشنل میلادِ مصطفیٰ کانفرنس منعقد کی۔ 1980ء میں ناسازیٔ طبع کی وجہ سے سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جنرل ضیاء الحق اور دیگر حکمرانوں نے بارہا آپ کو سرکاری عہدوں کی پیشکش کی، مگر مجاہد اسلام نے اپنے فقیرانہ مزاج کی وجہ سے قبول نہ کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے مذہبی پروگرام سیرت کانفرنس فروری 1988ء اشرف المدارس میں شرکت کی۔ آپ ملک کے اندر اور باہر اہم دینی اجتماعات سے خطاب کرتے رہے۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

1999ء میں آپؒ علیل ہو گئے۔ آپ کو لاہور کے جناح ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ آخر 16 مئی کی صبح خالق حقیقی سے جا ملے۔ 17 مئی کو صبح 8 بجے جنازہ اشرف

المدارس سے بہت بڑے جلوس کی شکل میں اوکاڑہ سٹیڈیم میں لایا گیا۔ جنازہ مسعود احمد رضوی نے پڑھایا۔ جنازے میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ آپ کو ذاتی گرہ سے خرید کردہ زمین ملحق دارالعلوم اشرف المدارس میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپؒ علماء سلف سے تھے آپ نے خدمت دین عمل سے، قلم سے، تحریر سے، تقریر سے اور نظر سے' کی حقیقت میں عالم ربانی وہی ہوتا ہے جس کے دل پر آفتاب نبوت کی روشنی پڑتی ہے۔ آپؒ اولیاء کرام کے محبوب تھے۔ غوث زماں گنج کرم حضرت سید اسمٰعیل شاہؒ المعروف کرماں والے آپ سے والہانہ محبت کرتے تھے۔

عاشق رسول، سلطان اولیاء
حضرت صوفی سید محمد اصغر احمد شاہ حمیدی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صوفی سید محمد اصغر احمد شاہ حمیدیؒ قادری چشتیؒ 1928ء کو ہندوستان کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔

آپؒ کے جد امجد کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا۔ بعد ازاں وہ ایران کے شہر فارس اور شیراز میں بھی قیام پذیر رہے۔ حضرت بدرالدین شاہؒ ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کے دو صاحبزادے، حضرت قاضی حمید الدینؒ اور حضرت شیخ مصلح الدین سعیدیؒ تھے۔ حضرت شیخ بدرالدین شاہؒ حضرت شیخ سعدیؒ کے پہلو میں دفن ہیں۔ والد کی وفات کے بعد حضرت قاضی حمید الدینؒ اور حضرت شیخ مصلح الدین سعیدیؒ بغداد پہنچے جو ان دنوں اولیاء کرام کا گہوارہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہاں آپ کا قیام ''سہرورد'' نامی قصبے میں ہوا۔ جہاں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مرید خاص اور خلیفہ حضرت شیخ ابو عمر شہاب الدین سہروردیؒ کا آستانہ تھا۔ چنانچہ 21 دن قیام کے بعد آپ دونوں بھائیوں نے حضرت شیخ ابو عمر شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر کچھ عرصہ بعد پیر و مرشد نے حضرت شیخ مصلح الدین سعیدیؒ کو وطن واپس جانے کی اجازت دے دی اور تاکید فرمائی کہ اپنے وطن شیراز جا کر دین کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھی راہ

دکھاؤ۔ لیکن حضرت شیخ قاضی حمیدالدین شیرازی کو پیرومرشد نے یہ کہہ کر روک لیا کہ جب ہم دنیا سے پردہ فرما جائیں تو تمہیں دین حق کی تبلیغ کیلئے ہندوستان جانا پڑے گا جہاں تمہیں قاضی شریعت اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ قاضی حمیدالدین شیرازیؒ دس سال تک پیرومرشد کی خدمت اقدس میں قیام پذیر رہے اور فیوض برکات کے مزے لوٹتے رہے پھر پیرومرشد حضرت شیخ ابوعمر شہاب الدین سہروردیؒ کا وصال ہوا تو مرشد کی تجہیز و تکفین کا اہتمام آپ نے ہی کیا۔ وصال کے تیسرے دن آپ نے مرشد کے صاحبزادے حضرت عمرؒ کو مسند خلافت پر بٹھایا اور خود ان سے اجازت لے کر شیراز واپس آ گئے۔ شیراز پہنچے تو آپ کو والد گرامی حضرت شیخ بدرالدین شاہؒ اور والدہ کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا۔ پھر مرشد کے حکم کے مطابق اپنی زوجہ محترمہ اور صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدینؒ کے ہمراہ شیراز سے نقل مکانی کر کے ہندوستان کے شہر بدایوں کی تحصیل گنور میں قیام پذیر ہوئے۔ ان دنوں ہندوستان پر غیاث الدین بلبن کی حکمرانی تھی۔ جب بادشاہ کو بدایوں میں آپ کی آمد کا علم ہوا تو بادشاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی اور ساتھ ہی قاضی شہر کا عہدہ سنبھالنے کی التجا کی۔

اجازت ملنے پر غیاث الدین بلبنؒ آپ کے در دولت پر قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا۔ اور قاضی القضاء کا عہدہ آپ کو پیش کیا۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ میں اس لائق نہیں ہوں۔ لیکن بادشاہ کے اصرار پر قاضی کا عہدہ مجبوراً آپ کو سنبھالنا پڑا۔ پھر بادشاہ نے آپ کو ''قاضی عمدۃ الملک'' کا خطاب دیا اور جاگیر بھی عطا کی۔ اس طرح مستقل طور پر آپ بدایوں کے ہو گئے۔ قاضی کے عہدے پر آپ گیارہ سال تک فائز رہے۔ اپنے غیر جانبدارانہ فیصلوں اور انصاف کا بول بالا کرنے کی وجہ سے آج بھی آپ کو ذی وقار اور روشن ضمیر بزرگ کے طور پر تاریخ میں جانا جاتا ہے۔

ان دنوں بدایوں شہر اپنے وقت میں علم وعرفان کا گھوارہ تھا۔ اس سرزمین نے بڑے بڑے بزرگ اور شاعر پیدا کیے۔ حضرت سید محمد اصغرؒ کو بچپن سے ہی دنیا والوں سے رغبت نہ تھی۔ پانچ بہن بھائیوں میں صرف آپؒ ہی حیات رہے۔ جب آپ چار سال کے ہوئے تو والدہ ماجدہ اور بہن بھائیوں کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ اب آپ کی تعلیم وتربیت کی تمام تر ذمہ داری والد گرامی حضرت عالم شاہؒ پر آن پڑی۔ صبح کو والد گرامی آپ کو کندھوں پر بٹھا کر نانی کے گھر چھوڑ آتے اور شام کو آپ کے نانا شاہ عبدالمعبود عثمانیؒ محلہ سید باڑہ بفضلہ منزل چھوڑ جاتے۔ اسی طرح چار سال گزر گئے۔ سارا دن اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے میں ہی گزر جاتا۔ اس دوران کسی کو بھی خیال نہ آیا کہ آپ کو دینی اور دینوی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ جب آپ 8 سال کے ہو گئے تو آپ کو قرآن پاک پڑھانے کا فریضہ والد گرامی نے ایک حافظ قرآن کو سونپا۔ حافظ صاحب روزانہ وقت مقررہ پر گھر آتے اور آپ کو قرآن پاک پڑھاتے۔ آپ کی ذہانت کا عالم یہ تھا کہ ایک بار پڑھنے سے ہی سبق آپ کو ازبر ہو جاتا۔ لیکن جب آپ کو علم ہوا کہ وہ استاد اہلحدیث ہے تو آپ نے ان سے پڑھنا بند کر دیا۔ اسی طرح ایک ماہ گزر گیا۔ والد صاحب نے ایک دن حافظ صاحب سے آپ کی پڑھائی میں دلچسپی، رجحان اور کارکردگی کے بارے میں دریافت کیا تو حافظ صاحب نے صاف کہہ دیا کہ برخوردار پڑھنے کیلئے نہیں آتے حالانکہ میں ہر روز پڑھانے کیلئے آپ کے ہاں آتا ہوں۔

یہ سن کر والد صاحب سخت خفا ہوئے انہوں نے جب خفگی کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں وھابی سے قرآن پاک نہیں پڑھوں گا۔ کیونکہ وہ لوگ گستاخ رسول ہوتے ہیں۔ یہ سن کر والد گرامی نے آپ کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا تمہارے جواب سے میں خوش ہوا۔

پھر آپ کو ایک ولی کامل کے پاس قرآن پڑھنے کیلئے بھیجا گیا۔ جہاں نہایت کم مدت میں آپ نے قرآن پاک پڑھ لیا اسی طرح ایک مرتبہ آپ کو دو سو روپے دے کر پورے خاندان کیلئے کپڑے خریدنے کیلئے بازار بھیجا گیا۔ راستے میں کسی بزرگ کا عرس ہو رہا تھا قوالی زوروں پر چل رہی تھی۔ بہت سے لوگ عقیدت اور عشق مجازی میں جھوم جھوم کر قوالوں پر نوٹ نچھاور کر رہے تھے۔ جذبات میں آ کر آپ سے بھی نہ رہا گیا دو سو روپے جو کپڑوں کی خرید کیلئے گھر سے ملے تھے وہ قوالوں پر نچھاور کر دیئے۔ پھر ڈانٹ کے خوف سے گھر نہ آئے۔ بالآخر رات ایک بجے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی تو آپ کی نانی صاحبہ نے دروازہ کھولا جو اس وقت تہجد پڑھنے کیلئے وضو کرنے جا رہی تھیں۔ نانی صاحبہ بھی دیر سے گھر آنے پر فکر مند تھیں۔ اس لئے انہوں نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ جب آپ نے بتایا کہ قوالی سن کر آ رہے ہیں تو نانی صاحبہ نے آپ کو کھانے کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے انکار میں سر ہلایا اور آپ سو گئے دوسری صبح جب والد گرامی اور گھر کے دیگر افراد بھی بیدار ہوئے تو والد صاحب نے کپڑوں کی خریداری کے بارے دریافت کیا۔ جب انہیں علم ہوا کہ دو سو روپے تو قوالوں پر نچھاور کر دیئے گئے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا آئندہ سے جس کام کیلئے پیسے دیئے جائیں وہی کام کیا جائے۔

آپ نے جب بیعت کیلئے درخواست کی تو والد گرامی نے فرمایا کہ ایک بزرگ خود آپ کے گھر آ کر آپ کو مرید کریں گے اس وقت کا انتظار کرو کیونکہ تمہارا حصہ ان کے پاس ہے۔ وہی اپنی نظر کرم سے تمہیں نعمت خداوندی سے نوازیں گے۔

آپؒ کے والد نے تین شادیاں کیں لیکن آپ اپنی سوتیلی ماؤں کے پاس رہنے کی بجائے پھوپھی کے گھر میں ہی رہتے۔ اسی دوران آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ 1939ء کو لکھنؤ جا کر ٹیکنیکل سکول میں بحیثیت فٹر بھرتی ہو گئے۔ اس وقت آپ کی 36 روپے

ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی بورڈنگ ہاؤس کے ایک کمرے میں رہنے کی جگہ آپ کو مل گئی۔ ان 36 روپوں میں اچھا خاصا گزارا ہو جاتا۔ اسی دوران دل میں حضرت شاہ میناؒ کے دربار پر حاضری کا خیال پیدا ہوا پھر حضرت نبی رضاؒ کے مزار پر حاضری دی۔ ابھی آپ نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور والد گرامی کی یہ بات دل میں پختہ تھی کہ پیر و مرشد خود گھر آ کر مرید کریں گے اور انہی سے فیضیاب حاصل ہو گا۔

کسی نہ کسی حوالے سے والد گرامی کو لکھنؤ میں آپ کے قیام اور ملازمت کا پتہ چل گیا اسی دوران آپ کی دوسری سوتیلی ماں کا بھی انتقال ہو گیا جس کا آپ کو گہرا صدمہ ہوا۔

بعد ازاں آپ کا تبادلہ رڑکی ضلع سہانپور یو پی میں ہو گیا وہاں آپ چھ ماہ رہے۔ پھر آپ کو لکھنؤ اور ڈھاکہ سنٹر بھیج دیا گیا۔ ڈھاکہ میں آپ کا قیام چھ ماہ رہا۔ وہاں پر آپ باقاعدگی سے حضرت شاہ عبدالحیؒ اور حضرت مخلص الرحمٰن جہانگیرؒ کے مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ پھر جب لکھنؤ واپس پہنچے تو نوکری سے چھٹی کے آرڈر مل گئے۔

آپ بدایوں جانے کی بجائے فوج میں بھرتی ہونے کیلئے ریکورٹمنٹ سنٹر جا پہنچے۔ لکھنؤ شہر سے دو میل دور فوج کا ایک ٹریننگ سنٹر تھا جہاں نئے رنگروٹوں کو تربیت دی جاتی تھی۔ ابھی فوج میں بھرتی کو دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ ڈاک کا ایک بند لفافہ آپ کو ملا جس میں والد گرامی کی شدید علالت کے بارے کا لکھا ہوا تھا اور یہ ہدایت کی گئی تھی کہ جیسے ہی خط ملے فوراً گھر چلے آؤ۔ والد گرامی آپ کے منتظر ہیں۔ فوج سے اتنی جلدی چھٹی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ والد کی اچانک علالت کے باعث آپ تربیتی سنٹر سے بغیر اجازت ہی والد گرامی کے آخری دیدار کیلئے چلے آئے ان دنوں سردی بھی عروج پر تھی پیدل ہی چلتے چلتے صبح ہو گئی جب لکھنؤ شہر میں پہنچے تو صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا پھر بذریعہ ریل بدایوں روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچے تو آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپ کا گھر عزیزوں اور رشتہ داروں سے کھچا

کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہجوم کو دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ شاید والد گرامی کا انتقال ہو چکا ہے لیکن جونہی آپ گھر میں داخل ہوئے تو والد گرامی کو چار پائی پر لیٹا ہوا پایا جن پر نزاع کا عالم طاری تھا۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کا ہی انتظار کر رہے تھے آپ نے والد کو پیار بھری نظروں سے دیکھا والد کی آنکھوں سے بھی بیٹے کی محبت کے آنسو بہہ نکلے باپ اور بیٹے کی یہ آخری ملاقات تھی۔ کانپتی ہوئی آواز میں والد گرامی نے دعائیہ انداز میں اپنے پروردگار سے کہا اے رب العالمین تو نے میری التجا سن لی اور آخری وقت مجھے میرے بیٹے سے ملوا دیا۔ کچھ باتیں راز و نیاز کے عالم میں باپ بیٹے کے درمیان ہوئیں۔ پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ماموں عبدالودود کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا مجھے اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیجئے۔

اسی کے ساتھ والد گرامی کی سانس اکھڑنے لگی اور رات 2 بجے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ حضرت صوفی محمد حسن شاہؒ اپنے مرید کے چالیسویں پر اپنے مریدوں کے ہمراہ آپ کے ماموں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ عبدالودود تمہارا بھانجا اصغر میاں کہاں ہے۔ ان کا حصہ ہمارے پاس ہے ہم اسے مرید کریں گے۔ پھر آپ کے ماموں عبدالودود حضرت صوفی محمد حسن شاہؒ کو ساتھ لے کر اس مقام پر پہنچے جہاں آپ مہمانوں کیلئے کھانے کی دیگیں پکوا رہے تھے وہاں دریاں بچھا کر گاؤ تکیے رکھ دیئے گئے۔ سرکار صوفی محمد حسنؒ شاہ وہاں جلوہ افروز ہو گئے۔ نماز ظہر کے وقت پلاؤ' زردہ' شامی کباب' قورمہ' ماش کی دال' موسمی پھل اور چائے سے آپ کی تواضع کی گئی۔ سرکار نے ایصالِ ثواب کیلئے فاتحہ پڑی اس کے بعد دعا فرمائی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد سرکار نے برملا اعلان کیا کہ ہم اصغر میاں کو یہاں مرید کرنے آئے ہیں۔ پھر آپ دوزانو ہو کر سرکار کے روبرو بیٹھ گئے۔ سرکار جو کلمات پڑھتے جاتے وہی آپ پڑھتے جاتے۔ پھر فرمایا اصغر میاں

میں تمہارا ہاتھ سیدنا پیراں پیر دستگیر حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم بغدادیؒ کے سپرد کرتا ہوں۔

یوں والد گرامی کا وعدہ پورا ہو گیا کہ آپ کو مرید کرنے کیلئے خود پیرومرشد گھر تشریف لائیں گے۔ ہوتا یہی ہے کہ پیاسا کنوئیں کے پاس اپنی پیاس بجھانے جاتا ہے لیکن یہاں سیراب کرنے کیلئے خود کنواں پیاسے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ پھر نصیحت بھرے لہجے میں مرشد نے فرمایا کہ بیٹا ہمیشہ باوضو رہنا' جھوٹی گواہی نہ دینا' حق بات کہنا عزیزوں اور پڑوسیوں سے محبت کرنا اور ہمہ وقت اخلاق سے پیش آنا' عاجز اور بیماروں کی عیادت کرنا۔ بڑوں کا احترام کرنا' چھوٹوں پر شفقت کرنا' یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کرنا' غلط جگہ نہ جانا' سچی یا جھوٹی قسم نہ کھانا۔

پھر سرکار نے سلسلہ عالیہ قادریہ جہانگیریہ ابوالعلائیہ کا تاج یعنی چکن کی ٹوپی اپنے دست مبارک سے آپ کو پہنائی اور ساتھ ہی ایک رومال' ایک کرتہ اور تہمند عنایت فرمایا۔ یہ 1942ء کا واقعہ ہے۔ بیعت ہونے کے بعد کئی دن تک آپ پیرومرشد کی صحبت میں رہے۔

پھر آپ کی شادی طے کر دی گئی۔ پیرومرشد نے بھی شادی میں شرکت کی۔ سرکار دو ماہ تک آپ کے ہاں قیام پذیر رہے۔ پھر مرشد رام پور واپس چلے گئے تو آپ باقاعدگی سے قدم بوسی اور سرکار کی زیارت کیلئے جاتے رہے۔ کئی کئی دن وہاں ذکر فکر کی محفل جاری رہتی سرکار کو قوالی سننے کا بہت شوق تھا۔ پنجگانہ نماز کی ہمیشہ پابندی فرماتے۔ تاہم محویت کے عالم میں آپ اس قدر محو ہو جاتے کہ کھانا بھی بھول جاتے پھر مرشد نے دو ماہ کا چلہ کاٹنے کا حکم دیا۔ آپؒ نے مرشد کے بتائے ہوئے کلام اور ورد کو پڑھنا شروع کر دیا۔ آپؒ سرکار کے حکم کے مطابق چالیس روز تک حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ اس

دوران جَو کی چھوٹی سی روٹی اور ایک سیر دودھ صبح وشام پینے کو ملتا۔ پیرو مرشد کی نظر سے جب آپ چلہ کشی میں کامیاب ٹھہرے تو موتیے اور گلاب کا ہار گلے پہناتے ہوئے سرکار نے فرمایا کہ بیٹا ہم نے تم کو فقیر بنادیا ہے پھر فاتحہ پڑھی اور خوشی میں تبرک تقسیم کیا گیا۔ بعدازاں آپ نے مرشد کی اجازت سے دادا مرشد حضرت عنایت شاہؒ کے مزار شریف پر حاضری دی۔ چلہ کشی کرنے کے بعد 1946ء میں سرکار نے آپؒ کو بھی خلافت عطا فرمائی۔ پھر فرمایا مسلمانوں کیلئے ایک الگ وطن بننے والا ہے اور ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک حصے کا نام پاکستان اور دوسرے کا بھارت ہوگا یہاں سے بے شمار لوگ ہجرت کر کے نوآزاد ملک پاکستان پہنچیں گے۔ ہمارے بہت سے مریدین بھی یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپؒ کو نصیحت بھرے لہجے میں فرمایا بیٹا تم بھی پاکستان چلے جانا۔ پیرومرشد کی ان باتوں کے کچھ ہی عرصہ بعد دہلی سمیت پورے ہندوستان میں تقسیم ہند کے وقت ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔

ہندو مسلمانوں کی جان کے دشمن ہو گئے اور مسلمان اپنی جانیں بچانے کیلئے پناہ گاہوں اور نئے ملک کی جانب کوچ کرنے لگے۔ آپؒ رام پور سے بدایوں آگئے۔ جب آپ نے پاکستان ہجرت کیلئے خاندان کے بزرگوں کو کہا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان کے باپ دادا کی ہڈیاں ہندوستان میں دفن ہیں پھر زمین جائیداد اور گھربار بھی ہندوستان میں ہیں اس لئے ایک انجانے ملک اور جگہ اس حالت میں کوچ کرنا بہت مشکل ہے۔ جب ہندو اور سکھ سبھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی جان کے دشمن بن چکے تھے۔ وحشت اور درندگی کا کھیل زوروں پر تھا ان حالات میں اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ جو مسلمان پاکستان جانے کیلئے ٹرینوں' بسوں کے ذریعے روانہ ہوئے ہیں وہ منزل مقصود تک بحفاظت بھی پہنچ پائیں گے یا نہیں۔ کیونکہ زندہ انسانوں کی بجائے لاشوں سے بھری ٹرینیں

ہی پاکستان پہنچی تھیں۔

بہر کیف آپ مرشد کے حکم کے مطابق چند عزیزوں سمیت پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لاہور گوالمنڈی میں بھگوان داس بلڈنگ میں آپ 11 سال تک قیام پذیر رہے۔ اسی دوران خبر ملی کہ ہندوستان میں پیرو مرشد حضرت صوفی محمد حسن شاہؒ انتقال فرما گئے ہیں اس جانکاہ خبر اور مرشد کی جدائی نے آپ کو بے حد اداس کر دیا۔ اسی حالت میں آپ سو گئے خواب میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت علی الدین علی احمد صابر کلیرؒ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں کے آگے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی تھے۔ جب آپ نے تعظیم اور محبت سے انہیں سلام کیا تو انہوں نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا کبھی کبھی ہمارے پاس بھی آجایا کرو۔ پھر ایک مرتبہ آپؒ بابا فریدؒ کے دربار عالیہ پر حاضری کی غرض سے پہنچے۔ وہاں آپ کا قیام حضرت صابر کلیرؒ کے حجرے میں تھا۔ یہاں آپ 20 دن تک ذکر فکر میں مصروف رہے۔ اس دوران کئی آزمائشوں نے آپ کو مرکز سے ہٹانا چاہا لیکن مرشد کی دعا سے آپ ثابت قدم رہے مرشد کے طفیل ہی دل میں القا ہوا کہ داتا گنج بخش کے دربار پر حاضری دیا کریں چنانچہ عرصہ دراز تک آپؒ داتا گنج بخشؒ کے دربار عالیہ حاضر ہوتے رہے اور مرشد کے حکم پر فیض حاصل کرتے رہے۔ گھر میں بھی ہر جمعرات کو ختم دینے کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری تھا۔ یونہی تصور شیخ میں گیارہ سال گزر گئے۔ چونکہ آپ تنہا رہتے تھے اس لئے گھر کا کام کاج اور کھانا پکانا بھی آپ خود ہی کرتے تھے۔ دیگر عزیز اس خدمت کی انجام دہی کیلئے تیار تھے لیکن آپ نے کسی کو زحمت دینے سے اجتناب ہی کیا۔ پیرو مرشد کا حکم تھا کہ آپ اپنا کھانا تقویٰ اور پرہیز گاری سے باوضو ہو کر خود پکائیں۔ بھوک سے کم کھائیں اور کم سوئیں کم بولا کریں اور درود شریف کا ہر لمحے ورد کرتے رہیں۔ مرشد کے بقول اسی میں آپ کی فلاح ہے۔

روزانہ آپ کا معمول تھا کہ نماز مغرب گھر سے پڑھ کر نکلتے نماز عشاء حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار عالیہ پر باجماعت ادا فرماتے پھر نوافل' ذکر و درود شریف اور وظائف میں ایسے مشغول ہوتے کہ رات بیت جاتی۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد آپ واپس گھر لوٹتے۔ اسی طرح دس سال گزر گئے۔ پھر ایک دن مرشد خواب میں آئے اور فرمایا کہ لاہور سے پیدل ہی کراچی کیلئے روانہ ہو جاؤ۔ وہاں تمہارا پیر بھائی حضرت یعقوب علی شاہؒ وقت کے قطب ہیں اور وہ بکرا پیڑھی میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے ہیں وہاں جا کر اپنی امانت لے لو جس طرح وہ کہیں اس پر عمل کرو اور اپنے نفس کو ختم کرو گے تب فقیر اور درویش کہلاؤ گے۔

پھر اسی طرح کئی دن تک پیرومرشد کی توجہ اور نصیحتوں کا سلسلہ جاری رہا اس طرح کئی کئی راتیں آپ نے پیرومرشد کی ہدایت کے مطابق ذکر وفکر میں گزار دیں۔ اور ذکر خفی میں مشغول ہو گئے پھر درود ذکر کے بعد منزل شریف پڑھتے رہتے۔ تقریباً ایک ماہ ایسے ہی گزر گیا۔ ایک رات تہجد کے وقت آپ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار پر بیٹھ کر درود تاج پڑھ ہی رہے تھے کہ ہر طرف چمک' خوشبو اور روشنی کا احساس ہوا۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ آپؐ نے دست شفقت سر پر پھیرا اور کامیابی کی نوید سنائی۔

پھر ایک دن خواب میں آپ حج بیت اللہ کیلئے بذریعہ بحری جہاز جا رہے تھے کہ جہاز سمندری بھنور میں پھنس گیا۔ اعلان ہوا کہ کوئی شخص ہے جو اپنی جان کی قربانی دے کر جہاز کو تباہی سے بچا لے۔ آپ نے باقی حاجیوں کو بچانے کیلئے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ابھی آپ سمندر اور جہاز کے درمیان ہی معلق تھے کہ یکا یک ایک خوبصورت نورانی چہرے والے نوجوان گھوڑے پر نمودار ہوا اور آپ کو ہاتھ کے اشارے سے اٹھا کر انہوں نے اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ یہ نورانی چہرے والے نوجوان حضرت امام حسینؓ نواسہ رسولؐ تھے کچھ دیر

بعد آپؒ گھوڑے سے اترے اور فرمایا اصغر شاہ ہم مظلوموں اور بے کسوں کے امام ہیں۔ اس لئے مصیبت زدہ کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پھر جب خواب سے آنکھ کھلی تو تمام واقعات اور لمحات نظروں کے سامنے گھومنے لگے اور ایک ماہ تک آپؒ پر زبردست روحانی کیفیت طاری رہی۔

اب مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ نے کراچی کیلئے رخصت سفر باندھ لیا۔ حکم کے مطابق کپڑوں کا ایک جوڑا' ایک چادر رکھ لی پھر پیدل ہی کراچی کو چل پڑے روزانہ گیارہ میل کا پیدل سفر فرماتے۔ جب کوئی گاؤں یا شہر آجاتا۔ وہیں کسی مسجد میں ٹھہر جاتے۔ سردیوں کا موسم تھا' دواڑھائی ماہ کی مسافت کے بعد آپؒ خانیوال پہنچے۔ وہاں ایک خداترس بزرگ نے آپؒ کو روکنے کی بہت کوشش کی اور کہا کسی گاڑی میں آپ کو کراچی پہنچا دیں گے لیکن آپؒ نے ان کی پیشکش یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ مرشد کا حکم پیدل کراچی جانے کا ہے اس لئے مرید وہی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے جو پیر کی بات کو من وعن قبول کرے اور اس میں کوئی حیل وحجت نہ کرے۔

بہرکیف چند دن خانیوال میں ٹھہر کر آپ ایک بار پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ ملتان پہنچ کر آپؒ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے مزار پر ٹھہرے یہ آپؒ کے جد اعلیٰ قاضی حمید الدین شیرازی ناگوری اور چچا مصلح الدین سعدی شیرازیؒ کے پیر بھائی کا مزار ہے۔ تین دن قیام کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہو گئے بہاولپور' سمہ سٹہ' خانپور' خیرپور' روہڑی' سکھر' حیدرآباد سے ہوتے ہوئے ٹھٹھہ شریف پہنچے۔ وہاں سیون شریف لال شہباز قلندر کے ہاں حاضری دی۔ پھر مکی شریف میں حضرت شاہ فیصلؒ اور غوث الاعظم پیران پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پوتے حضرت سیدنا عبداللہ اصحابیؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ تقریباً ایک مہینہ آپ کا یہاں قیام رہا ایک اجنبی شخص صبح وشام آپ کو کھانا

پہنچاتا رہا۔ نہ اس نے آپؒ کے بارے میں پوچھا اور نہ ہی آپ نے اس شخص کی شناخت چاہی۔ یہاں پیران پیر دستگیر کے بھانجے حضرت سیدنا عبدالوھابؒ کا مزار مبارک بھی تھا وہاں بھی حاضری دی حیدرآباد کے کچے قلعے میں حضرت مکی عثمانیؒ کے آستانے پر بھی حاضر ہوئے۔ جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ بہت جلالی ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے مزار اقدس میں ایک غلیظ عورت اور ناپاک مرد داخل ہو گیا۔ غیبی ہاتھ نے ان دونوں کو مزار اقدس کی حدود سے دور پھینک دیا۔ اس واقعے کے بعد کوئی مرد اور عورت مزار اقدس کے اندر نہیں جاتی پھر جب آپ شہر شہر گاؤں گاؤں پھرتے ہوئے مجذوب کی حالت میں ایک سہ پہر کراچی پہنچے تو ایک جگہ آرام کیلئے بیٹھ گئے وہاں آپ کے ایک دوست ظل الرحمٰن اور اس کی اہلیہ خرید و فروخت کیلئے آئے ہوئے تھے انہوں نے دیکھنے کے باوجود آپ کو اس لئے پہچاننے سے انکار کر دیا کہ اس حلیے اور روپ میں آپؒ نہیں ہو سکتے کچھ دیر میاں بیوی میں اس بات پر تکرار چلتی رہی۔ بعد ازاں ظل الرحمٰن قریب آ کر آپ کا نام لے کر پکارنے لگے جب آپؒ نے اپنا نام سن کر ہاں میں سر ہلایا تو وہ دونوں میاں بیوی آپ کو اپنے گھر لے گئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کی یہ حالت کس نے بنائی آپ تو اے۔جی آفس لاہور میں سینئر کلرک ہیں ہمیشہ صاف ستھرا لباس آپ کے زیب تن رہتا تھا۔ مجذوبوں والا حلیہ کیوں بنا لیا۔ اسی اثناء میں ایک حجام کو گھر بلوایا کر آپ نے خط وغیرہ بنوائے اور سر کے بالوں کو بھی ترشوایا۔ غسل کے بعد نئے کپڑے پہنے۔

دوسری صبح آپؒ بس میں سوار ہو کر بکرا پیڑھی پہنچے وہاں حضرت شاہ یعقوب علی شاہؒ سے ملاقات ہوئی۔ جب انہوں نے آپ کو پہچانا تو مرشد پاک کی ایک ایک بات ان کی آنکھوں کے سامنے آنے لگی اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے میاں تم تو ہمارے پیر بھائی ہو ہم مرشد کے حکم کے مطابق آپؒ کو تمہارا حصہ واپس دیتے ہیں لیکن تمہیں ہمارا طالب ہونا ہوگا

اور ہمارے مریدوں کو اپنا پیر بھائی سمجھنا ہوگا۔ آپؒ کراچی میں کئی ماہ قیام پذیر رہے اور مرشد کے حکم کے مطابق پیر بھائی سے فیض یاب ہوتے رہے پھر ایک دن حضرت شاہ یعوب علی شاہؒ نے آپؒ کے سر پر دست شفقت پھیرا اور خلافت دے کر لاہور بھیج دیا کہ وہاں جا کر بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی راہ دکھاؤ۔ لاہور آ کر آپؒ نے حضرت کے حکم پر دریائے راوی میں اکتالیس دن چلہ کیا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مرشد کی نظر عنایت سے یہ چلہ کامیابی سے مکمل ہوگیا۔ اب مرشد کے حکم کے مطابق آپؒ کو مسجد میں امامت بھی فرمانی تھی۔ چنانچہ اسی جستجو میں چھ ماہ گزر گئے۔ بالآخر موچی گیٹ' فرنیچر مارکیٹ برکت علی روڈ پر اندرونِ کوچہ ایک مسجد میں آپ نے امامت کے فرائض سنبھال لئے۔ وہاں آپ نے چھ سال امامت فرمائی۔

اسی دوران کراچی سے حضرت شاہ یعقوب علی شاہؒ چند دنوں کیلئے آپ کے پاس تشریف لائے اور استقامت کی دعا فرمائی۔ کچھ عرصہ سرکلر روڈ کے درمیان میں بنی ہوئی مسجد میں بھی امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ قطب کالونی رحمان پورہ لاہور میں ایک ویران مسجد کو آپ نے آباد کیا۔ جس کا نام بعد میں جامع محمدیہ رکھا گیا پھر آپ نے یہیں مستقل قیام کا فیصلہ فرمایا یہاں پر عمر المصطفیٰ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بغرض خواہش مرید ہوئے مقبول کبیر بھی آپؒ سے والہانہ عقیدت رکھتا تھا انہوں نے بھی آپ کی یہیں بیعت کی اور آپؒ سے قرآن پاک پڑھا۔ آپؒ بچوں اور بڑوں کو خود قرآن پاک پڑھاتے اور نماز سکھاتے۔ عمر المصطفیٰ آپؒ سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور ہر روز سائیکل پر آپؒ کو باقاعدگی سے ملنے جاتا اور گھنٹوں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔

اسی دوران اپنے سرپرست اور خلیفہ مجاز حضرت شاہ یعقوب علی شاہؒ کی رحلت کی خبر نے آپ کو بہت دنوں تک نڈھال کیے رکھا۔ آپ ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہو گئے کافی

دنوں تک یہ مرض لاحق رہا پھر 1977ء میں ہائی بلڈ پریشر کے موذی مرض نے آپ کو گھیر لیا اور آپ مسلسل علیل رہنے لگے۔

اس دوران آپؒ اپنے عزیزوں کو ملنے کیلئے ایک مرتبہ ہندوستان بھی تشریف لے گئے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے مرید اوّل عمر المصطفیٰ نے آپ کے سلسلۂ رشد و ہدایت کو جاری رکھا۔ پھر ہندوستان سے واپسی کے بعد مکہ کالونی گلبرگ تھرڈ لاہور میں تشریف فرما ہوئے یہاں آپ کا قیام آٹھ سال رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ اپنے مرید خاص عمر المصطفیٰ کے گھر منتقل ہو گئے۔ تین سال تک یہاں آپ کا قیام رہا بعد ازاں لاہور کینٹ ریلوے اسٹیشن کے سامنے اپنے مرید کے کارخانے میں منتقل ہو گئے۔ جہاں رہائش کے علاوہ مریدوں کے بیٹھنے اور ذکر فکر کرنے کے لئے خاصی جگہ تھی۔ سٹیل مل سے ملحقہ مکان میں آپ نے سات سال قیام فرمایا۔ ایک بار پھر آپ مکہ کالونی کی گلی نمبر 19 میں واقع ایک مکان میں تشریف لے آئے۔

ہائی بلڈ پریشر کی بیماری طول پکڑتی چلی گئی۔ کچھ ماہ میو ہسپتال میں بھی زیر علاج رہے۔ ایک دن آپ کو ڈاکٹر کے کلینک لے جایا جا رہا تھا کہ کبوتر پورہ قبرستان کے قریب آ کر رک گئے۔ اپنے مرید خاص عمر المصطفیٰ اور دیگر مریدوں سے فرمانے لگے کہ مرنے کے بعد انہیں اس قبرستان کی دیوار کے ساتھ دفن کرنا۔ آپ کی یہ بات سن کر سب مرید اداس ہو گئے۔ یو سی ایچ ہسپتال میں بھی 19 دن تک آپ کا زیر علاج رہے۔ پھر ایک دن صوفی عمر المصطفیٰ اظفری کو فرمانے لگے بیٹا جو کچھ میں نے دینا تھا وہ دے دیا ہے۔ وصیت نصیحت اور شجرہ مبارک تمہارے پاس ہے۔ اس پر عمل کرتے رہو اور لوگوں کو عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتے رہو۔ آپ نے 1980ء میں ہی اپنے مریدوں کو فرما دیا تھا کہ 1990ء کو ہم اپنے خالق سے جا ملیں گے۔ سو آپ کا یہ ارشاد سچ ثابت ہوا اور آپ 27 جون 1990ء کو

اس دنیا فانی سے کوچ فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون.

اپنی زندگی میں ہی حضرت سید اصغر احمد شاہؒ نے اپنے دس مریدوں کو خلافت کے ساتھ ساتھ مزار مبارک کی دیکھ بھال کی نصیحت بھی فرمائی۔ ان خلفاء میں جناب صوفی عمر المصطفیٰ' جناب مقبول کبیر اظفری' جناب شفیق اظفری' جناب عبدالسمیع اظفری' جناب قمر اظفری' جناب رفیع اظفری' جناب رفیق اظفری' جناب مقصود اظفری' خلیفہ بدر اسلام اظفری' جناب فرید اسلام اظفری شامل ہیں۔ آپ سرکارؒ کی نظر کرم سے مزارِ مبارک 2 سال کی مختصر مدت میں مکمل ہو گیا۔ جہاں صبح شام نہ صرف ذکر و فکر کی محفلیں جاری رہتی ہیں بلکہ دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جاتا جب عقیدت مند مزار مبارک پر حاضری دینے کے لئے حاضر نہ ہوتے ہوں۔ آپؒ سے عام وخاص کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ گاڑیوں پر سوار لوگ بھی ٹھہر کر حاضری دے کر یہاں سے گزرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لنگر کا سلسلہ جاری و ساری ہے جہاں سے روزانہ سینکڑوں غریب اور عقیدت مند فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور جوق در جوق رشد و ہدایت کے طالب لوگ خلیفہ اوّل حضرت صوفی عمر المصطفیٰ اظفری اور خلیفہ دوم حضرت مقبول کبیر اظفری کے دست مبارک پر بیعت کر کے اپنی آخرت سنوارنے کی جستجو کرتے ہیں۔

آپ کا مزار آج بھی کبوتر پورہ قبرستان گلبرگ تھرڈ لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

میرے پیرومرشد

پیر طریقت، رہبر شریعت

حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہ عالیہ

آستانہ مبارک

مسجد طٰہٰ گلبرگ تھرڈ لاہور

پیر طریقت، رہبر شریعت
حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہ

گنج کرم حضرت سید اسمٰعیل شاہؒ المعروف کرماں والے سرکار کے خاص مریدوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

اپنے مریدوں کے بارے میں گنج کرم کا فرمان عالی شان ہے کہ میرے مرید دوسرے پیروں سے زیادہ فضیلت اور عظمت رکھتے ہیں اگر ان کو اپنے مقام کا پتہ چل جائے تو وہ خوشی سے مر جائیں۔اس کے علاوہ پیر طریقت، رہبر شریعت پیرو مرشد حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہ کو درج ذیل بزرگوں اور سلسلوں سے خلافتیں اور فیض حاصل ہوا۔

1- پیر طریقت حضرت سید ظہیر الحسن شاہؒ (کراچی) نے قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردیہ سلسلوں میں خلافت عطا فرمائی۔

2- شیخ المشائخ پیر طریقت حضرت سید محفوظ حسین شاہؒ (گدی نشین مکان شریفؒ) نے سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت عطا فرمائی۔

3- شیخ القرآن، استاد العلماء حضرت علامہ غلام علی اوکاڑوی نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

4- شیخ الحدیث مفتی اعظم، حضرت علامہ محمد عبداللہؒ (قصور) نے بھی خلافت عطا کی۔

ولی کامل اس دنیا میں رہے یا دنیا سے پردہ فرما لے اسے مردہ نہیں کہا جاتا اور جو شخص اللہ کے دوستوں کو مردہ کہتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔ اس دنیا میں آنحضور ﷺ کی آمد کے بعد خلفائے راشدین' صحابہ کرام کے بعد ولی کامل اور اولیائے کرام کی بدولت ہی آج دنیا کے ہر گوشے میں اسلام کی شمع روشن ہے۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کیلئے وقف کر رکھی ہیں۔ اس وقت جبکہ امت مسلمہ بے راہ روی' خود غرضی اور جھوٹ فریب کے گہرے سمندر میں غرق دکھائی دیتی ہے۔ انسانوں کو راہِ راست پر لانے اور ان کے دلوں میں نور الٰہی اور شمع رسالت روشن کرنے میں ولی کامل کا بڑا کردار ہے۔ جنہوں نے اس پرفریب دور میں بھی خود کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رکھا اور صبح و شام ان کے ہاں روحانی پیاس بجھانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اپنے قول و فعل سے اللہ تعالیٰ کا پیغام خلق خدا تک پہنچاتی رہے گی۔ بے شک یہ جماعت اولیاء کرام پر ہی مشتمل ہوگی۔

ایسی ہی عظیم اور لازوال ہستیوں میں میرے پیرومرشد' پیر یقت' رہبر شریعت حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہٗ بھی شامل ہیں۔

یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ کسی بھی کام کے کرنے کی توفیق تو بلاشبہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن پیرومرشد کی نظر کرم بھی اگر شامل حال ہو جائے تو منزل کا حصول اور آسان ہو جاتا ہے۔ بے شک اولیائے کرام پر لکھنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ لفظوں کی اونچ نیچ شرک اور اللہ کے دوستوں کی دلآزاری کا باعث بن سکتی تھی۔ لیکن اس قسم کی گستاخی کے تصور سے ہی میں کانپ جاتا ہوں اور اس سے اللہ کی پناہ

مانگتا ہوں لیکن پیر و مرشد کی خصوصی کرم نوازی اور بے حد و حساب دعاؤں کی بدولت میں اس قابل ہوا ہوں کہ محبوبانِ الٰہی کے بارے میں کچھ لکھوں۔

ذیل میں ان کے حالات زندگی بطور خاص درج کیے جاتے ہیں تا کہ رشد و ہدایت کے متلاشی اگر اپنی روحانی پیاس بجھانا چاہیں تو در عنایت ان کیلئے ہر وقت کھلا ہے۔

پیر طریقت' حضرت مولانا محمد عنایت احمد کی سوانح عمری

پیر طریقت' اور معروف عالم دین حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہٗ 1938ء کو وادی کشمیر کے گاؤں ''کلسیاں'' کے ایک خالصتاً دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی قبلہ حضرت صحبت علی صاحب بٹالہ شریف والے بزرگوں کے مرید تھے عبادت الٰہی کے ساتھ ساتھ ان کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا چند باغ بھی ان کی ملکیت تھے جہاں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اچھی گزر بسر ہو رہی تھی آپ کی والدہ ماجدہ گھریلو خانہ داری کے علاوہ گاؤں کے مسلمان بچے بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتی تھیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو والد گرامی نے اس وقت کی بزرگ شخصیت اور قطب الاقطاب حضرت سید ولایت شاہ صاحبؒ کی گود میں آپ کو ڈال دیا قبلہ شاہ صاحب نے پیار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بچہ دنیا میں دین کی روشنی پھیلائے گا اور لاکھوں بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی راہ دکھائے گا۔ آپؒ اعوان فیملی سے تعلق رکھتے ہیں یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اس گاؤں میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی آباد تھے۔ یہ گاؤں چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا انہی پہاڑوں میں مغلیہ دور کا بنا ہوا ایک بنگلہ بھی وہاں موجود تھا جو خوبصورتی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس تاریخی حیثیت کے حامل بنگلے کو دور دور سے لوگ بڑے شوق سے دیکھنے آتے۔ اس گاؤں میں تین مسجدیں بھی تھیں تقریباً سبھی کا انتظام و انصرام آپؒ ہی کے خاندان کے سپرد تھا۔

اسی گاؤں میں ایک سرکاری سکول بھی موجود تھا جس میں آپؒ نے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا اور یہاں پر تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی جبکہ دینی تعلیم کا آغاز آپؒ نے اپنی والدہ ماجدہ سے کیا۔

پھر جب برصغیر پاک و ہند کی تقسیم عمل میں آئی اور کشمیر بھارتی اور ڈوگر فوجوں کی ظلم سامانیوں کا محور بنا تو آپ اپنے خاندان کے ساتھ وادی کشمیر سے ہجرت کر کے پاکستان میں گجرات کے نواحی قصبے چک 34 میں تشریف لے آئے۔ یہیں پر آپ کے چھوٹے بھائی جناب نور الہٰی اور چھوٹی بہن ثریا بیگم بھی پیدا ہوئیں۔ یہیں پر آپؒ کو والدہ ماجدہ کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ ماں کی شفقت سے محرومی کو والد گرامی نے بڑی حد تک پورا کر دیا۔ لیکن پھر بھی والدہ کی یاد ہمیشہ آپ کے دامن گیر رہی۔ انسان ہو یا جانور ماں تو ہر ایک کیلئے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب آپؒ نے کچھ ہوش سنبھالا تو والد گرامی نے آپ کو علاقے کی معروف دینی شخصیت اور شیخ القرآن، استاذ العلماء علامہ حضرت مولانا غلام علی قادری اشرفی کے مدرسے میں داخل کروا دیا کچھ عرصہ آپ نے ضلع گجرات میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا پھر اپنے استاد گرامی کے ساتھ ہی گجرات سے اوکاڑہ منتقل ہو گئے۔

یہاں شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی اوکاڑی نے ایک بڑے دینی مدرسے "اشرف المدارس" کی بنیاد رکھی جہاں پر آپ کے علاوہ دور و نزدیک کے ہزاروں طالب علم بڑے ذوق شوق سے پڑھنے کیلئے آنے لگے۔

اوکاڑہ شہر سے تین چار میل کے فاصلے پر گنج کرم حضرت سید اسمٰعیل شاہ صاحبؒ المعروف کرماں والوں کے نام سے ایک بستی آباد تھی جہاں غوث زماں، قطب دوراں پیر پیراں حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحبؒ کا آستانہ تھا جو ہندوستان کے شہر کرمووالا سے

قیام پاکستان کے وقت ہجرت کر کے یہاں آئے تھے اور جن کی شہرت ملک بھر میں ہی نہیں ساری دنیا میں آپ کے عقیدت مند موجود تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ روزانہ ان کی زیارت کیلئے آتے اور اپنی روحانی پیاس بجھا کر واپس لوٹ جاتے۔

چونکہ آپ کے استاد گرامی شیخ القرآن حضرت غلام علی صاحب بھی کرماں والوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور کرماں والے بھی آپ کو ایک ولی کامل کی نظر سے دیکھتے تھے اس لئے ان کا اکثر وہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ جب بھی آپ کے سامنے کرماں والوں کا ذکر ہوتا تو قدم بوسی کے لئے آپ کا بھی دل چاہتا۔ چونکہ ابھی آپ کمسن ہی تھے اور ان دنوں ٹرانسپورٹ کے ذرائع بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ مگر آپ کے دل میں بھی کرماں والے سرکاروں کے آستانے پر جانے کا شوق عروج پر تھا۔ پھر آپ وقت نکال کر کبھی کبھار کرمانوالے جانے لگے جوں جوں آپ بزرگوں کے قریب ہوتے گئے آپ کے دل میں عجیب سا طوفان اٹھنے لگا۔ دل میں سرکار اور خالق حقیقی کی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ آپ نے سوچا کہ کیوں نہ آپ کے ہی ہاتھ پر بیعت کر لی جائے اس مقصد کیلئے آپ موقع کی تلاش میں رہے۔ اس بات کا آپ کو بخوبی احساس تھا کہ ضروری نہیں آستانے پر آنے والے ہر شخص کو آپ مرید کر لیں۔ پھر ایک دن آپ بے ساختہ کرماں والے سرکار کے آستانے پر وقت کو دیکھے بغیر ہی پہنچ گئے ابھی کچھ دیر ہی آپ کو سرکار کے پاس بیٹھنے کی مہلت ملی تھی کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ اذان کے ساتھ ہی محفل اختتام کو پہنچی اور سرکار نماز کی ادائیگی کے بعد حویلی کے اندر اپنے مخصوص کمرے میں چلے گئے جہاں کوئی اور داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ نماز مغرب کے بعد آپ بھی کسی نہ کسی طرح اس کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے جہاں بڑے سرکار حضرت سعید اسمٰعیل شاہ صاحبؒ تسبیح کر رہے تھے ان کے لبوں پر ذکر الٰہی تھا۔ اس وقت کمرے میں سرکار کے علاوہ صرف آپ ہی تھے۔

ادھر رات کا اندھیرا تیزی سے چاروں طرف پھیل رہا تھا شام ہوتے ہی اوکاڑہ جانے والی ٹریفک بھی بند ہو جاتی تھی۔ اس لئے واپسی کا خوف بھی آپ پر طاری تھا۔ لیکن آپ آج مصمم ارادہ کر کے آئے تھے کہ اپنے دل کی بات سرکار سے ضرور کہیں گے۔ اسی اثنا میں سرکار نے آپ کو اپنے قریب دیکھ کر فرمایا کہ بیٹا کیا بات ہے یہاں کیسے آئے ہو آپ کا مرید بننا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا یہ الفاظ سن کر بڑی سرکارؒ نے فرمایا کہ تم تو ازل سے ہی میرے مرید ہو۔ پھر اپنا دست شفقت پہلے آپ کے سینے پر پھیرا' پھر پشت پر اور فرمایا' جاؤ ہم تمہیں دنیا کے تمام علوم عطا کرتے ہیں۔ جب آپ مرید ہو گئے اور سرکار کی نظر کرم حاصل کر لی تو آپ کو قلبی سکون حاصل ہو گیا اس لمحے آپ بے حد خوش تھے پھر جب اجازت لے کر آپ حویلی سے باہر نکلے رات کا گپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ ٹرانسپورٹ بھی کوئی میسر نہ تھی اس لئے تین چار میل کا سفر سخت سردی کے عالم اور رات کے تاریکی میں طے کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ سردی اور اندھیرے کا خوف دل میں طوفان پیدا کر رہا تھا لیکن مدرسے واپس پہنچنا بھی اشد ضروری تھا۔ سڑک کے دونوں جانب اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دیتا تھا اور قدم قدم پر جنگلی جانوروں اور چور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا کمسنی کی عمر میں تو اندھیرا ہی ڈرانے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دل میں مرشد کا تصور کر کے بھاگ کر یہ فاصلہ طے کر لیا اور مدرسے آ کر سانس لیا۔ بعد ازاں آپ ہفتے میں کئی مرتبہ سرکار کے آستانے پر حاضری دینے کیلئے آتے اور سرکار کا کرب حاصل کر کے واپس لوٹ جاتے۔ ہر مرتبہ مرشد آپ کو خصوصی محبت سے نوازتے جس سے آپ کو بے پناہ روحانی خوشی حاصل ہوتی۔ سرکار' آپ کو پیار سے ''نکو مولوی'' کے نام سے پکارتے یہ لقب آپ کیلئے انتہائی خوشی کا باعث بنتا۔

تقریباً 3 سال تک آپ نے اشرف المدارس اوکاڑہ میں تعلیم حاصل کی لیکن جب آپؒ کے اساتذہ کرام میں سے چند ایک اس مدرسے کو چھوڑ کر قصور اور پاکپتن شریف

چلے گئے تو آپؒ نے بھی اوکاڑہ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ پہلے آپؒ پاکپتن شریف گئے وہاں بابا فرید شکر گنجؒ کے دربار عالیہ پر حاضری دے کر صدر المدرسین، شیخ الحدیث مولانا منظور احمد صاحبؒ کے ہاں چلے گئے جو ان دنوں پاکپتن میں ہی مقیم تھے آپ نے ان کے ہاں تعلیم کا باقی سلسلہ جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی لیکن شیخ الحدیث استاد مکرم مولانا منظور صاحبؒ نے پاکپتن ٹھہرنے کی بجائے آپ کو قصور جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ استاذ العلما حضرت محمد عبداللہ صاحب کے ہاں قصور شہر تشریف لے آئے آٹھ دس سال یہیں پر تعلیم کی باقی منازل طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ یہیں پر 1968ء میں آپؒ کی شادی قصور شہر میں ہوئی۔ پھر 1969ء کے وسط میں آپ داتا گنج بخشؒ کے دربار عالیہ پر حاضری دینے کی غرض سے لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ کی ملاقات مولانا سید بشیر احمد کاظمی صاحب (جو گورو مانگٹ جامع مسجد کے امام تھے) سے ہوگئی انہوں نے آپ کو گلبرگ لاہور کی مسجد میں امامت کے فرائض سنبھالنے کی دعوت دی جسے آپ نے فی الوقت قبول نہ کیا اور واپس قصور چلے گئے کچھ ہی دنوں بعد سے ایک وفد آپ کو لینے کیلئے بطور خاص قصور شہر آپ کی قیام گاہ پر پہنچا آپ کے استاد گرامی فخر المحدثین استاد العلماء حضرت محمد عبداللہ صاحب قادری اشرفی سے آپ کی لاہور آمد کے بارے میں درخواست کی۔ انہوں نے بھی سردست آپ کو لاہور جانے کی اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ لیکن جب انہیں یہ بتایا گیا کہ پورے گلبرگ پر اہل حدیثوں کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے ان کے توڑ کیلئے آپ کی لاہور میں اشد ضرورت ہے۔ یہ سن کر استاد العلما حضرت مولانا محمد عبداللہ قصوری نے آپ کو لاہور جانے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ اپنے قابل احترام استاد اور مقامی لوگوں کے اصرار پر آپؒ 1969ء میں لاہور تشریف لے آئے اور یہاں رہائش کیلئے ایک مکان کرایے پر حاصل کرلیا۔ اس وقت آپؒ نے جس مسجد کی امامت سنبھالی وہ بالکل کچی اور خستہ حالت میں تھی آپؒ سے پہلے اس

مسجد کے امام ''مولوی محمد بوٹا'' تھے۔ آپؒ نے چند احباب سے مشورہ کر کے اس مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور 1971ء میں اپنے ہی دست مبارک سے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ ابتدا میں جب آپؒ نے جمعہ پڑھانا شروع کیا نہ صرف مقامی بلکہ دور و نزدیک سے بھی لوگ کھنچے چلے آنے لگے پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب آپ کے توسط سے جامع مسجد گلبرگ نے خاصی شہرت حاصل کر لی۔ 1973ء میں آپ کو سید گھرانے کے فرزند قبلہ حضرت مولانا سید گلزار الحسن شاہ صاحبؒ کی رفاقت حاصل ہوگئی جو گجرات سے یہاں تشریف لائے تھے قبلہ شاہ صاحب اپنی پر اثر شخصیت' محبت' احترام اور اپنے خلوص کی بدولت آپ کے اس قدر قریب ہو گئے کہ آپ نے انہیں اپنا خلیفہ بنالیا اور اپنی جانب سے پہلی خلافت انہیں عطا فرمادی۔ اس مرحلے پر شفقت پدری کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ یہ صدمہ بے شک آپ کیلئے بہت تکلیف دہ تھا لیکن آپ نے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا اور ہر لمحے صابر و شاکر کی زندگی بسر کرنے لگے۔

یہاں پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹیوں اور ایک بیٹے محمد عمر سے نوازا جو 19 سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گیا یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ خلق خدا سے محبت کرنے میں آپ اپنا ثانی نہ رکھتے آپ دین کی سمجھ بوجھ کے معاملے میں پورے شہر لاہور میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ عام لوگ ہی نہیں بلکہ اکثر احباب نے بھی آپؒ سے علم حاصل کیا اور اب بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ علاقے میں بہت سی مسجدوں کی سنگِ بنیاد رکھی۔ ہزاروں لوگوں نے آپؒ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔

آپؒ لاہور اومنی بس ورکشاپ میں 14 سال تک درس قرآن دیتے رہے۔ سینکڑوں عقیدت مندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیشتر بے اولاد افراد کو آپؒ کی دعاؤں سے اولاد کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا۔ ہر سال عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر

جلوس نکالنے کا سلسلہ آپ کی کوششوں سے شروع ہوا جواب تک قائم ہے۔

پھر ایک دن قبلہ شاہ صاحب کے ماموں حضرت مولانا سید مختار الحسن شاہ صاحب سیالکوٹ سے لاہور تشریف لائے وہ اپنے بھانجے قبلہ سید گلزار الحسن شاہ صاحب کے ہاں ٹھہرے تھے۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ کراچی سے قطب الاقطاب، پیروں کے پیر حضرت سید ظہیر الحسن شاہ صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں کل ان کی زیارت کیلئے جانا ہے انہوں نے آپ کو بھی ساتھ چلنے کیلئے کہا گیا۔

دوسرے دن جب وہاں پہنچے تو تمام لوگوں کے سامنے قطب الاقطاب حضرت سید ظہیر الحسن شاہؒ نے فرمایا کہ میرے پاس آپ کی امانت ہے جو میں خلافت کے صورت میں آپؒ کو دینا چاہتا ہوں اگر چہ آپ نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ لیکن قبلہ سید ظہیر الحسن شاہ صاحب کا اصرار جاری رہا۔ بہر کیف ہچکچاہٹ کے باوجود آپ کو ایک بڑے دینی گھرانے سے باقاعدہ خلافت مل چکی تھی اور چاروں سلسلوں میں مرید کرنے کی باقاعدہ اجازت بھی۔۔۔۔ جب یہ خبر آپ کے چاہنے والوں اور عقیدت مندوں تک پہنچی تو لوگ قطار در قطار آپؒ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کیلئے مسجد طہٰ گلبرگ کا رخ کرنے لگے حالانکہ اس سے پہلے آپ کو دیول شریف سے بھی تحریری خلافت مل چکی تھی لیکن آپ نے اس خلافت کو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا اور خفیہ ہی رکھا جب آپ نے یہ خوشخبری اپنے استاد گرامی شیخ الحدیث حضرت محمد عبداللہ قادریؒ کو سنائی تو انہوں نے بھی آپ کو اپنی طرف سے خلافت عطا کر کے پہلے تمام فیصلوں کی تائید کر دی۔ شیخ القرآن حضرت غلام علی اوکاڑویؒ جن کے ہزاروں مفتی عالم اور ولی کامل شاگرد ہیں۔ ایک مرتبہ وہ مسجد طہٰ میں تشریف لائے اور اپنے خطاب کے دوران تمام لوگوں کے روبرو فرمایا جب روز محشر خدا مجھ سے پوچھے گا کہ اے غلام علی! تو دنیا سے میرے لئے کیا لایا تو میں انتہائی ادب واحترام سے کہوں گا کہ'

پروردگار میں تیرا ایک نیک متقی اور پرہیزگار بندہ محمد عنایت احمد لایا ہوں۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ میں محمد عنایت احمد کو عطا کرتا ہوں۔

پھر ایک مرتبہ جب ابھی آپؒ کو خلافت نہیں ملی تھی آپ حسنین آباد لاہور کینٹ کی آبادی میں حضرت صوفی محمد زبیرؒ کے آستانے پر تشریف فرما تھے۔ آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ صوفی زبیرؒ کا جسم تو آستانے میں موجود ہے لیکن وہ خود پہلے مسجد نبوی اور پھر بغداد شریف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے دربار عالیہ پر حاضر ہیں۔ آپ نے اپنے قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا کہ صوفی صاحب کا جسم تو یہاں موجود ہے لیکن وہ روحانی طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں بلکہ مدینہ منورہ اور بغداد شریف میں ہیں۔ جب اس بات کا علم صوفی زبیرؒ کو ہوا تو انہوں نے یہ کہہ کر ہاں میں سر ہلا دیا کہ آپ تو ولی کامل ہیں آپ کی نظر تو بہت دور تک دیکھ لیتی ہے۔

اسی دوران خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو ارض مقدس بلا لیا آپؒ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کر لی۔ اس وقت آپ کے چار خلیفہ ہیں حضرت سید گلزار الحسن شاہ اور صوفی عبدالمجید کیراں والے' حاجی سراج دین اور محمد جمیل صاحبان۔

اس وقت تک تقریباً سینکڑوں افراد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے راہِ حق پر گامزن ہو چکے ہیں آپ کی عمر اس وقت 63 سال ہے اور الحمدللہ آپ کی صحت قابل رشک ہے۔ سرخ و سفید چہرے پر انوار الٰہی کا بسیرہ ہے ہر وقت سر پر سفید رنگ کی دستار سجی رہتی ہے کبھی نسواری رنگ کی دستار بھی زیب تن فرما لیتے ہیں۔ آنکھوں میں بلا کی چمک بلکہ ہیرے کی دمک ہے۔ آواز میں ٹھہراؤ' باتوں میں کمال' مزاج میں حلیمی انتہائی متاثر کن اور پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ آپؒ کی ریش مبارک سیاہ اور چند بال سرخ بھی ہیں کیونکہ

آپ اپنے سر مبارک اور ریش مبارک پر مہندی کا استعمال کرتے ہیں۔ لباس میں سفید رنگ آپ کو زیادہ پسند ہے جبکہ کرتہ شلوار کے ساتھ واسکٹ بھی زیب تن فرماتے ہیں۔

آپؒ اپنی زندگی کی 63 بہاریں دیکھ چکے ہیں لیکن آپ کو دیکھنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ کی عمر بمشکل چالیس برس ہوگی۔ یہ بات آپ کے مزاج میں بھی وضاحتاً موجود ہے۔۔۔۔عمر کے اس حصے میں بھی گھنٹوں تک موسم کی شدت کا خیال رکھے بغیر دونوں زانو بیٹھے رہتے ہیں۔ ذکر رسول ﷺ کے وقت آپ کی آنکھوں سے موتیوں کی صورت میں آنسو جاری ہو جاتے ہیں کبھی کبھی تو وجدان کی کیفیت ایسی بھی طاری ہو جاتی ہے کہ جیب میں پڑی ہوئی ساری رقم نعت خوانوں پر نچھاور کر دیتے ہیں سخاوت اور مہمان نوازی آپ کے خون میں رچی بسی ہے۔ مزاج میں سادگی کا غلبہ ہے آپ دلوں پر حکومت اور ذہنوں کو منور کرتے ہیں اس معاملے میں آپ کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ صبح سے شام تک مرد و زن آپ کے آستانے پر دعا کیلئے حاضر ہوتے رہتے ہیں کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی دن اور راتیں سوئے بغیر ہی گزر جاتی ہیں لیکن آپ یہ کیفیت ملنے والے پر کبھی ظاہر نہیں فرماتے بلکہ حسب معمول خوش اخلاقی اور مہمان نوازی سے پیش آتے ہیں۔ صرف مرید ہی نہیں ہزاروں عقیدت مند بھی آپ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

صبر و استقامت کا امتحان

اولاد چاہے انسان کی ہو یا جانور کی' ہر ذی شعور کیلئے نعمت غیر مترقبہ قرار پاتی ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اس کی پرورش اور تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں برتی جاتی تا کہ بڑی ہو کر وہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے ساتھ ساتھ بڑھاپے کا سہارا بھی بنے۔ جبکہ اولاد کی ذرا سی تکلیف بھی والدین کیلئے عذاب عظیم بن جاتی ہے۔ والدین خود تکالیف برداشت کر کے اپنے بچوں کیلئے راحت کا سامان ڈھونڈتے ہیں۔ اسی طرح کائنات کا نظام

چل رہا ہے۔

صاحبزادہ محمد عمر میرے پیر و مرشد کے اکلوتے بیٹے تھے حالانکہ حضرت صاحب کی اولاد میں چار بیٹیاں بھی شامل ہیں لیکن عمر کی حیثیت ستاروں میں چاند کی مانند تھی۔ محمد عمر 12 ربیع الاوّل 23 مارچ 1976ء کو اذان فجر سے کچھ پہلے بدھ کے روز پیدا ہوئے اور بدھ کے روز ہی اذان فجر سے کچھ پہلے 22 مارچ 1995ء کو انیس سال کی عمر پا کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بے شک ہم سب اللہ کیلئے ہیں اور اسی کی جانب ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

جس دن محمد عمر اپنی انیسویں سالگرہ منانے کیلئے مکہ کالونی والے گھر میں خوب انتظامات کر رہے تھے اس مقصد کیلئے اس نے بہت سے دوستوں کو بھی مدعو کر رکھا تھا لیکن محمد عمر اپنے والد گرامی کو سالگرہ منانے کی خبر اس لئے نہیں کرنا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب ایسی تقریبات کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں اور انہیں فضولیات کا نام دیتے ہیں۔ اس چوری چھپے منائی جانے والی سالگرہ کی ہنگامہ خیزی کے وقت عمر کو یہ خبر نہ تھی کہ رات کے آخری پہر موت اس کی منتظر ہے اسے کل کی صبح دیکھنا بھی نصیب نہیں ہو گی بلکہ وہ پو پھوٹنے سے پہلے پہلے اس جہانِ فانی سے بھی رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لمحے کی جدائی برداشت نہ کرنے والوں کو عمر بھر کی جدائی سہنی پڑے گی۔ جونہی سالگرہ کی ہنگامہ خیزی کے بعد محمد عمر سونے کیلئے بستر پر لیٹا رات کے پچھلے پہر اس کے دل میں شدید درد اٹھا دوسری جانب گھر والے سو رہے تھے لیکن محمد عمر کے والد اور میرے پیر و مرشد اس وقت تہجد کے نوافل پڑھنے میں مصروف تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجنے سے ان کا دل دھڑکا اور ایک انجانا سا خوف ان پر طاری ہو گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد جونہی ٹیلی فون کا ریسور اٹھایا تو دوسری جانب ان کا اکلوتا بیٹا عمر بول رہا تھا اور خبر بھی کوئی خوش کن نہ تھی۔ قدرت نے ویسے بھی والدین کے دل میں اولاد

کیلئے بے پناہ محبت پیدا کر رکھی ہے۔ اولاد چاہے اچھی ہو یا بری' والدین کیلئے راحت کا باعث ہی ہوتی ہے پھر محمد عمر تو اکلوتا ہونے کے ناطے حضرت صاحبؒ کی آنکھوں کا تارا تھا اوران کے دل میں بستا تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی نے ہی گھر میں سب افراد کو بیدار کر دیا۔

ٹیلی فون بند ہوتے ہی محمد عمر مکہ کالونی والے گھر سے خود گاڑی چلاتا ہوا مسجد طٰہٰ پہنچا۔ اس وقت ان کی بڑی بہن ان کے ساتھ تھی۔ وہ بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا حضرت صاحبؒ بھی نوافل سے فارغ ہو کر اپنے اکلوتے بیٹے محمد عمر کے منتظر تھے بیٹے کی تکلیف کی خبر ہی ان کا سکھ چین چھیننے کیلئے کافی تھی۔ حضرت صاحبؒ کے بقول اس وقت ان کا دل چاہا کہ وہ اپنے لخت جگر کو گلے لگا لیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عمرؔ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا ہی نہ ہو جائے۔ پھر انہوں نے اس خیال کو ذہن سے جھڑک دیا۔ لیکن درد سے تڑپتے ہوئے محمد عمر کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی وہ بہنیں جو اپنے بھائی پر جان نچھاور کرتی تھیں زار و قطار رو رہی تھیں اور اسی حالت میں انہوں نے سید گلزار الحسن شاہ صاحب کو گھر سے بلایا۔ جن کی عمر کے ساتھ محبت اور شفقت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے عمر بچپن سے لے کر جوانی تک انہی کی گود میں کھیل کر جوان ہوا تھا ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ بھی بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے حضرت صاحبؒ کے گھر پہنچے۔ اسی اثناء میں محمد عمر خود بھاگتا ہوا آئس کریم کا کپ لے کر آیا شاید ٹھنڈی چیز کھانے سے ان کا درد کچھ کم ہو جائے۔ ابھی تک وہ خود ہی اپنی جان بچانے کیلئے دوڑ بھاگ کر رہا تھا۔ قبلہ شاہ صاحبؒ عمر کو لے کر ڈاکٹر بیگ کے پاس گئے جن کا کلینک گھر سے کچھ ہی فاصلے پر تھا انہوں نے فوری طور پر ہسپتال جانے کا مشورہ دیا۔ جیسے ہی محمد عمر گھر پہنچا تو وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جس پر ممتا کی چیخیں نکل گئیں۔ بہنیں بھائی کی محبت میں لوٹ پوٹ ہونے لگیں حضرت صاحبؒ کچھ نہ بولنے کے باوجود بھی دل ہی دل میں اپنے اکلوتے بچے کیلئے لاکھوں دعائیں مانگ رہے

تھے۔شاہ صاحبؒ عمر کا سر اپنی گود میں رکھ کر پانی پلانے لگے۔پانی پیتے ہی محمد عمر نے ہچکی لی اور بے سدھ ہو گیا یوں محسوس ہوا کہ اس کی روح قصری نفسی سے پرواز کر چکی ہے پھر بھی دل کی تسلی کیلئے محمد عمر کو میں امریکن ہسپتال لے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔گاڑی میں شاہ صاحب عمرؒ کا سر اپنی گود میں رکھ کر شفقت بھرے ہاتھوں سے سہلاتے رہے اس وقت قبلہ شاہ صاحبؒ کی آنکھیں اور دل دونوں زارو قطار رو رہے تھے۔وہ جلد ہی امریکن ہسپتال پہنچ گئے۔ایمرجنسی وارڈ کے ڈاکٹروں نے چیک کر کے بتایا کہ محمد عمر تو پندرہ منٹ پہلے ہی اس دنیا کو چھوڑ کر دارفانی کو کوچ کر چکے ہیں۔یہ المناک خبر سنتے ہی ضبط کے بند ٹوٹ گئے اور چیخ و پکار شروع ہو گئی۔اس وقت فجر کی اذانیں شروع ہو چکی تھی اور وہ سفر جو عمر نے 12 ربیع الاوّل 1976ء کو اذان فجر سے شروع کیا تھا۔اذان فجر پر آ کر ہی ختم ہو گیا۔محمد عمر کی رحلت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور چھوٹے بڑے بے ساختہ اپنے گھروں سے نکل کر مسجد طٰہٰ گلبرگ کی طرف دوڑنے لگے۔حضرت صاحبؒ چونکہ گھر میں ہی موجود تھے اور انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ عمر نے اپنی زندگی کی آخری ہچکی گھر میں ہی لے لی تھی لیکن پھر بھی دل میں امید کی کرن باقی تھی کہ شاید ہسپتال جانے سے عمر کی جان بچ جائے۔یہ غمناک خبر ملتے ہی حضرت صاحبؒ کی بندھی ہوئی تمام امیدوں اور توقعات پر پانی پھر گیا۔عمر کی موت کی المناک خبر سن کر جہاں لوگوں کی حالت زار دیدنی تھی وہاں حضرت صاحبؒ کے حوصلے کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔کیونکہ اتنے بڑے صدمے کا سامنا کرنے کے باوجود آپؒ بالکل خاموش تھے اور آپؒ کے چہرے پر صبر و استقامت کی چادر تنی ہوئی تھی۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور ولیوں کو آزمائش میں مبتلا کر کے ان کے صبر کا امتحان لیتا ہے اور وہی لوگ ایسے امتحانوں سے کامیاب و کامران گزرتے ہیں جو ان حالات میں صبر و شکر کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔بزرگوں کا قول ہے کہ انسان کیلئے سب سے خوشی کی خبر

بیٹے کی پیدائش ہے اور سب سے بری خبر بھی بیٹے کی موت ہے۔

جیسے ہی میں حسبِ معمول نمازِ فجر کے بعد مسجد طٰہٰ پہنچا تو عجیب سی افراتفری دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا کہ خدا خیر کرے میں ابھی اس منحوس خبر سے بے خبر تھا جیسے ہی میں نے ایک شخص سے پوچھا تو اس کا جواب سن کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نہ سیسہ پگھلا کر میرے کانوں میں ڈال دیا ہو میں بے ساختہ رونے لگا۔ یہاں پر موجود ہر شخص کا چہرہ اداس تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری تھیں فوراً دل میں خیال آیا کہ محمد عمر تو حضرت صاحبؒ کا اکلوتا بیٹا تھا نوجوانی میں ہی اس کے وصال سے حضرت صاحبؒ پر کیا گزر رہی ہوگی انہیں ملنے اور حوصلہ دینے کی غرض سے جب میں مسجد کی چھت پر گیا تو وہاں پر اپنے استاد محترم سید گلزار الحسن شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی جو میری ہی طرح زار و قطار رو رہے تھے ان کے دل کی کیفیت ان کے چہرے سے عیاں تھی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری تھیں جبکہ حضرت صاحب مجھے ہاتھ میں تسبیح لئے مجسمہ صبر بنے ہوئے نظر آئے۔ بے شک میری دلی کیفیت بھی شاہ سے مختلف نہ تھی کیونکہ حضرت صاحب کے حوالے سے مجھے بھی عمر سے بہت پیار تھا حالانکہ عمر کے ساتھ ایک بار کے سوا کبھی بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب قبلہ شاہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے ارض مقدس جا رہے تھے تو کچھ وقت عمر کی رفاقت میں گاڑی میں گزرا تھا۔ وہ مختصر سی ملاقات ہی ہماری زندگی کی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ جیسے ہی میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اس سے پہلے کہ میں ان کو حوصلہ دیتا اور ہمدردی کے الفاظ کہتا الٹا انہوں نے مجھے دلاسہ دینا شروع کر دیا لیکن محمد عمر کی موت سے غم کا جو طوفان میرے دل میں اٹھ چکا تھا اسے وقتی تسلیوں سے روکا نہیں جا سکتا تھا بلکہ میں حضرت صاحب کے حوصلے کی داد دے رہا تھا جن کا جوان بیٹا ان سے بے وقت جدا ہو گیا ان کی برداشت اور صبر کے تمام بند ٹوٹ

جاتے ہیں ان کی تو دنیا ہی لٹ جاتی ہے پھر وہ کون سی طاقت تھی جس نے حضرت صاحبؒ کو اس حالت میں بھی حوصلہ دیئے رکھا اسی وقت گھر میں چند خواتین کے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں تو حضرت صاحبؒ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی جانب گئے اور ان خواتین کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ خدا کیلئے میرے بچے کو نہ پیٹو۔ اس سے میرے بچے کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ ہمارے حال پر رحم کرو۔ ان کے الفاظ میں تلخی اور ناگواری موجود تھی حالانکہ میں نے آج تک انہیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا ان کے پاس آنے والا ہر شخص محبت اور شفقت ہی سمیٹ کر جاتا۔

اسی دوران ایک عجیب اور انوکھا واقعہ یہیں پر دیکھنے میں آیا کہ جب حضرت صاحبؒ جنازے کے وقت کا تعین کرنے کیلئے اپنے اہلِ خانہ کے پاس گئے تو عمر کے چہرے پر شفقت پدری سے ہاتھ پھیرا موقع پر موجودہ تمام خواتین نے دیکھا بلکہ شاہ صاحب بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ دستِ شفقت پھیرنے سے محمد عمر کی ایک آنکھ کھل گئی جیسے اس آنکھ میں پھر سے زندگی آگئی ہو لیکن جیسے ہی حضرت صاحبؒ پیار کر کے تھوڑی دور گئے تو وہ آنکھ خود بخود بند ہوگئی۔

ایک عورت کے مطابق اس نے عمر کے ماتھے سے ایک چمکدار چیز ابھرتی دیکھی جس میں سے روشنی پیدا ہو رہی تھی۔ یہ واقعات ابھی تک حیرانگی اور تجسس کا لبادہ اوڑھے کھڑے ہیں کہ ان میں خدائے بزرگ و برتر کی کیا حکمت پنہاں تھی۔

اتنے میں میرے سینئر رفیق کار خالد نظام بھی وہاں آگئے اور اس المناک خبر نے اس کی مسکراہٹیں بھی چھین لیں اور وہ بھی بے سدھ ہو کر عمر کی بے وقت اور جلد رحلت کے بارے میں سوچنے لگا۔ حضرت صاحبؒ صبر کا پہاڑ بنے ہم سب کو حوصلہ دے رہے تھے مجھے انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے اندر اور باہر جتنے بھی احباب کھڑے ہیں انہیں بلا کر درود پاک

پڑھنے کا اہتمام کروں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحبؒ کے حکم کے مطابق اس کا اہتمام کر دیا۔ جبکہ حضرت صاحبؒ مسجد میں معمول کے مطابق نوافل ادا کر رہے تھے۔ گویا اس المناک صورتحال میں بھی وہ خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوئے۔ بعد میں انہوں نے یہی فرمایا کہ جس کی امانت تھی وہ لے گیا اس میں، مَیں کیا کر سکتا ہوں بلکہ ہماری سب کی جان بھی تو اسی کے قبضے میں ہے ہمیں ہر وقت تیاری کی حالت میں رہنا چاہئے جب بھی خالق اپنی مخلوق کو بلائے وہ لبیک کہتا ہوا اس دنیا فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے رب کے حضور پیش ہو جائے۔

جوں جوں سورج کی روشنی پھیل رہی تھی لوگ جوق در جوق تعزیت کیلئے آ رہے تھے بلکہ کئی لوگ تو اس قدر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے کہ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ اب حضرت صاحب کیلئے ضبط برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ شاید حضرت صاحبؒ کا یہ امتحان تھا جس میں وہ کامیاب نظر آ رہے تھے۔

بقول حضرت صاحبؒ انسان قربانی دے تو ایسی دے۔ شاید یہ بھی رب کریم کی جانب سے آپ کا امتحان ہو جس میں آپ سرخرو ہونا چاہتے ہوں۔

تین بجے سہ پہر حضرت صاحبؒ کے استاد گرامی شیخ الحدیث مفتی حضرت مولانا محمد عبداللہ قادری صاحب قصور سے تشریف لا چکے تھے وہ عزیز و اقارب جنہوں نے دوسرے شہروں سے آنا تھا وہ بھی اس سوگوار آستانے پر حاضر ہو چکے تھے لوگوں کا جم غفیر مسجد میں جمع ہو چکا تھا۔ میت کو غسل دیا جا چکا تھا۔ قبلہ شاہ صاحب دوران غسل کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ جب عمر کو آخری غسل دیا جا رہا تھا ان کا جسم بالکل اسی طرح نرم تھا جیسے زندہ انسانوں کا ہوتا ہے اس کو بٹھا کر قمیض وغیرہ اتاری گئی اور کسی بھی لمحے دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

غسل دے کر میت کو مسجد کی بالائی چھت پر رکھ دیا گیا جس کے گرد بے شمار خواتین کا ہجوم تھا اور یہیں پر عمر چشتی اور ہمنوا بلند آواز میں درود سلام پڑھ رہے تھے جبکہ مسجد میں الگ درود پاک پڑھنے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

نماز عصر کے وقت لوگوں کی تعداد اسقدر بڑھ گئی تھی کہ مسجد میں جگہ کم پڑ گئی بہت سارے نمازیوں کو نماز مسجد سے باہر سڑک پر پڑھنی پڑی۔ نماز عصر ختم ہوتے ہی جنازہ اٹھالیا گیا۔ مسجد طہ سے قبرستان تک لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے اس لئے راستہ تبدیل کر کے مین بازار کی جانب سے میت کو لانے کا پروگرام بنایا یہ اقدام اس لئے اٹھایا گیا تھا کہ قبرستان تک کا سفر آسانی سے کٹ جائے کیونکہ عوام کا بہت بڑا ہجوم عمر کے سفر آخرت میں شرکت کے لیے آیا ہوا تھا اور دھکم پیل کا سخت اندیشہ تھا۔ راستہ تبدیل ہونے کے باوجود لوگوں کا جوش وخروش قابل دید تھا جنازے میں شریک ہر شخص میت کو کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ تمام راستے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ورد جاری رہا ایک اور بات قابل ذکر یہ تھی کہ جنازے میں شریک ہر شخص باوضو تھا کیونکہ لوگ ذہنی طور پر جنازے میں شرکت کیلئے آئے ہوئے تھے ولی کامل کے بیٹے کا جنازہ تھا لوگ کیسے گستاخی کا تصور کر سکتے تھے۔ جنازے کے آگے آگے نوجوان ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے زنجیر بنا کر چل رہے تھے۔

پونے چھ بجے میت اس کھلے میدان میں لا کر رکھ دی گئی جہاں نماز جنازہ پڑھنی مقصود تھی حالانکہ قبرستان میں بھی جنازگاہ موجود تھی جس میں خاصی بڑی تعداد میں لوگ نماز جنازہ ادا کر سکتے تھے لیکن عوام کی اتنی بڑی تعداد کو مدنظر رکھ کر ہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ لوگ اصل جنازگاہ میں پورے نہیں آئیں گے اس لئے کھلی جگہ پر نماز جنازہ پڑھانے کا فیصلہ ہوا ایسا جنازہ تو کسی خوش قسمت کو ہی نصیب ہوسکتا تھا۔ ایک اور خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ عمر کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے جو عظیم ہستی یہاں موجود تھی اس عظیم ہستی کا نام شیخ الحدیث استاد العلما

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ تھا۔صرف لاہور شہر میں ان کے شاگرد علما کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی جبکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے شاگردوں کا شمار کرنا ممکن نہیں۔انہوں نے موقع کی مناسبت سے دو ایسے مسئلوں پر روشنی ڈالی جن پر عام آدمی کو ہی نہیں بلکہ علماء کو بھی ابہام محسوس ہوتا ہے۔مثلاً خانہ کعبہ کی جانب پاؤں کرنے کا مسئلہ' بغیر وضو نماز جنازہ کا مسئلہ۔انہوں نے بتایا کہ شریعت تین مقامات پر خانہ کعبہ کی جانب پاؤں کر لینے کی اجازت دیتی ہے۔جب میت کو مغرب سے مشرق کی جانب قبرستان کی جانب لایا جارہا ہو۔دوسرا' اس وقت جب کوئی مریض بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز ادا نہ کرسکتا ہو۔تیسری رعایت' جب میت کو غسل دیا جارہا ہو۔بے شک ہمارے ہاں شمالاً جنوباً غسل دیا جاتا ہے لیکن شریعت مغرب سے مشرق کی جانب غسل دینے کا حکم دیتی ہے۔اسی طرح انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ نمازِ جنازہ تیار ہو لوگ مسلسل وضو کر رہے ہوں اور وقت تنگ ہونے کا خدشہ موجود ہو تو تیمم بھی کیا جاسکتا ہے اور اگر وضو کر لیا جائے تو اسی وضو سے نماز بھی ادا ہو سکتی ہے۔لیکن زیادہ بہتر ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے سے پہلے وضو کر لیا جائے تاکہ اپنے ساتھ ساتھ میت کو بھی کچھ فائدہ ہو سکے آپ نے جنازے میں شرکت اور نماز جنازہ کے بعد تدفین تک سگریٹ نوشی اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہونے کی عادت کو سخت ناپسند فرمایا۔ہمارے ہاں عموماً ان دونوں مسئلوں پر خاصی لے دے ہوتی ہے آج شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ قادریؒ نے ان شرعی مسائل پر روشنی ڈال کر تمام شک وشبہ ختم کر دیا تھا جس کے بارے میں لوگ اکثر ابہام کا شکار ہو جاتے ہیں۔وقت چونکہ بہت تھوڑا رہ گیا تھا اور اس لئے جلدی جلدی طویل ترین گیارہ صفیں بنا کر نماز جنازہ پڑھ لی گئی اس کے بعد سب لوگوں نے صاحبزادہ محمد عمر کا آخری دیدار کیا پھر ان کی میت کو قبرستان تک لایا گیا۔جہاں ان کی آخری آرام گاہ بالکل تیار تھی۔قبلہ شاہ صاحب اور حاجی شریف صاحب دونوں نے قبر میں اتر کر دیکھا بلکہ

جس وقت شاہ صاحبؒ قبر میں کھڑے وہ بلند آواز میں رو بھی رہے تھے۔ یہ قبلہ شاہ صاحبؒ کے صاحبزادہ محمد عمر کیلئے آخری آنسو تھے جبکہ پیرو مرشد چند لمحے لختِ جگر کی آخری آرام گاہ کو دیکھ اور کچھ پڑھ کر ایک طرف ہو گئے۔ انہیں اس بات کا یقیناً دکھ تھا کہ ان کا اکلوتا لختِ جگر اتنی جلدی انہیں داغ مفارقت دے کر ایک انجانی دنیا میں چلا گیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آخری لحات میں بھی حضرت صاحبؒ نے صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا بلکہ اس وقت یہاں پر بھی ہر شخص کی آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں اور تمام کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا زیادہ سے زیادہ لوگ تدفین کیلئے معاونت کر رہے تھے۔ یہیں پر قبلہ شاہ صاحبؒ نے ایک واقعہ بتایا کہ جب انہوں نے قبر میں عمر کے جسد خاکی کو دائیں سے بائیں جانب کرنا چاہا تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے عمر کا جسم خود بخود اپنی جگہ سے کھسک کر اس جانب ہو گیا ہو۔

اذان مغرب کے ساتھ ہی حضرت پیرِ و مرشدؒ اور ولی کامل کا اکلوتا بیٹا صاحبزادہ محمد عمرؒ زمین کی سطح سے انیس سال کی عمر پا کر زمین کی تہہ میں اتر گیا۔ تدفین کے بعد قبر پر درود سلام بھی پڑھا گیا جس سے قبرستان کی فضا معطر ہو گئی۔ حضرت صاحبؒ نے یہاں بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا اور چپ چاپ اپنے اکلوتے بیٹے کو دفن ہوتا دیکھتے رہے۔ تجہیز و تکفین کی تکمیل تک نماز مغرب ہو چکی تھی۔ سورج آسمان کی پستیوں میں ڈوب چکا تھا اور فضا کے اجالوں کو رات کی تاریکی نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا دور جانے والے کچھ لوگ اپنے گھروں کو جا چکے جبکہ بڑی تعداد میں لوگ اب بھی مسجد طٰہٰ میں جمع تھے۔

اس موقع پر بھاری تعداد میں لوگ حضرت صاحبؒ سے تعزیت کر رہے تھے جس کی بناء پر حضرت صاحبؒ کے چہرے پر تھکاوٹ اور پریشانی کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ یہاں سے فراغت پا کر غمزدہ دل کے ساتھ ہم اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اگلی صبح جب

میں دوبارہ مسجد طٰہٰ پہنچا تو حضرت صاحبؒ کے چہرے پر حسب معمول خاموشی کے پہرے تھے لیکن ان کے اندر غم کا جو سمندر موجزن تھا اس کی لہریں بخوبی محسوس کی جاسکتی تھیں۔ وہ کرب اور وہ درد جس کا احساس انہیں بخوبی ہورہا تھا ان کے چہرے سے عیاں تھا جبکہ ہمیں حضرت صاحبؒ کی تھوڑی سی پریشانی بھی پہاڑ دکھائی دیتی تھی۔ نماز اشراق کے بعد ہم حضرت صاحبؒ اور قبلہ شاہ کے ساتھ قبرستان گئے۔ قبرستان جانا تو حضرت صاحبؒ کا معمول تھا لیکن آج ان کے قدم اس جانب اٹھائے بھی نہیں اٹھتے تھے وہ قدم قدم پر نقاہت محسوس کرتے تھے جب وہ صاحبزادہ محمد عمر کی قبر پر پہنچے تو ان کی حالت ناقابل دید ہوگئی۔ ان کے ضبط کا بند بھی ٹوٹتا ہوا نظر آیا بیٹے کی قبر پر چند منٹ خاموش کھڑے رہے پھر یکدم ان کی پلکوں پر آنسو نما چند موتی چھلکنے لگے جنہیں انہوں نے صبر کی تہوں میں چھپالیا اس موقع پر قبلہ شاہ صاحب نے دعا کروائی جو بذات خود بھی رو رہے تھے۔ ادھر ہماری کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ قبر پر کھڑے ہو کر ہم نے بھی خلوص دل کے ساتھ رب ذوالجلال سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو صاحبزادہ محمد عمر کو بخش دے۔ اس کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کر دے اور پیرومرشد سمیت اہلِ خانہ کو صبر سکون عطا فرمائے۔

دوسرے دن جمعرات کے روز نماز ظہر کے فوراً بعد سوئم کا ختم تھا جس میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ بلکہ علاقے کے سبھی علماء کرام اور بالخصوص استاد گرامی مولانا شیخ القرآن غلام علی اوکاڑوی صاحب شدید علالت کے باوجود تشریف لائے حالانکہ بدھ کے روز ڈاکٹروں نے ان کو بے ہوشی کے انجکشن لگا کر سلایا ہوا تھا اور انہیں محمد عمر کی وفات کی خبر بھی نہیں دی تھی ان کے گھر والوں کو خدشہ تھا کہ اگر یہ المناک خبر انہیں مل گئی تو پھر وہ کسی بھی حالت میں رک نہیں سکتے۔ بالکل ایسے ہی ہوا۔ خبر ملتے ہوئے شیخ القرآن اور استاد العلما حضرت غلام علی اوکاڑویؒ قل شریف میں شرکت کیلئے تشریف لے آئے۔ ان کے

علاوہ قاری غلام رسول صاحب بھی المناک خبر ملتے ہی چلے آئے۔ ہمارے ہی علاقے کی ایک اور عظیم شخصیت قاری غلام سرور جن کے بغیر کوئی بھی محفل مکمل دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ ہر محفل میں اپنا مقام خود بنا لیتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی بنا پر وہ عام لوگوں میں ہی نہیں علماء کرام میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے تھے بھی آ پہنچے۔ بہرکیف مسجد طٰہٰ میں نماز ظہر سے نماز عصر تک درود پاک اور قرآن پاک پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا نعت خوانی کے بعد قل شریف کا ختم پاک پڑھا گیا۔

اس کے بعد حضرت صاحبؒ کے ساتھ ایک طویل نشست ہوئی جس میں حضرت صاحبؒ نے بہت سی ایسی باتوں پر روشنی ڈالی جو ابھی تک مجھ سے پوشیدہ تھیں۔ حضرت صاحبؒ نے بتایا کہ صاحبزادہ محمد عمر بابا جی سرکار کرماں والوں کا مرید تھا وہ اکثر کہتا تھا کہ وہ کسی اور کا مرید نہیں ہوگا صرف اور صرف حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی اسے تمنا تھی۔ بلکہ پیر جی بھی اکثر اوقات صاحبزادہ محمد عمر سے بہت پیار کرتے تھے کئی بار ایسا ہوا کہ وہ والد گرامی کے ساتھ کرمانوالے جایا کرتا تھا تو وہیں اس کی ملاقات بزرگوں سے ہو جاتی۔ ایک مرتبہ ایسی ہی ملاقات میں پیر جی نے فرمایا کہ عمر کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ یہ سنتے ہی عمر گھبرایا اور بھاگ کر والد گرامی کو لپٹ گیا کہ میں کہیں نہیں رہ سکتا۔ اگر رہنا ہے تو صرف اور صرف آپ کے سایہ پدری میں۔

پھر حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ جب صاحبزادہ عمر بارہ ربیع الاوّل کو پیدا ہوا تو وہ گھر سے باہر کسی روحانی محفل میں گئے ہوئے تھے انہیں عمر کی پیدائش کی خبر وہیں پر موصول ہوئی۔ پھر جب اس بچے کے نام رکھنے کا مرحلہ آیا تو چاروں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اپنے لخت جگر کا نام حضرت عمرؓ کی مناسبت سے محمد عمر رکھ دیا جائے۔

بہر کیف جو بھی دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا تو ہے لیکن صاحبزادہ محمد عمر نے میرے پیرومرشد کے سینے پر اپنی جدائی کے جو زخم لگائے ہیں وہ کبھی مندمل نہیں ہو سکتے بے شک ہر لمحے پیرومرشد کے اردگرد لوگوں کا مجمع لگا رہتا ہے لیکن لخت جگر کی جدائی سے پیدا ہونے والی وہ جدائی کی آگ کہاں بجھتی ہے پھر بھی خدا نے بزرگ و برتر نے انہیں اتنی حوصلہ اور صبر کی طاقت عطا فرما رکھی ہے جو اللہ کے دوستوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔

میرے بیعت ہونے کا واقعہ

میں بچپن سے ہی میں نماز کی طرف راغب رہا ہوں' سن بلوغت سے لے کر آج تک مسجد سے رشتہ نہیں ٹوٹا۔ وقتی مصلحتوں کا ضرور شکار رہا لیکن میری سستی' کاہلی مکمل چشم پوشی میں نہیں بدل سکی۔ بچپن سے ہی مسجد میں جھاڑو دیتا' صفائی کرتا بلکہ جب وضو کرنے کیلئے ابھی سرکاری نلکے نصب نہیں ہوئے تھے اس وقت ایک ہینڈ پمپ سے ٹینکی بھری جاتی تھی جس سے لوگ وضو کیا کرتے تھے میرا یہ روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد کی ٹینکی میں خود بھروں تاکہ وضو کرتے وقت نمازیوں کو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان دنوں مسجد میں صرف عمر رسیدہ لوگ ہی نماز پڑھنے کیلئے آیا کرتے تھے گھروں میں بھی باقاعدہ پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے اکثر لوگ وضو اور غسل کیلئے مسجد میں ہی آتے تھے جمعہ کے دن مسجدوں سے پانی لینے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔

عشاء کی نماز چھوڑ کر باقی نمازیں میں باقاعدگی سے پڑھتا۔ عشاء کی نماز خاصی لمبی تھی اور پھر شیطان کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا کبھی سو جاتا اور کبھی دوستوں کی محفل اٹھنے نہ دیتی لیکن باقی نمازوں میں کسی قسم کی سستی نہ برتتا۔

میرے ابتدائی استاد جن سے میں نے قرآن پاک کے 12 سپارے پڑھے ان کا

نام مولانا خیر محمد تھا جامع مسجد قربان لائن کے امام مولانا محمد بشیر صاحب کا میں بہت معتقد تھا۔ اکثر اوقات ان کے گھر جانا ہوتا تو گھنٹوں روحانی محفل چلتی رہتی۔ دینی باتیں ان سے سیکھتے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے۔ کئی مرتبہ اپنی مشکلات کو کم کرنے کیلئے ان سے تعویذ بھی لے جاتے۔ میرے والدین سمیت علاقے کے تمام لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو میں انہی سے رجوع کرتا اور وہ مشکل کسی نہ کسی حد تک ختم بھی ہو جاتی حضرت مولانا بشیر احمد سلسلہ قادریہؒ سے تعلق اور نسبت رکھتے تھے۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بڑے سے ہال میں موجود ہوں غائب سے آواز آتی ہے کہ تمام لوگ نگاہیں جھکا لیں حضرت اویس قرنیؓ تشریف لا رہے ہیں اس وقت ہم اندھیرے میں کھڑے تھے اچانک ہال میں زبردست روشنی ہو جاتی ہے اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت اویس قرنیؓ تشریف لے آئے ہیں میں نے جرأت کر کے ان کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تو غائب سے آواز آئی کہ خبردار کوئی شخص اپنی آنکھیں اوپر نہ کرے۔ قدموں پر نظر پڑی وہ اس قدر روشن تھے کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں موجود تمام لوگ اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کر رہے تھے کچھ دیر بعد حضرت اویس قرنیؓ اس عمارت سے باہر نکل گئے آگے چل کر ایک اور جگہ ان سے صرف بات ہی ہوئی لیکن چہرہ مبارک دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

جب میں صبح بیدار ہوا تو مجھے روحانی مسرت نے گھیر رکھا تھا میں اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا کہ مجھے ان کے قدم مبارک کی زیارت کرنے کی سعادت تو نصیب ہوئی۔ میں نے جب یہ واقعہ اپنے روحانی رہنما مولانا محمد بشیر صاحب کو سنایا تو انہوں نے خواب سن کر مجھے کہا کہ اللہ کا تم پر بڑا خاص کرم ہے۔ حضرت اویس قرنیؓ کے سلسلے کی نسبت آپ کو کھینچ

رہی ہے اویسی سلسلے کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ حضرت میاں میرؒ کے دربار پر ضرور جایا کریں وہاں سے آپ کو فیض حاصل ہوگا۔ چونکہ حضرت میاں میرؒ سے ہمیں پہلے ہی بہت محبت تھی اور گھر کے تمام افراد ہفتے میں ایک بار ضرور وہاں حاضری کیلئے جایا کرتے تھے اب میں نے زیادہ مصمم ارادے سے وہاں جانا شروع کردیا۔

پھر ایک دن جب تھکا ماندہ رات کو سویا تو خواب آیا کہ زوردار آندھی چل رہی ہے اور ہوا کی رفتار اتنی تیز ہے کہ میں ریلوے اسٹیشن لاہور کینٹ کے پلیٹ فارم پر شمال سے مغرب کی جانب اڑتا جارہا ہوں پلیٹ فارم پر بیٹھے اور چلنے پھرنے والے لوگ اس آندھی سے بے خبر ہیں لیکن وہ آندھی مجھے زمین سے دوفٹ اوپر تیز رفتاری سے اڑائے لے جارہی ہے۔ پلیٹ فارم ختم ہوتے ہی مَیں نے ایک بزرگ کا مزار دیکھا لیکن بزرگ کا نام نہیں پڑھا جاسکا تھا اس ہجوم میں میرے والد بھی مجھے نظر آئے اور میں بلند آواز میں اپنے والد کو پکارتا ہوں کہ مجھے ہوا اڑا کر لے جارہی ہے خدا کیلئے مجھے پکڑو لیکن وہ میری چیخ و پکار پر کوئی توجہ نہیں دیتے اور عام لوگوں کی طرح میری کیفیت سے بے خبر تھے۔ جب گھبراہٹ بڑھ گئی تو میری زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع ہوگیا حتیٰ کہ آندھی تھم گئی اور میرے پاؤں زمین پر لگ گئے۔

یہ خواب بھی میں نے مولانا بشیر صاحبؒ کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ فوراً کسی ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔اس وقت انہیں مرید کرنے کا حکم نہیں تھا ورنہ میں وہیں مرید ہوجاتا۔بہرکیف عقیدت کا رشتہ تو قائم ہی تھا۔

ایک اور خواب جس نے مجھے خاصا پریشان کئے رکھا وہ یہ تھا کہ بہت بڑا بیل جس کے سینگ خاصے خطرناک نظر آرہے تھے وہ میری جانب بہت تیزی سے بھاگتا ہوا آرہا تھا

میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا لیکن بچنے کی کوئی بھی صورت نظر نہیں آ رہی تھی میں نے کلمے کا ورد شروع کر دیا۔ پھر جیسے میں ہی کلمہ پڑھتا جا رہا تھا وہ بیل پہلے وہیں رک گیا اور بعد میں اسی رفتار سے واپس جانا شروع ہو گیا حتیٰ کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بڑی گھبراہٹ کے عالم میں میری آنکھ کھلی کیونکہ جب خواب میں موت قریب ہو یا انسان کسی خطرے سے کھیل رہا ہو تو باوجود کوشش کے آنکھ نہیں کھلتی بعض اوقات بڑبڑانے کی آواز ضرور دوسروں تک پہنچتی ہے لیکن خواب میں موت سے ڈر کر جب انسان بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو انسان تیز دوڑ نہیں پاتا اور اگر کسی خطرے سے بچنا چاہتا ہے تو بچ نہیں سکتا۔ وہ جتنی بھی جدوجہد خواب میں کرتا ہے اس کے قریب ہی سویا ہوا انسان اس کی خوابی پریشانی سے بے خبر ہوتا ہے خواب میں تنہا انسان کو سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہاں یہ خیال آتا ہے کہ جب انسان کی جان نکل رہی ہوتی ہے یا نکل چکی ہوتی ہے تو قریب ہی کھڑے ہوئے عزیز و اقارب کس قدر بے خبر ہوتے ہیں انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ مرنے والا کتنے کرب سے گزر رہا ہے بظاہر دیکھنے والے تو یہی محسوس کرتے ہیں کہ وہ بڑے سکون سے لیٹا ہوا ہے۔ حقیقی اور خوابی دنیا میں بڑا عجیب رشتہ ہے۔ اسی دوران ایک مرتبہ سیدن شاہ کالونی اپنے سسرال گیا ہوا تھا۔ نماز مغرب کا وقت ہوا تھا تو نماز کی ادائیگی کیلئے قریبی مسجد گیا۔ ابھی اذان ہو رہی تھی کہ سفید لباس اور سفید دستار باندھے نورانی صورت والا شخص مسجد میں نمودار ہوا جس کی شخصیت میں اس قدر کشش اور جاذبیت تھی کہ ہلچل مچانے والا وہ ولی کامل ہمارے درمیان ہی پہلی صف میں بیٹھ گیا۔ اس کے قریب بیٹھے ہوئے بار بار میرے دل میں یہ خیال جنم لے رہا تھا کہ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ چوم لوں لیکن کسی اجنبی کے ساتھ یہ سلوک زیب نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ جونہی نماز مغرب ختم ہو گی میں ان سے ضرور ملوں گا۔ کیونکہ ان کی خاموش شخصیت نے میرے دل کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا لمحہ بہ لمحہ بے قراری

بڑھتی جا رہی تھی جماعت نماز ختم ہوئی اس سے پہلے کہ میں ان سے بالمشافہ ملتا اور ان کا ایڈریس معلوم کرتا کہ انہوں نے جلدی سنتوں کی نیت کر لی۔ جب نماز سے مکمل فارغ ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مجھ سمیت درجنوں نمازی اس پراسرار شخص سے ملنے کے لئے بے تاب ہیں۔ لیکن وہ نیک سیرت اور پرکشش شخص لمبی نماز پڑھ رہا تھا کافی دیر تک جب اس نے سلام نہ پھیرا تو میں خود کو یہ کہہ کر گھر چل پڑا کہ نماز عشاء میں ان سے ہر صورت ملاقات کر لوں گا۔ مسجد سے جونہی قدم نکالا تو اپنے جسم سے دل اور دماغ کو غائب پایا۔ پاؤں آگے چلنے کی بجائے مسجد کی جانب بڑھنے لگے زندگی میں پہلی بار میں عجیب تذبذب کا شکار ہوا۔ بہر کیف گھر آ کر بھی میری توجہ کا مرکز وہی پرکشش پراسرار انسان تھا۔ جس نے ایک ہی نظر میں میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ جب نماز عشاء کی ادائیگی کیلئے وقت مسجد میں گیا تو اسے وہاں نہ پا کر دل کو سخت دکھ ہوا۔ نماز عشاء کے بعد بھی میرے سمیت تمام نمازی، مسجد میں اس شخص کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ ہر شخص کے بقول اس اجنبی شخص نے سب کے دلوں میں اپنے لئے اتنی کشش پیدا کر لی تھی کہ اگر وہ اجنبی شخص چاہتا تو ہم بے ساختہ اس کے پیچھے چل پڑتے اس سے ملنے کیلئے ہماری بے تابی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ لیکن وہ ہم سے پہلو بچا کر مسجد سے نکل گیا۔ سچ تو یہ ہے وہ نورانی صورت والا شخص بہت دنوں تک میرے اعصاب پر سوار رہا لیکن اس کا کہیں بھی نام ونشان نہ مل سکا۔ اگر اس سے دوبارہ ملاقات ہو جاتی تو شاید میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

یہ میرا معمول تھا کہ میں جہاں بھی جاتا وہاں قریب اگر کوئی مزار ہوتا تو ضرور اس پر حاضری دیتا اور مزارات پر حاضری دے کر میں دلی سکون محسوس کرتا۔ دوستوں کی زبانی بزرگوں کی کرامات سنتا تو حسرت ہوتی کہ ہمارا کوئی پیر ہی نہیں ہم کس کے پیچھے چل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ کہنے کو تو سب کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے لیکن جب تک پیر کامل نہ ملے

اس وقت تک علم ذہن میں محفوظ نہیں ہوتا' خدا کی ذات تو برحق ہے اور ہمیشہ قائم بھی رہنے والی ہے۔ حضور ﷺ کی شان رسالت اپنی جگہ ہے لیکن ان تک پہنچنے کیلئے صحیح راستے کا تعین کرنے کیلئے ولی کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح دو انسان آپس میں بات کرتے وقت ٹیلی فون کا سہارا لیتے ہیں اسی طرح رب اور بندے کو ملانے کیلئے بھی کوئی وسیلہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اسی وسیلے کی تلاش مجھے جگہ جگہ لئے پھرتی رہی۔

1984ء میں جب میں قربان لائن سے مکہ کالونی میں منتقل ہوا تو میرے سسر صوفی بندے حسن خاں نے کہا کہ چلو میں تمہیں کرمانوالوں کے ہاتھ پر بیعت کرادوں جو گنج کرم حضرت سید اسمٰعیل شاہؒ کے صاحبزادے تھے لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے صرف بیعت ہی نہیں کرنا چاہتا بلکہ قدم قدم پر پیرومرشدؒ کی رہنمائی بھی چاہتا ہوں۔ میں تو ایسی شخصیت کو اپنا پیر مانوں گا جس سے میرا ملنا' اس کے قریب جانا اور وقتاً فوقتاً ان سے رہنمائی حاصل کرنا میرے لئے ممکن ہو۔ ہمارے دفتر میں کئی ایسے دوست تھے جو سال میں ایک آدھ مرتبہ اپنے پیرومرشدؒ کے پاس جاتے ہیں لنگر کھا کر سارا سال مرشد سے دوری میں گزار دیتے۔

بے شک دور حاضر میں کرمانوالے سرکار جیسا کوئی بزرگ موجود نہیں تھا لیکن میری یہ شرط وہاں پوری نہیں ہوتی تھی یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میرا حصہ وہاں موجود نہیں تھا۔

جب ایک دیرینہ دوست خالد نظام کے ساتھ علیک سلیک بڑھی تو اس کے ساتھ ہی میں اور میرا دوست توصیف کبوتر پورہ کے قبرستان میں ہر صبح جانے لگے۔ دعائے مغفرت بھی پڑھ لیتے اور قبروں پر پہرہ دینے والے کیڑوں کو دانہ بھی ڈال آتے کہ شاید یہی عمل آخرت میں ہماری بخشش کا سامان بن جائے چونکہ خالد صاحب حضرت مولانا محمد عنایت احمدؒ کے مرید تھے اس لئے خالد نظام بار بار ہمیں کہتا کہ چلو میں تمہیں اپنے پیرومرشد

سے ملاتا ہوں۔ایک دو مرتبہ ان سے ملے تو دل کو کچھ سکون سا میسر آیا۔اس طرح ہم ہفتے میں ایک دو بار مسجد طٰہٰ جانے لگے۔

اس دوران دارالسلام بھٹہ چوک بیدیاں روڈ پر سندھ سے ایک بزرگ آئے ہوئے تھے۔ان کا قیام یہاں پر تین دن تھا مکہ کالونی کے ایک واقف کار شخص نے ان بزرگوں کی کرامات کے بارے میں بتایا تو ہمارا دل چاہا کہ وہاں جا کر ان بزرگوں کی زیارت کی جائے شاید بات بن جائے جب ہم وہاں پہنچے تو وہ بزرگ ابھی حجرے میں ہی تھے۔کافی مرید اور عقیدت مند جمع تھے۔وعظ اور تقریروں کا سلسلہ جاری تھا' جب نماز مغرب کے بعد تمام عقیدت منداپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے اس کے بعد وہ بزرگ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور لمبی قطار بن کر لوگ باری باری ان کے پاس گزرنے لگے وہ ہر ایک کے دل پر اپنی انگلی سے ''اللہ ھو'' کا لفظ لکھتے اور قلب جاری کر دیتے۔جتنے بھی لوگ وہاں موجود تھے سبھی نے اپنے دل پر ''اللہ ھو'' کا لفظ لکھوالیا اور سب زمین پر بچھائی ہوئی دریوں پر بیٹھ گئے۔تبرک کے چاول کھانے لگے میں خالد اور توصیف یہاں سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی جانب چل پڑے۔تمام راستے عجیب سی کیفیت طاری رہی۔رات کو جب میں سویا تو ایسے محسوس ہوا کہ میرا قلب اللہ ھو کا ورد کر رہا ہے دو دن یہی کیفیت رہنے کا بعد روحانیت کا اثر ختم ہو گیا اور میں پھر ویسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا' پہلے ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک دو دن بعد یہاں آ کر مرید ہو جائیں کیونکہ ابھی تک تو میں اور توصیف کٹی ہوئی پتنگ کی طرح نگر نگر پھر رہے تھے اور ہر جگہ قلبی سکون کی تلاش میں رہتے لیکن کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملتا۔دل بھی عجیب تھا کہ کہیں ٹھہرنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

کبوتر پورہ قبرستان جانے کا سلسلہ جاری رہا۔جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے میرے دل میں عجیب سی کیفیت طاری رہنے لگی۔خوشگوار صبح کا اثر تمام دن مجھ پر حاوی

رہتا۔ پھر ایسا وقت بھی آیا جب ہر روز مسجد طٰہٰ میں جانا ہوتا' کافی دیگر تک حضرت مولانا محمد عنایت احمد صاحبؒ کی پر اثر باتیں سنتے رہتے۔ ان کی گفتگو کا براہ راست میرے دل پر بہت اثر ہوتا اور ایسے دکھائی دے رہا تھا کہ میں جس منزل کی تلاش میں جگہ جگہ مارا مارا پھر رہا تھا یہ وہی جگہ تو نہیں' کہیں میں اپنی منزل پر آ تو نہیں گیا کبھی کبھی یہ احساس خاصا زور پکڑ لیتا۔ میرے سامنے کئی لوگ حضرت صاحبؒ کے مرید ہوئے جا رہے تھے میں ان کے سامنے بیٹھا ہوا بے بسی سے سب کچھ دیکھتا رہتا' اور دل ہی دل میں سوچتا کہ میں بھی مرید ہو جاؤں کیونکہ مجھے حضرت مولانا محمد عنایت احمد صاحب کی شخصیت میں وہ سب کچھ نظر آ رہا تھا جس کی مجھے طلب تھی' ہر روز صبح ان سے ملاقات ہو سکتی تھی وقتاً فوقتاً ان سے فیض حاصل کیا جا سکتا تھا' پھر وہ پیر کامل حضرت کرمانوالوںؒ کے مرید خاص بھی تھے۔ کراچی سے حضرت سید ظہیر الحسن شاہ صاحب کی جانبؒ سے چاروں سلسلوں میں مرید کرنے کے ساتھ ساتھ مزید کئی بزرگان دین کی جانب سے بھی انہیں فیض حاصل ہو چکا تھا۔ گلبرگ کے پورے علاقے میں آپ کی بہت شہرت تھی۔

دن بدن میری عقیدت بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت صاحب کے خاص مرید محمد منشا اور ہدایت خاں کو دیکھ کر بھی دل بہت خوش ہوتا تھا جن کا اوڑھنا بچھونا درود سلام ہی بنا ہوا تھا وہ باوضو ہو کر ایک دن میں ہزاروں کی تعداد میں درود پاک پڑھتے اور انہی پاکباز ہاتھوں سے لنگر پکا کر ہم جیسے گنہگاروں کو کھلاتے کبھی ان کے ماتھے پر شکن نہ آتی حضرت صاحب کی آؤ بھگت میں ہر وقت لگے رہتے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ حضرت صاحب کو کسی قسم کی زحمت نہ اٹھانی پڑے جبکہ صبح سے شام تک مسجد طٰہٰ میں عورتوں اور مردوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہر نماز کے بعد مرد حضرات کی محفل جمتی اور حضرت صاحب کے گرد جمع ہو کر ان کی پیاری پیاری باتیں سننے میں ہر کوئی فخر محسوس کرتا تھا۔ تمام صورتحال مجھ پر بہت اثر کر رہی تھی اور بار

بار یہ خیال آتا کہ کیا میں اسی طرح تالاب کے کنارے بیٹھا رہوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی غلامی سے پہلے ہی دنیا کو نہ چھوڑ جاؤں میں نے اس بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کیا اوران کی اجازت لے کر مرید ہونے کا حتمی فیصلہ کرلیا' ابھی میں اپنے اس فیصلے پر عمل کر بھی نہیں پایا تھا کہ میرے بھائیوں نے بھی حضرت صاحبؒ کی غلامی اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا اس سے پہلے وہ بھی حضرت صاحبؒ کو کئی مرتبہ مل چکے تھے اور انہیں دل و جان سے اپنا پیرومرشد تسلیم کر چکے تھے۔ اب یہ ہچکچاہٹ درمیان میں حائل تھی کہ میں کس طرح دلی تمنا کا پیرومرشد سے اظہار کروں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انکار ہی کر دیں کیونکہ اس سے پہلے ایک دو افراد ایسے بھی میرے پیش نظر تھے جنہیں حضرت صاحب نے مرید کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ایک دن موقعہ پا کر میں نے اپنے دل کی خواہش کا اظہار حضرت صاحبؒ سے کر ہی دیا ان کی جانب سے ملنے والے پیار اور محبت نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ میں ذہنی اور قلبی طور پر پیرومرشد کے کافی قریب آچکا ہوں اور وہ اس والہانہ محبت کے ناطے مجھے اپنی غلامی میں لینے سے انکار نہیں کریں گے۔ میری بات سن کر وہ خاموش ہوگئے اور دوسرے دن آنے کے لئے کہا' تمام رات میں اسی سوچ میں گم رہا کہ کل کیا جواب ملے گا' اگر انہوں نے بھی مجھے ٹھکرا دیا تو میں کدھر جاؤں گا۔ کیونکہ ہمارے مسلک کے مطابق جس کا پیر نہیں اس کا کچھ بھی نہیں۔ پیرومرشد کی رہنمائی کی زندگی کے قدم قدم پر ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان اللہ رب العزت اور ان کے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے نہ بھٹک جائے۔ کیونکہ قرآن پاک کی ابتدائی سورۃ فاتحہ میں اللہ فرماتا ہے کہ "ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ عہد کیا کرو کہ اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے اور ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا ہے۔" چنانچہ میں بھی اللہ کے اس نیک بندے کے راستے

پر چلنے کی کوشش کر رہا تھا جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ نے بہت انعام کر رکھا ہے۔ بڑے بڑے ولی اور اولیاء کرام آپ کی کامل بزرگی کی تصدیق کر چکے ہیں بلکہ آپ کی کرامتوں کا سلسلہ تو بچپن ہی سے جاری تھا۔ پھر ایک مرتبہ یونہی پیرومرشد نے ایک سبق آموز واقعہ سنایا کہ ایک چرواہا بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لے کر دریا کے کنارے چرانے کیلئے گیا۔ ایک بکری چرتے چرتے ایسے دلدلی علاقے میں جا پھنسی کہ خود اس کا نکلنا وہاں سے محال ہو گیا۔ اسی علاقے میں کچھ دور ایک بھیڑیا' بکری کو دلدل میں پھنسے دیکھ رہا تھا۔ شکار کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا اس نے دلدلی زمین کی پرواہ کئے بغیر بکری کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ بکری یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جونہی بھیڑیا بکری کے قریب پہنچا تو بھیڑیئے کے پاؤں بھی دلدلی زمین میں پھنس گئے تمام تر طاقت کے باوجود نہ وہ آگے جا سکتا تھا اور نہ ہی پیچھے ہٹ سکتا تھا بکری کے شکار کے لالچ نے اسے ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب وہ بڑی حسرت اور بے بسی سے بکری اور اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا اسے لحہ بہ لحہ موت بھی اپنے قریب آتی دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ بکری بھیڑیئے کی بے بسی پر قہقہے لگا رہی تھی اور اس پر موت کا غم اور دلدل میں پھنس جانے کا خوف نہیں تھا۔ بکری کی مسکراہٹ دیکھ کر بھیڑیئے نے غصے سے کہا۔ اے بیوقوف بکری موت تیرے سامنے کھڑی ہے تو افسوس کرنے کی بجائے احمقوں کی طرح مسکرا رہی ہے۔ بھیڑیئے کی بات سن کر بکری نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا اے نادان بھیڑیئے! مجھے پتہ ہے کہ جب میرا مالک چرواہا ریوڑ کی بکریوں کی گنتی کرے گا تو ایک بکری کم پا کر وہ ادھر رخ ضرور کرے گا اور مجھے کسی نہ کسی طرح نکال کر لے جائے گا۔ لیکن تجھے بچانے کیلئے کون آئے گا۔ تیرا وارث کون بنے گا۔ پیرومرشد نے فرمایا کہ اسی طرح کامل پیر اپنے مریدوں کو مشکلات اور پریشانیوں کے گرداب سے نکال کر لے جاتا ہے پیرومرشد کے احکامات پر چلنے والا مرید' پیر کی ذمہ داری

بن جاتا ہے چونکہ مرشد کامل نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی یاد میں صرف کیا ہوتا ہے اس لئے کسی عام بندے کی نسبت اللہ اپنے محبوب بندے کی زیادہ جلدی سنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کے آستانوں پر ہر وقت خلق خدا کا تانتا بندھا رہتا ہے جو ان کے واسطے اپنی تمنائیں اور خواہشوں کی تکمیل چاہتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولیوں مجذوبوں اور قطبوں کو روئے زمین کے ہر حصے پر باقاعدہ مقرر کر رکھا ہے جو بھٹکے ہوئے اور مصیبت زدہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سلسلہ نبی کریم ﷺ سے لے کر قیامت تک جاری رہے گا جو لوگ بندگان خدا کے ہاتھ پر بیعت کر کے اور سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں وہ گناہوں کی زندگی سے نکل کر فلاح پانے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پیرومرشد کے فرمان عالی شان کے مطابق دنیا میں چیک اینڈ بیلنس کا نظام قیامت تک اسی طرح قائم رہے گا۔ نیکی اور بدی کے راستے واضح دکھائی دیتے ہیں۔ انسان کو جس کی خواہش ہوتی ہے ادھر نکل جاتا ہے۔ اس مقصد کیلئے انسان کو کوشش ہر حال میں کرنی چاہئے۔ جستجو کئے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پیرومرشد کی ان پیاری پیاری باتوں نے مجھ پر بہت اثر کیا اور بیعت کرنے کی خواہش اور بھڑک اٹھی۔

دوسری صبح جب میں اپنے دوستوں کے ہمراہ پیرومرشد کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو میرے دل میں طوفان برپا تھا اور یہ طوفان اسی طرح ہی ٹھنڈا ہو سکتا تھا اگر حضرت صاحبؒ مجھے اپنے سینے سے لگا کر اپنی غلامی میں لے لیتے۔ موقع غنیمت جان کر میں نے ایک بار پھر بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تمہیں حضرت میاں میر صاحبؒ کے دربار عالیہ پر جا کر مرید کیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ حضرت میاں میر صاحبؒ کے ساتھ تو مجھے بچپن ہی سے بہت لگاؤ تھا اور ہفتے میں ایک آدھ بار ان کے دربار عالیہ پر حاضری دینا میرا معمول بن چکا تھا اور یہی کیفیت میرے

والدین کی تھی۔ کینٹ اسٹیشن سے پیدل ہی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم دربار میاں میرؒ پر پہنچ جاتے۔ ان کا فیض حاصل کرنے کے بعد واپس آجاتے۔ بلکہ عرس کی تقریبات میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے۔ ان کے بارے میں سنا ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے قافلے کے ساتھ یہاں سے گزر رہا تھا کہ قافلے نے شام ہوتے یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ ایک وقت کا کھانا بھی ان کے پاس موجود نہیں تھا اردگرد کوئی بھی ایسا صاحب حیثیت نہیں تھا کہ پورے قافلے کو کھانا کھلا سکے' حضرت میاں میرؒ کے ایک مرید خاص کا ادھر سے گزر ہوا۔ مرید نے قافلے کے سالار سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کھانے کا سامان ختم ہو چکا ہے کسی ایسے شخص کا پتہ بتاؤ' جو ہمارے قافلے کو کھانا کھلا سکے۔ اس مرید نے قافلے کے سالار کو حضرت میاں میرؒ کا نام بتایا کہ صرف وہی اتنے زیادہ لوگوں کو کھانا کھلا سکتے ہیں قافلے کا سالار آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھانے کیلئے التجا کی۔ حضرت میاں میرؒ نے فرمایا اگر میرا مرید وعدہ کر آیا ہے تو ٹھیک ہے دو نان اور دال تیار کر کے انہیں ایک جگہ رکھ دیا اس پر کپڑا حضرت میاں میرؒ نے اپنے دست مبارک سے ڈال دیا اور مریدوں کو حکم دیا کہ یہاں سے نکال کر ہر کسی کو کھانا دیتے جاؤ۔ اس طرح پورے قافلے نے کھانا کھا لیا لیکن رومال اٹھایا تو دو نان اور دال وہاں اسی طرح موجود تھی۔ یہ کرامت دیکھ کر قافلے کے سردار نے حضرت میاں میرؒ کے قدموں میں ہی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت میاں میر صاحبؒ نے بہت سمجھایا لیکن وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا اور اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ اب زندگی آپ کے قدموں میں ہی گزاروں گا۔ چنانچہ حضرت میاں میرؒ کے دربار عالیہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر مغرب کی جانب ان کا مزار واقع ہے شنید ہے کہ وہاں جمعرات کو شیر حاضری دینے کیلئے آیا کرتا تھا اور آج بھی وہاں جا کر خوف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن حضرت میاں میر صاحبؒ کے دربار پر جا کر جتنی محبت اور چاہت ملتی ہے کہیں اور

نہیں ملتی۔ یہ ان کا ہم پر بڑا کرم ہے۔

10 دسمبر 1991ء جمعرات کو نماز عصر کے وقت میں' پیرومرشد' پیر بھائی محمد منشا اور ہدایت سمیت حضرت میاں میرؒ کے دربار پر ہم پہنچ گئے۔ حاضری دے کر ایک جانب بیٹھ کر میرے ہاتھوں کو حضرت صاحبؒ نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور وہ کلمات پڑھنے شروع کر دیئے جو بیعت کرنے کیلئے پڑھے جاتے ہیں۔ آخر میں دعا فرمائی گئی اور سب نے مجھے مبارک دینی شروع کر دی۔ یوں میں جگہ جگہ بھٹک کر میں حضرت مولانا محمد عنایت احمد دام برکاتہؒ کے دامن گیر ہو چکا تھا۔ جونہی بیعت ہوا تو قدرت کے اسرار و موز مجھ پر کھلنے لگے۔ نماز اور نفلی عبادت میں اس قدر خشوع خضوع پیدا ہونے لگا کہ آنکھیں آنسوؤں سے ہی تر رہنے لگیں۔ ہمہ وقت مرشد پاک کے دیدار کی طلب دل میں موجزن رہنے لگیں۔ دفتر کا تمام وقت صرف اس انتظار میں گزرتا کہ چھٹی ہوتے ہی پیرومرشد کے آستانے پر جاؤں گا۔ پیرومرشد سے ملاقات کی غرض سے جب میں دفتر یا گھر سے چلتا تو عجیب روحانی کیفیت مجھے گھیر لیتی۔ ہر وقت آنکھوں میں پیرومرشد کی شبیہ رہنے لگی جب میں مسجد طہٰ پہنچتا تو پہلی نظر ہی پیرومرشد پر پڑتی تو جی چاہتا کہ ان کے قدموں سے لپٹ کر روتا ہی چلا جاؤں۔ پھر جب تک میں مسجد طہٰ میں موجود رہتا میرا دل خوف خدا' محبت رسول اور چاہت مرشد سے لبریز رہتا ہر نماز سے پہلے اور بعد میں مسجد طہٰ میں درود پاک پڑھنے کی روایت ہے اس طرح ہم سب درود پاک پڑھتے ایک پیر کامل کے ساتھ بیٹھ کر دورد پاک پڑھنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں دن گزرتے گئے۔ پیرومرشد کا روحانیت کی دنیا میں مقام مجھ پر آشکارہ ہوتا چلا گیا۔

اس کے چند دن بعد ہی میرے والدین بھی حضرت صاحبؒ کے مرید ہو گئے۔ اشرف' ارشد اور اکرم بھائی تو پہلے ہی بیعت کر چکے تھے۔ اب ہمارا پورا گھرانہ آپؒ کا مرید

ہو چکا تھا اور ہم سب آپؒ کے بتائے ہوئے راستے پر بخوشی چل رہے تھے جو خوشنودی خداوندی کی منزل تک جاتا تھا ہمیں ہر وقت اپنے سر پر تحفظ کی چادر تنی محسوس ہوتی ہے۔ شروع شروع میں حضرتؒ سے عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ کوئی صبح اور کوئی شام خالی نہیں جاتی تھی میرا یہ معمول بن چکا تھا کہ نمازِ فجر اور نماز عشاء مسجد طٰہٰ میں ادا کروں اور یہاں حضرت صاحبؒ کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان کی پیاری پیاری باتیں بھی سنوں۔ حضرت صاحب اپنے ہر مرید اور عقیدت مندوں کو نصیحت فرماتے کہ ہر صبح کا آغاز پانچ سو مرتبہ درود و سلام اور پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ سے کرنا چاہئے۔ نمازِ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ''سبحان اللہ بحمدہ' سبحان اللہ العظیم'' اور تیسرے کلمہ کا ورد کثرت سے کرنے سے رزاق کی تنگی دور ہو جاتی ہے جبکہ درود سلام انسان کی بلائیں ٹالنے اور حضور ﷺ کی محبت میں مبتلا ہونے کے کام آتا ہے چونکہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضورؐ حیات ہیں اور دنیا کے کسی بھی حصے سے پڑھا جانے والا درود و سلام وہ براہِ راست خود سنتے ہیں۔ یا فرشتے ان تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح درود و سلام واحد راستہ ہے جو کسی بھی انسان کو اللہ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے ساتھ براہِ راست ملاتا ہے۔ اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قلبی اور روحانی رشتہ جس قدر مضبوط ہو گا اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اتنی ہی خوش ہو گی اور اسی طرح انسان کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے وہ کون سا عمل کیا تھا جس کی بدولت آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے اپنی زندگی میں دو کروڑ مرتبہ درود پاک پڑھا ہے اور اسی کی بدولت مجھے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت بھی ہو چکی ہے یہ درود سلام کی فضیلت ہی تھی۔

حضرت صاحبؒ کی باتوں میں اتنا سوز ہوتا ہے کہ وہاں سے اٹھنے کو جی ہی نہیں

چاہتا۔ بے شک اللہ والوں کے ہاں بہت سکون ملتا ہے وہاں دنیا والوں کی حرص وتحریص کا شائبہ بھی نہیں پڑتا۔ حضرت صاحبؒ کی شخصیت میں اتنا پیار اور ہمارے لئے محبت رچی بسی ہوتی ہے کہ اس کا ذکر الفاظ میں ممکن نہیں۔ مرشد سے ایک دن کی جدائی ہمیں پریشان کر کے رکھ دیتی۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ویسے تو وہ کوئی بھی نماز قضا کرنے کے عادی نہیں تھے بلکہ ہر نماز کی امامت کے فرائض وہ خود فرماتے کیونکہ اس طرح مریدوں کو بھی آپ کی امامت میں نماز ادا کرنے کا اعزاز اور سعادت حاصل ہو جاتی۔ لیکن جب طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہوگئی تو وہ نماز فجر پڑھانے کیلئے مسجد میں نہ آئے۔ بار بار ہماری نگاہیں آپؒ کے گھر کی جانب اٹھ رہی تھیں' چہرے پر اداسی نمایاں تھی' اور ان کی غیر متوقع جدائی نے ہمیں پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ نافرمانی اور ناگواری کے ڈر سے ہم ان کے دروازے پر دستک بھی نہیں دے سکتے تھے۔ میرے استاد حضرت مولانا سید گلزار الحسن شاہ صاحب پیرومرشد کے خلیفہ اوّل بھی ہیں ان سے درخواست کی کہ حضرت صاحب کی خیریت کے بارے میں معلوم کر کے بتائیں کیونکہ انہیں اس حالت میں چھوڑ کر ہمارا اپنے گھروں کو جانے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کی وساطت سے ہمیں معلوم ہوا کہ کل رات سے طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے آپ آرام کر رہے ہیں ہماری آمد کی اطلاع حضرت صاحبؒ کو جیسے ہی ملی وہ طبیعت کی خرابی کے باوجود فوراً سیڑھیوں سے نیچے اتر آئے اور انہیں اچانک دیکھتے ہی میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت صاحبؒ سے ہمیں اپنے والدین سے بھی زیادہ پیار اور محبت ملی۔ ان میں غصے نام کی تو کوئی چیز نہیں ہے انہیں گلے مل کر اپنی روحانی پیاس بجھائی۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ حضرت صاحبؒ نے مجھے اشاروں' کنایوں میں تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ تہجد کی نماز 12 رکعت کی ہوتی ہے جتنی

توفیق ملے اتنی پڑھ لیا کریں۔ انہوں نے حضرت کرمانوالے سرکارؒ کا طریقہ تہجد بتایا کہ پہلی رکعت میں پانچ مرتبہ سورۃ اخلاص جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جاتی ہے اس طرح جتنی چاہیں رکعتیں پڑھ لی جائیں۔ پیرومرشد کے حکم کے بعد میں نے فوراً نماز تہجد پڑھنی شروع کر دی۔

اسی طرح ایک رات کا ذکر ہے کہ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا میں نے تہجد کیلئے آلارم لگا رکھا تھا جو گھڑی خراب ہونے کی وجہ سے بروقت نہ بجا کہ مجھے کسی نے ہاتھ لگا کر اٹھا دیا۔ میں نے بیٹھ کر جب آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا تو میرے سامنے پیرومرشد کھڑے تھے میں حیران رہ گیا کہ وہ کیسے آگئے ہیں میں نے انہیں کہا کہ ابھی تہجد کا وقت نہیں ہوا ابھی کچھ وقت باقی ہے لیکن حضرت صاحبؒ نے محبت بھرے لہجے میں فرمایا' نہیں تم اٹھ کر تہجد پڑھو۔ تہجد کا وقت ختم ہوتا جا رہا ہے پیرومرشد کے حکم کے بعد اٹھ کر وضو کرنے لگا تو آسمان پر ابھی ستارے چمک رہے تھے اور رات اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن کہیں بھی حضرت صاحبؒ موجود نہ تھے وضو کرنے سے میرے حواس مکمل بحال ہو چکے تو میں حیران تھا کہ حضرت صاحبؒ مجھے تہجد کیلئے اٹھانے کیسے آگئے۔ اس تجسس میں مَیں نے تہجد کی نماز پڑھی اور نماز فجر کی ادائیگی کیلئے مسجد طٰہٰ میں پہنچ گیا۔ آج والے واقعے کی وجہ سے میرے دل میں پیرومرشد کا مقام و مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ میں نے حضرت صاحبؒ سے نماز فجر کے بعد سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے کسی کے خواب میں جا سکتا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ عام انسان نہیں اللہ والے ایسا کر سکتے ہیں بلکہ کسی کو روحانی پیغام دینے کا کام وہ خواب سے ہی لیتے ہیں۔ پھر انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ حضرت سلطان باہوؒ اس وقت دوسری جگہ دفن ہیں پہلی جگہ پر دریا بہنے لگا تو آپ نے حاکم وقت کو خواب میں حکم دیا کہ آپ کے جسد خاکی کو دریا سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرو۔

جب حاکم وقت نے تغافل سے کام لیا تو دوسرے دن پھر اسے یہی پیغام دیا گیا پھر بھی حاکم وقت نے غفلت کا مظاہرہ کیا تو حضرت سلطان باھوؒ نے سخت لہجے میں فرمایا' کہ تم ہماری بات پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ دریا کا پانی ہماری جانب بڑھتا چلا آرہا ہے اور تم تخت پر بیٹھے ہوئے عیش کر رہے ہو۔ تب جا کر حاکم وقت نے خواب دیکھی ہوئی جگہ پر پہنچ کر زمین کھدوائی تو وہاں سے حسب ہدایت ایک صندوق ملا جسے ان کی بتائی ہوئی جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ اس طرح مصر میں ایک صحابی رسول کا واقعہ بھی مشہور ہو چکا ہے جس کی تصویر بھی ہفت روزہ تکبیر میں شائع ہو چکی ہے ہزاروں سال بعد ان کی میت قبر سے نکالی گئی تو کفن بالکل صحیح حالت میں تھا اور ان کا جسم مبارک بھی اپنی اصلی حالت میں موجود تھا اسے مٹی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ صحابی رسول کی تین دن تک دنیا زیارت کرتی رہی۔ صحابی رسول ﷺ نے بھی جگہ کی تبدیلی کے بارے میں حاکم وقت کو خواب میں ہی ہدایت کی تھی۔

پھر میں نے ایک دن حضرت صاحبؒ سے قبر کے بارے میں سوال کیا کہ حضرت صاحبؒ مجھے ڈر لگتا ہے کہ قبر میں جہاں تھوڑی سی جگہ ہوتی ہے ہم کیسے رہیں گے۔ زندگی میں تو بڑے بڑے پلنگوں اور نرم گداز بستروں پر ہم سوتے ہیں اور زندگی کی ہر آسائش ہمیں حاصل ہے۔ قبر میں جہاں کروٹ لینا بھی محال ہو گا وہاں قیامت تک بسیرا کیسے ہو گا۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ کل اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اسی رات درود و سلام پڑھ کر خانہ کعبہ کی طرف چہرہ کر کے میں سو گیا تو مجھے خواب میں بغلی قبر جیسی جگہ نظر آئی۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ میں فوت ہو گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کرنے کیلئے قبرستان لے کر جا رہے ہیں جبکہ مجھے مکمل ہوش ہے اور میں لوگوں کی باتیں بھی سن رہا ہوں اور اپنے بارے میں فکر مند بھی ہوں کہ جہاں یہ لوگ مجھے لے کر جا رہے ہیں وہاں کیا ہو گا۔ خواب میں بھی میں جگہ کی تنگی کے بارے میں پریشان تھا۔ مجھے جب بغلی قبر

میں اتارا گیا تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے ہی وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں اور جہاں تک میری نظر جارہی تھی اس قبر کا آخری کنارہ ہی نظر نہیں آرہا تھا چاروں اطراف یہی عالم تھا میں نے سکھ کا سانس لیا کہ میں تو قبر کی تنگی سے ڈرتا تھا لیکن یہاں تو اللہ نے ایک الگ دنیا ہی بسا رکھی ہے۔ جب میں قبر سے نکلنے کیلئے اس خالی جگہ پر پہنچا جہاں سے مجھے بغلی قبر میں ڈالا گیا تھا تو مجھے غائب سے آواز آئی کہ تم باہر نہیں نکل سکتے۔ اندر جہاں چاہو چلے جاؤ۔ چنانچہ میں اندر ہی چلتا پھرتا رہا وہاں میری بہت سے ایسے لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی جو مجھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے وہاں ہر کوئی اس دنیا سے بالکل بے خبر اور بے نیاز تھا۔

اس خواب نے میرے کل والے سوال کا جواب دے دیا تھا۔ دوسری صبح جب میں حقیقت میں حضرت صاحبؒ کے پاس پہنچا تو پیرومرشد نے مجھے فرمایا کہ کیوں بھئی قبر کی تنگی کے بارے میں پتہ چل گیا ہے میں بہت حیران ہوا۔ کیونکہ یہ میرے پیرومرشد کی کرامت تھی انہوں نے مجھے قبر کا حال بتا ہی نہیں حقیقت میں دکھا بھی دیا تھا۔ اس دن سے مجھے قبر سے خوف نہیں آتا اور میں سوچتا ہوں کہ جہاں اتنے لوگ پہنچ گئے وہاں میں بھی چلا جاؤں گا جیسے مجھے اس دنیا میں آنے سے پہلے کا علم نہیں ہے اس طرح آگے جا کر مجھے اس دنیا کی خبر نہیں ہوگی۔

بہر کیف زندگی بہت تیزی سے گزرتی جارہی ہے اور میں اس معاملے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میرے پیرومرشد موجودہ وقت کے ولی کامل ہیں، جب بھی مجھے کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو وہ میری مدد کو آن پہنچتے ہیں گفتگو کرتے وقت میرے سامنے دلائل کے انبار لگ جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی دعاؤں اور میرے پیرومرشد کا کمال ہے۔ تحریر و تالیف کا کام بھی انہی کی نظر کرم سے چل رہا ہے ورنہ بندہ ناچیز کس قابل ہے۔

والدین کی دعاؤں کا اثر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیدنا سلیمانؑ کو وحی فرمائی کہ سمندر کے کنارے جائیں اور ہماری قدرت کا تماشہ دیکھیں۔ چنانچہ آپؑ اپنے مصاحبین کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ مگر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی۔ آپؑ نے ایک جن کو حکم دیا کہ سمندر میں غوطہ لگا کر اندر کی خبر لاؤ۔ اس نے غوطہ لگانے کے بعد واپس آ کر عرض کیا' میں تہ تک نہیں پہنچ سکا اور نہ کوئی شے نظر آئی۔ آپؑ نے اس سے قوی جن کو حکم دیا اس نے پہلے جن کے مقابلے میں دگنی گہرائی تک غوطہ لگایا مگر وہ بھی کوئی خبر نہ لا سکا۔ آپؑ نے اپنے وزیر حضرت آصف بن برخیا﷫ کو حکم دیا۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں ایک عالی شان کافوری چار دروازوں والا سفید سمندری گنبد لا کر سیدنا سلیمانؑ کی خدمت سراپا عظمت میں حاضر کر دیا۔ ایک دروازہ موتی کا' دوسرا یاقوت کا' تیسرا ہیرے کا اور چوتھا زمرد کا تھا۔ چاروں دروازے کھلے ہونے کے باوجود سمندر کے پانی کا کوئی قطرہ گنبد کے اندر نہیں تھا۔ اس سمندری گنبد کے اندر ایک حسین نوجوان ستھرے لباس میں ملبوس مشغول نماز تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا۔ آپؑ نے سلام کر کے اس سے اس سمندری گنبد کا راز دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا' یا نبی اللہؑ! میرے ماں باپ معذور تھے' والدہ نابینا تھی الحمد اللہ میں نے ستر 70 سال ان کی خدمت کی۔ میری ماں نے انتقال سے پہلے دعا کی تھی' یا اللہ! میرے بیٹے کو درازی عمر بالخیر عطا

فرما۔ والد محترم نے بوقت وفات دعا فرمائی۔ اللہ! میرے بیٹے کو ایسی جگہ عبادت پر لگا کہ شیطان مداخلت نہ کرے۔ والد مرحوم کی تدفین کے بعد جب میں ساحل سمندر پر آیا تو مجھے یہ سمندری گنبد نظر آیا' میں اس کے اندر داخل ہو گیا اتنے میں ایک فرشتہ آیا اور اس نے اس گنبد کو سمندر کی تہ میں اتار دیا۔ سیدنا سلیمانؑ کے استفسار پر اس نے عرض کیا' کہ میں حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے مقدس دور میں یہاں آیا ہوں۔ حضرت سیدنا سلیمانؑ سے نوجوان نے کہا کہ اس کو دو ہزار سال اس سمندری گنبد میں گزر چکے ہیں مگر وہ اب تک نوجوان ہے اور اس کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ غذا کے متعلق اس نے عرض کیا' روزانہ ایک سبز پرندہ اپنی چونچ میں کوئی زرد چیز لاتا ہے۔ میں اسے کھالیتا ہوں اس میں دنیا کی تمام نعمتوں کی لذت ہوتی ہے اس سے میری بھوک اور پیاس مٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ الحمد اللہ گرمی سردی' نیند سستی' غنودگی اور وحشت یہ تمام چیزیں مجھ سے دور رہتی ہیں۔ اس کے بعد اس نوجوان کی خواہش پر سیدنا سلیمانؑ کا حکم پا کر حضرت سیدنا آصف بن برخیارضی اللہ عنہ نے اس سمندری گنبد کو اٹھا کر سمندر کی تہ میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد حضرت سیدنا سلیمانؑ نے فرمایا' اے لوگو! اللہ عزّ وجلّ آپ سب پر رحم فرمائے آپ نے دیکھا والدین کی دعا کس قدر اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہے اس لئے ہم سب کو ماں باپ کی نافرمانی سے بچنا چاہئے۔ (روض الریاحین)

یہ واقعہ بطور خاص اس لئے کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے کہ آج کل والدین کی نافرمانی ایک رواج بن چکی ہے۔ ان کی بات کو فرسودہ خیالات قرار دے کر ٹال دیا جاتا ہے۔ لیکن خالق کے بعد اگر اپنی مخلوق کو کوئی پیار کرتا ہے تو وہ والدین ہیں جن کی ہر سانس اپنے بچوں کیلئے وقف ہوتی ہے والدین اولاد کے سکھ چین کیلئے دنیا کی نعمتوں کو پل بھر میں ٹھکرا دیتے ہیں۔ ان کا یہی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے بالخصوص ماں کی عظمت تو باپ سے بھی

زیادہ ہے جو اولاد کی تمام تر خامیوں کے باوجود صرف اسے پیار دیتی ہے۔ ساری عمر کے پیار اور محبت کا بدلہ یہی ہے کہ بچے بھی جوان ہو کر والدین کو اتنی ہی محبت اور توجہ سے نوازیں جتنی توجہ اور محبت انہیں بچپن میں والدین فراہم کرتے رہے ہیں۔

استفادہ

1- حضرت جنید بغدادیؒ ازخان آصف خان (اللہ کے سفیر)

2- حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ ملی ایڈیشن نوائے وقت

3- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ازخان آصف خان (اللہ کے سفیر)

4- حضرت میاں میر قادریؒ ازمیاں محمد دین کلیم قادری (تذکرہ حضرت میاں میر

5- حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ ازصوفی محمد ابراہیم قصوری (تذکرہ شیر ربانیؒ)

6- حضرت شمس تبریزؒ ازخان آصف علی خان (اللہ کے سفیر)

7- حضرت نظام الدین اولیاءؒ ازخان آصف علی خان (اللہ کے سفیر)

8- حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاریؒ ازنور احمد مقبول (خزینہ کرم)

9- حضرت سید شبیر احمد گیلانیؒ (رفیومیک)

10- حضرت سید چراغ علی شاہؒ ازمرزا ریاض احمد (نجم الہدیٰ)

11- حضرت سید مہر علی شاہؒ ملی ایڈیشن نوائے وقت

12- حضرت پیر کرم علی شاہ الازہریؒ فیملی میگزین

13- حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی روزنامہ پاکستان

14- حضرت صوفی محمد اصغر احمد شاہ حمیدیؒ ازغلام مصطفیٰ خان اظفری

(خصوصی تعاون اور سرپرستی پروفیسر حبیب اللہ شاہ ہاشمی اور غلام مصطفیٰ خان

اولیا کرام کے ایمان افروز حالاتِ زندگی

محمد اسلم لودھی

وفا پبلی کیشنز

11۔لوئر گراؤنڈ فلور شملہ ٹاورز نزد شملہ پہاڑی لاہور۔فون: 6370111